صحیح بخاری کا دفاع

★ توفیق الباری فی تطبیق القرآن و صحیح البخاری

★ صحیح بخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ

تالیف

حافظ زبیر علی زئی

مکتبہ اسلامیہ

توفیق الباری
فی
تطبیق القرآن وصحیح البخاری
تالیف
حافظ زبیر علی زئی
www.KitaboSunnat.com
مکتبہ اسلامیہ

نام کتاب ---------- توفیق الباری فی تطبیق القرآن وصحیح البخاری

تالیف ---------- حافظ زبیر علی زئی

ناشر ---------- محمد سرور عاصم

کمپوزنگ ---------- محمد قاسم برہ زئی

اشاعت دوم ---------- فروری 2012ء

قیمت ----------

مکتبہ اسلامیہ

بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ پاکستان فون:042-37244973

بیسمنٹ سمٹ بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد۔پاکستان فون: 041-2631204, 2034256

فہرست

تنبیہ: کتاب ''صحیح بخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ'' کے لئے دیکھئے صفحہ ۲۲۱

حرفِ اول

الحمد للّٰه ربّ العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علٰی رسولہ الأمین ، أما بعد:

نبی کریم ﷺ کی بعثت تمام جہانوں کے لئے رحمت اور اہلِ ایمان پر احسانِ عظیم ہے۔ آپ کو عطا کی گئی کتاب و حکمت پوری انسانیت کے لئے رُشد و ہدایت اور نجات کا ذریعہ ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''یقیناً اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا، جو بھیجا اُن میں ایک رسول انھی میں سے، وہ ان پر اس کی آیتیں تلاوت کرتا ہے، انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔ بلاشبہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔'' (آل عمران:۱۶۴)

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حکمت سے مراد سنت ہے۔ (تفسیر طبری ۳/۵۱۹)

نیز دیکھئے امام شافعی رحمہ اللہ کی کتاب الرسالہ (ص ۷۸ وغیرہ)

اور یہ مسلّم حقیقت ہے کہ حکمت بھی منزل من اللہ ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اللہ نے آپ پر کتاب و حکمت نازل فرمائی اور آپ کو وہ کچھ سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔'' (النساء:۱۱۳)

کتاب و حکمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے اور ان کی حفاظت و صیانت بھی اللہ رب العزت کے ہی ذمے ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: ''بلاشبہ ہم نے ہی ذکر نازل کیا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔'' (الحجر:۹)

حافظ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ذکر سے مراد ہر وہ چیز ہے جو اللہ نے اپنے نبی ﷺ پر نازل کی، خواہ قرآن سے ہو یا سنت سے۔ (الاحکام لابن حزم ۱/۱۲۲)

یعنی ذکر میں قرآن اور سنت دونوں شامل ہیں۔ اس کی تائید قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا، تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اُن باتوں کی وضاحت کریں جو ان کی طرف نازل کی گئیں۔'' (النحل:۴۴)

آیت میں مذکور 'تبیین' سے الفاظ، معانی و بیان سب مراد ہیں۔

مختلف قرون میں مختلف انداز سے فتنے جنم لیتے رہتے ہیں، انھی میں سے ایک فتنہ انکارِ حدیث ہے اور اس میں بھی طرح طرح کی اقسام ہیں، مثلاً حدیث وسنت میں تفریق کے ذریعے سے انکارِ حدیث، حالانکہ حدیث اور سنت مترادف ہیں اور شرعاً دونوں حجت ہیں۔

کبھی حدیث کو قرآن پر پیش کرنے کے خود ساختہ قاعدے کو رواج دینا، باوجود یکہ اس قاعدے کی بنیاد بالکل کھوکھلی اور خلافِ قرآن ہے۔ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی اطاعت واتباع کا مطلقاً حکم دیا ہے اور اسے کسی چیز سے مشروط نہیں کیا، اور اللہ نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ (حدیثِ رسول) تب مانو جب وہ اللہ کی کتاب کے موافق ہو، جیسا کہ بعض کج رو قسم کے لوگ کہتے ہیں۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ص ۴۸۵)

اور کبھی صحیح حدیث کو خبرِ واحد اور ظنی کہہ کر رد کر دینا، حالانکہ ایسی صحیح حدیث بلا شک و ریب حجت ہے اور اس کی حجیت پر کتاب وسنت میں بہت سے دلائل ہیں۔ مختصراً یہ کہ اب تک جتنے بھی لوگوں نے کسی بھی طرح سے انکارِ حدیث کیا ہے، انھوں نے اہلِ سنت وسلف صالحین کی راہ ترک کر کے معتزلہ، جہمیہ، خوارج، روافض اور ہلاکت کے راستوں کو اپنایا ہے۔ منکرینِ حدیث کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ''صحیح بخاری اور امام بخاری رحمہ اللہ'' ہیں۔ اس لئے عموماً وہ سب سے پہلے انھیں پر زور آزمائی کی سعی نامراد کرتے ہیں۔ دورِ حاضر میں دو منکروں ڈاکٹر شبیر احمد اور احمد سعید ملتانی نے بھی اپنے پیش روؤں کی طرح صحیح بخاری اور امام بخاری رحمہ اللہ پر طعن وتشنیع اور قلم درازی کی تو دفاعِ حدیث کے جذبے سے سرشار استاذ محترم حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے دلائل وبراہین کی روشنی میں ان دونوں کی خوب خبر لی اور ان کے اعتراضات واشکالات کے مسکت ومدلل جوابات دیئے، جو ''صحیح بخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ'' اور ''توفیق الباری'' کے نام سے شائع شدہ ہیں۔ چونکہ دونوں کا موضوع ایک ہی تھا، لہٰذا اب مشاورت کے بعد دونوں کتابوں کو ''صحیح بخاری کا دفاع'' کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے۔ میں اللہ کے حضور دعا گو ہوں کہ اس کتاب کو عوام وخواص کے لئے ذریعۂ ہدایت، مشعلِ راہ اور میرے استاذ محترم حفظہ اللہ کے لئے ذریعۂ نجات بنائے۔ (آمین)

حافظ ندیم ظہیر (۹/ جنوری ۲۰۱۲ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیم توفیق الباری

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الأمین ، أما بعد :

اللہ تعالیٰ نے امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب صحیح بخاری کو اُمتِ مسلمہ میں وہ قبولیت عطا فرمائی کہ اسے اصح الکتب بعد کتاب اللہ قرار دیا گیا، تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہوا اور قرآنِ مجید کے بعد ہر مسلم کو سب سے پہلے صحیح بخاری ہی نظر آتی ہے۔

امام نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا:

ان تمام کتابوں میں محمد بن اسماعیل البخاری کی کتاب سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے۔

(تاریخ بغداد ۲/۹ وسندہ صحیح)

رشید احمد گنگوہی دیوبندی اور قاری محمد طیب دیوبندی وغیرہما نے اسے اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہا۔

دیکھئے تالیفاتِ رشیدیہ (ص ۳۳۷) اور خطبات حکیم الاسلام (ج ۵ ص ۲۳۳)

رشید احمد لدھیانوی دیوبندی لکھتے ہیں:

"حالانکہ اُمت کا اجماعی فیصلہ ہے کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری"

(احسن الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۱۵)

تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: "صحیح بخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ" (ص ۱۱ تا ۱۸)

مگر افسوس ہے کہ اس اجماعی فیصلے کے خلاف بعض ایسے عاقبت نااندیش پیدا ہوگئے جنھوں نے حسد وعناد کی وجہ سے صحیح بخاری اور امام بخاری پر حملے شروع کر دیئے مثلاً یوسف بن موسیٰ الملطی الحنفی نے کہا: "**من نظر في كتاب البخاري تزندق** "جس شخص نے بخاری کی کتاب (صحیح بخاری) میں دیکھا، وہ زندیق (ملحد، بے دین) ہوگیا۔

(انباء الغمر بابناء العمر لابن حجر ج ۴ ص ۳۴۸ وفیات ۸۰۳ھ)

عمر کریم سالاری حنفی نے ''الجرح علی البخاری'' کے نام سے ایک زہریلی کتاب لکھی جس کا جواب مولانا ابوالقاسم بناری پنجابی رحمہ اللہ نے ''الکوثر الجاری فی جواب الجرح علی البخاری'' کے نام سے لکھ کر شائع کیا۔

ماسٹر امین اوکاڑوی دیوبندی نے اصح الکتب والی عبارت کو دکانداروں کی لکھی ہوئی قرار دے کر علانیہ کہا: ''یہ جولوگ کہتے ہیں کہ بخاری اصح الکتب ہے۔ تحکم لا یجوز تقلید فیہ یہ. بالکل ناانصافی کی بات ہے اس کے ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔''

(فتوحاتِ صفدر ج ۱ ص ۱۳۷)

حافظ محمد حبیب اللہ ڈیروی دیوبندی نے اپنی کتاب ''ہدایہ علماء کی عدالت میں'' (ص ۹۶، ۹۷) میں صحیح بخاری کے خلاف ایک جعلی قصہ لکھ کر صحیح بخاری کا مذاق اُڑایا اور توہین کی۔

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے کتاب: ''امام بخاری پر بعض اعتراضات کا جائزہ... حبیب اللہ ڈیروی کے جواب میں'' لکھ کر اپنے مخصوص انداز میں ڈیروی کے اعتراضات کا مسکت جواب دے دیا۔

عبدالغنی طارق لدھیانوی دیوبندی نے اپنی ''شادی کی پہلی دس راتیں'' میں کذب وافتراء کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور گندی زبان استعمال کر کے صحیح بخاری کا مذاق اُڑاتے ہوئے لکھا:

''تمھاری بخاری نے مجھے شرم سار کیا'' (ص ۱۷، شادی کی تیسری رات)

عبدالغنی طارق کی اس کتاب کا بہترین اور متین جواب برادر محترم حافظ عمر فاروق قدوسی حفظہ اللہ نے ماہنامہ الاخوہ لاہور (جولائی، اگست اور ستمبر ۲۰۰۸ء/ جلد ۱۰ شمارہ: ۷، ۸، ۹) میں دیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی وفات کے صدیوں بعد پیدا ہونے والے محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی، عبدالقادر قرشی اور ماسٹر امین اوکاڑوی وغیرہم نے یہ جھوٹا اور بے سند قصہ بیان کیا کہ امام بخاری اس بات کے قائل تھے کہ ایک گائے کا دودھ پینے والے دو بچوں میں رشتۂ رضاعت ثابت ہو جاتا ہے۔!

دیکھئے المبسوط للسرخسی (ج ۵ ص ۱۳۹، ۱۴۰، ج ۳۰ ص ۲۹۷) الجواہر المضیہ (۱/ ۶۷) اور اوکاڑوی کا مضمون در جزء القراءۃ مترجم (ص ۱۲)

اس بے سند اور جھوٹے قصے کا انکار عبدالحی لکھنوی تقلیدی نے بھی کیا ہے۔

دیکھئے الفوائد البہیہ (ص ۳۹، ترجمہ احمد بن حفص البخاری)

مخالفینِ صحیح بخاری و امام بخاری اور حاسدین کے اسی سلسلے میں دیوبندیوں کی تنظیم اشاعۃ التوحید والسنہ کے احمد سعید ملتانی چتروڑگڑھی مماتی نے صحیح بخاری اور امام بخاری کے خلاف ''قرآن مقدس اور بخاری محدّث'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس کا یہ مدلل، جامع اور دندان شکن جواب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میری اس کتاب کو میری نجات، تمام مسلمانوں کے دل کا سرور اور آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے۔ اگر کسی کے دل و دماغ میں چتروڑگڑھی کی کتاب کی وجہ سے کوئی غلط فہمی پیدا ہوگئی تو یہ اسے اندھیروں سے نور کی طرف لے آئے اور صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کا سبب بنائے۔ آمین

تنبیہ: صحیح بخاری پر منکرینِ حدیث کے دیگر اعتراضات کے جوابات کے لئے دیکھئے میری کتاب: ''صحیح بخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ'' والحمدللہ

(۱۱/ اکتوبر ۲۰۰۸ء)

سچی پیشین گوئی اور منکرینِ حدیث کا وجودنا مسعود

(مقدمہ طبعہ ثانیہ)

سیدنا ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم سے کسی کو اس حالت میں نہ پاؤں کہ وہ اپنے تخت پر تکیہ لگائے ہوئے ہو، اس کے پاس میرا کوئی حکم (حدیث) آئے جس میں کسی کام کے کرنے کا حکم یا ممانعت ہو تو وہ کہے: مجھے پتا نہیں، ہم تو کتاب اللہ میں جو پائیں گے اُسی کی اتباع کریں گے۔ (کتاب الام للشافعی ۱۵/۷، ۲۸۹ وسندہ صحیح، مسند احمد ۸/۶، مسند الحمیدی: ۵۵۱، سنن ابی داود: ۴۶۰۵، سنن الترمذی: ۲۶۶۳ وقال: حسن صحیح)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منکرینِ حدیث کے وجود کی پیشین گوئی فرمائی۔
دیکھئے سنن ابی داود (۴۶۰۴ وسندہ صحیح) اور یہ پیشین گوئی من وعن پوری ہوئی۔

جب سے اہلِ بدعت مثلاً خوارج، روافض، جہمیہ، مرجئہ اور معتزلہ وغیرہ کا وجودنا مسعود ہے اُسی وقت سے روئے زمین پر انکارِ حدیث کا فتنہ موجود ہے۔

منکرینِ حدیث کی کوئی اقسام ہیں مثلاً:

① بعض مثلاً عبداللہ چکڑالوی وغیرہ کے نزدیک حدیثِ رسول سرے سے حجت نہیں ہے۔

② بعض اپنے زعم باطل میں بعض صحیح احادیث کو قرآن کے خلاف کہہ کر رد کر دیتے ہیں۔

③ بعض منکرینِ حدیث اسماء الرجال اور تاریخ کی کتابیں کھول کر کتربیونت اور شعبدہ بازی کے ذریعے سے بعض احادیثِ صحیحہ اور جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق راویوں پر جرح کر دیتے ہیں۔

④ بعض مبتدعین عقل، قیاس، سائنس اور درایت وغیرہ درانتیوں کے ذریعے سے صحیح احادیث پر حملہ کرتے ہیں۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی احمد سعید ملتانی (مماتی دیوبندی) کی رسوائے زمانہ کتاب ''قرآن مقدس اور بخاری محدث'' ہے جس کا یہ جواب ''توفیق الباری فی تطبیق القرآن وصحیح البخاری'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو اہلِ ایمان کے لئے شفاء الصدور، اہلِ بدعت (منکرینِ حدیث) کے لئے ہدایت کا سامان اور مصنف کے لئے مغفرت وغفران کا سبب بنائے۔ آمین (۱۸/ دسمبر ۲۰۱۱ء)

خاص دلیل کے مقابلے میں عام دلیل پیش کرنا غلط ہے

الحمد للّٰہ رب العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علٰی رسوله الأمین، أما بعد:

دلائل ہمیشہ دو قسم کے ہوتے ہیں: خاص یا عام

خاص دلیل عام کے مقابلے میں کسی خاص فرد یا چیز پر مشتمل ہوتی ہے مثلاً سیدنا آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا فرمایا لہٰذا آپ اللہ کی مخلوقات میں سے ایک خاص مخلوق ہیں۔

محمد عمیم الاحسان نامی ایک شخص نے لکھا: ''**هو كلّ لفظ وضع لمعنى معلوم على الانفراد جنسًا كإنس أو نوعًا كرجل أو عينًا كزيد** ''خاص ہر وہ لفظ ہے جسے انفراد کے طور پر معلوم معنی کے لئے وضع کیا جائے: بلحاظِ جنس ہو جیسے انسان، بلحاظِ نوع ہو جیسے مرد یا بلحاظِ عین ہو جیسے زید۔ (التعریفات الفقہیہ ص ۲۷۶، الخاء)

یہ لفظ تفرد سے عبارت ہے اور اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوتا۔

دیکھئے التعریفات للجرجانی (ص ۴۴) یہ عام کی ضد ہے۔ دیکھئے علمی اردو لغت (ص ۶۶۱)

عام دلیل خاص کے مقابلے میں عام افراد یا تمام چیزوں پر مشتمل ہوتی ہے مثلاً تمام انسان وغیرہ۔ عبیداللہ اسعدی نامی ایک تقلیدی شخص نے کہا: ''عام ... وہ لفظ جس کو ایک معنیٰ ومفہوم کے غیر محصور افراد کے لئے ایک ہی مرتبہ میں وضع کیا گیا ہو'' (اصول الفقہ ص ۱۰۶)

عام اور خاص کا مسئلہ سمجھانے کے لئے پانچ مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

مثال اول: ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ پس مشرکوں کو قتل کرو۔ (التوبہ: ۵)

اس آیتِ کریمہ میں مسلمانوں سے جنگ کرنے والے کافروں کے بارے میں مجاہدین کو حکم دیا گیا ہے کہ مشرکین کو جہاں بھی (حالتِ جنگ میں) پاؤ قتل کر دو۔

جبکہ صحیح حدیث میں آیا ہے: ((ولا تقتلوا ولیدًا.)) اور بچے کو قتل نہ کرو۔

(صحیح مسلم: ۱۷۳۱، دارالسلام: ۴۵۲۲)

اس حدیث اور دیگر احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ حالتِ جہاد میں نابالغ بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو (جان بوجھ کر، بغیر شرعی دلیل کے) قتل کرنا ممنوع ہے۔

اول الذکر آیت عام ہے اور حدیث خاص ہے۔

مثال دوم: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ ﴾

تم پر مردار حرام ہے۔ (المائدہ: ۳)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ذبح کے بغیر خود بخود مر جانے والا ہر حلال جانور، اس حالت میں حرام ہے۔ جبکہ حدیث میں آیا ہے: ((الحل میتتہ .)) سمندر کا مُردار حلال ہے۔ (موطأ امام مالک روایۃ ابن القاسم بتحقیقی: ۲۷۲ وسندہ صحیح، سنن ابی داود: ۸۳، ت: ۶۹ وقال: ''حسن صحیح'' وصححہ ابن خزیمہ: ۱۱۱، وابن حبان، الموارد: ۱۱۹)

معلوم ہوا کہ ہر مُردار حرام ہے لیکن سمندر کا مُردار (یعنی مچھلی) حلال ہے۔

مثال سوم: کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے کہ ہر مسلمان بالغ عاقل مرد اور عورت پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ (یہ عام دلیل ہے)

حائضہ عورت پر حالتِ حیض میں نماز فرض نہیں بلکہ اس حالت میں اس کے لئے نماز پڑھنا حرام ہے۔ (یہ خاص دلیل ہے)

مثال چہارم: مَردوں کے لئے ریشمی لباس پہننا حرام ہے۔ (یہ عام دلیل ہے)

اگر کسی مرد کو خارش وغیرہ کی بیماری ہو اور اُس کے لئے اگر شرعی ضرورت ہو تو ریشمی لباس پہننا جائز ہے۔ (یہ خاص دلیل ہے)

مثال پنجم: اگر کوئی شخص چوری کرے اور یہ چوری نصاب تک پہنچ جائے تو اسلامی عدالت میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ (یہ عام دلیل ہے)

اگر کوئی شخص پھل چُرائے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا لیکن تعزیر اور جرمانہ لگایا جاسکتا

ہے۔ (یہ خاص دلیل ہے)

ان مثالوں سے ثابت ہوا کہ دلائل دو طرح کے ہوتے ہیں: خاص اور عام

اصولِ فقہ کا مشہور مسئلہ ہے کہ خاص دلیل عام دلیل پر مقدم ہوتی ہے (لہٰذا عام دلیل کو خاص دلیل کے مقابلے میں پیش کرنا غلط اور مردود ہے۔) مثلاً:

۱: حافظ ابن حجر العسقلانی نے ایک حدیث سے استنباط کر کے لکھا ہے:

"**و أنّ الخاص يقضي على العام**" اور بے شک خاص عام پر قاضی (حاکم اور فیصلہ کن) ہے۔ (فتح الباری ۱/۸۹ ح ۳۲)

۲: شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے کہا: "**والدليل الخاص مقدم على العام**" اور خاص دلیل عام پر مقدم ہے۔ (مجموع فتاویٰ ج ۳۱ ص ۱۴۱)

۳: شیخ ابو حیان محمد بن یوسف الاندلسی (متوفی ۷۴۵ھ) نے فرمایا:

"**ولا شك أن الخاص مقدم على العام**"

اور اس میں شک نہیں کہ عام پر خاص مقدم ہے۔ (تفسیر البحر المحیط ج ۳ ص ۱۶۸، سورۃ النساء: ۱۔۱۰)

۴: فخر الدین رازی نے لکھا: "**ولا شك أن الخاص مقدم على العام**"

اور اس میں شک نہیں کہ عام پر خاص مقدم ہے۔ (تفسیر رازی ج ۵ ص ۵۰، سورۃ البقرۃ: ۱۷۸)

۵: ابو شامہ نے کہا: "**فإن الخاص مقدم على العام**"

پس بے شک عام پر خاص مقدم ہے۔ (الباعث علیٰ انکار البدع ج ۱ ص ۶۵ بحوالہ المکتبۃ الشاملۃ)

۶: محمد بن الشوکانی الیمنی نے لکھا ہے: "**لأن الخاص مقدّم على العام**" کیونکہ خاص عام پر مقدم ہے۔ (نیل الاوطار ۱/۳۸۵ باب بیان أن من أدرك بعض الصلوٰة فی الوقت فإنه يتمها ...)

۷: ابن الوزیر الیمانی (متوفی ۸۴۰ھ) نے کہا: "**لأن الخاص مقدم على العام**" کیونکہ عام پر خاص مقدم ہے۔ (ایثار الحق علی الخلق ص ۴۱۱)

۸: نواب صدیق حسن خان حنفی نے کہا:

"**و قد تقرر أن الخاص مقدم على العام**" اور یہ مقرر ہو چکا ہے کہ عام پر خاص مقدم

ہے۔(الروضۃ الندیہ شرح الدرر البہیۃ ج۲ص۱۹۶ باب الذبح)

۹: ابن عابدین شامی نے قلابازیوں کے باوجود علماء سے نقل کیا کہ "إذا قوبل الخاص بالعام یراد به ما عدا الخاص" اگر خاص کا عام کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو خاص کے علاوہ مراد ہوتا ہے۔ (ردالمختار علی الدرالمختار لابن عابدین ۲/۲۹۷)

۱۰: انورشاہ کاشمیری دیوبندی نے کہا: "فإذا ورد خاص في موضع و شمله العام أیضًا و تعارض في الحکمین لا یعتد بهذا العام أصلاً و یکون الحکم حکم الخاص" جب کسی خاص چیز کے بارے میں خاص دلیل وارد ہو اور عام بھی اُسے شامل ہو اور حکم میں دونوں کا تعارض ہو تو اس عام کا سرے سے کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور خاص کا حکم (قابلِ اعتبار) ہوگا۔ (فیض الباری ج۲ص۵۹)

ان عبارات اور دیگر اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ عام پر خاص مقدم ہوتا ہے لہٰذا خاص دلیل کے مقابلے میں عام دلیل کبھی پیش نہیں کرنی چاہئے بشرطیکہ دونوں دلیلیں صحیح ہوں۔

مسئلہ: قرآنِ مجید کی تخصیص خبرِ واحد کے ساتھ جائز ہے۔

امام ابوعوانہ وضاح بن عبداللہ الیشکری رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۵ھ) سے روایت ہے کہ میں ابوحنیفہ کے پاس حاضر تھا، ایک آدمی نے آپ کی طرف کچھ (سوالات کو) لکھ کر بھیجا تھا تو آپ (جواب میں) کہنے لگے: کاٹا جائے گا (ہاتھ) کاٹا جائے گا۔ حتیٰ کہ اُس شخص نے پوچھا: اگر کوئی شخص (باغ کی) کھجوروں میں سے کچھ چُرائے تو؟ انھوں نے فرمایا: (ہاتھ) کاٹا جائے گا۔ میں نے اس آدمی سے کہا: یہ بات ہرگز نہ لکھنا، یہ عالم کی غلطی ہے۔ ابوحنیفہ نے مجھ سے پوچھا: کیا بات ہے؟ میں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ((لا قطع في ثمر و لا کثر.)) پھل اور کھجور کا شگوفہ چُرانے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) نے فرمایا: "امح ذلك و اکتب: لا یقطع ، لا یقطع" (میری) اس بات کو (کاٹ کر) مٹا دو اور لکھو: نہیں کاٹا جائے گا، نہیں کاٹا جائے گا۔

(کتاب السنۃ للامام عبداللہ بن احمد بن حنبل ج۱ص۲۲۱ ح۳۸۰ وسندہ صحیح، قلمی نسخہ ص۲۱ ؁)

امام ابوعوانہ نے ((لا قطع)) والی جو حدیث پیش کی تھی، موطأ امام مالک (نسخہ یحییٰ بن یحییٰ ۲/۸۳۹ ح ۱۶۲۸، تحقیقی) وغیرہ میں موجود ہے۔

نیز دیکھئے تاریخ بغداد للخطیب البغدادی (ج ۱۳ ص ۴۰۸ وسندہ صحیح الیٰ ابی عوانہ)

اسے امام حمیدی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

دیکھئے مسند الحمیدی (ح ۴۰۸ تحقیقی وسندہ صحیح، نسخہ دیوبندیہ: ۴۰۷)

یہ حدیث سنن الترمذی (۱۴۴۹) وغیرہ کتبِ سنن میں بھی موجود ہے۔

امام ابوعوانہ نے تو اسے بطورِ جرح وتنقید بیان کیا تھا مگر اس سچے قصے سے سات مسئلے ثابت ہیں:

① خاص دلیل عام پر مقدم ہوتی ہے۔

② قرآن کی تخصیص خبرِ واحد صحیح کے ساتھ جائز ہے۔

③ جب خاص دلیل نہ ہو تو عام پر عمل کرنا جائز ہے۔

④ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فضیلت ہے کیونکہ انھوں نے حدیث معلوم ہونے کے بعد فوراً حدیث کی طرف رجوع کر لیا تھا اور یہی اہلِ ایمان کی نشانی ہے۔

⑤ اگرچہ عالم کتنا بھی بڑا ہو مگر اُس سے بعض دلائل مخفی رہ سکتے ہیں۔

⑥ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ عالم تھے۔

⑦ المجتهد يخطئ و يصيب یعنی مجتہد کو بعض اوقات غلطی بھی لگتی ہے اور بسا اوقات اس کی بات صحیح بھی ہوتی ہے۔

تنبیہ: حدیثِ مذکور کا تعلق درختوں سے لٹکے ہوئے پھلوں کے ساتھ ہے اور یاد رہے کہ پھلوں کے چور پر تعزیر لگ سکتی ہے اور جرمانہ بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔

معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ صحیح حدیث کے ساتھ قرآن مجید کی تخصیص کے قائل وفاعل تھے۔

عبدالحی لکھنوی تقلیدی نے کہا: ” و أما بالخبر الواحد فقال بجوازه الأئمة

الأربعة... ''اور ائمہ اربعہ کے نزدیک خبرِ واحد کے ساتھ قرآن کی تخصیص جائز ہے۔

(غیث الغمام حاشیۃ امام الکلام ص ۲۷۷)

عبدالحیٔ مذکور کی ولادت سے صدیوں پہلے فوت ہو جانے والے ابو عمرو عثمان بن عمرو بن ابی بکر المعروف: ابن الحاجب النحوی الاصولی المالکی (متوفی ۶۴۶ھ) نے لکھا:

''یجوز تخصیص القرآن بالسنة المتواترة باتفاق، و أما خبر الواحد فالأئمة الأربعة علی الجواز '' إلخ سنتِ متواترہ کے ساتھ قرآن کی تخصیص بالاتفاق (بالاجماع) جائز ہے اور ائمہ اربعہ کے نزدیک خبرِ واحد کے ساتھ قرآن کی تخصیص جائز ہے۔ الخ (منتہی الاصول والامل فی علمی الاصول والجدل ص ۱۳۱)

ابو العباس احمد بن ادریس القرافی (متوفی ۶۸۴ھ) نے کہا: '' و یجوز عندنا و عند الشافعي و أبي حنیفة تخصیص الکتاب بخبر الواحد .. '' ہمارے، شافعی اور ابو حنیفہ کے نزدیک قرآن کی تخصیص خبرِ واحد کے ساتھ جائز ہے۔

(شرح تنقیح الفصول فی اختصار المحصول فی الاصول ص ۲۰۸)

علی بن محمد الآمدی الشافعی (متوفی ۶۳۱ھ) نامی ایک شخص نے لکھا:

'' و أما إذا کانت السنة من أخبار الآحاد فمذهب الأئمة الأربعة جوازه ''

اور اگر سنت خبرِ واحد میں سے ہو تو ائمہ اربعہ کے نزدیک قرآن کی تخصیص جائز ہے۔

(الاحکام فی اصول الاحکام ج ۲ ص ۳۴۷)

علی بن عبدالکافی السبکی نے کہا: '' و فیها بحثان: الأول في جواز تخصیص الکتاب بخبر الواحد و فیه مذاهب أحدها الجواز مطلقًا و هو المنقول عن الأئمة الأربعة و اختاره الإمام و أتباعه منهم المصنف '' اور اس میں دو بحثیں ہیں: اول قرآن کی خبرِ واحد کے ساتھ تخصیص کا جواز اور اس میں کئی مذہب ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ مطلقاً جائز ہے اور یہ بات ائمہ اربعہ سے منقول ہے اور امام اور ان کے متبعین بشمول (اس کتاب کے) مصنف نے اسے اختیار کیا ہے۔ (الابہاج فی شرح المنہاج علی منہاج

الوصول الیٰ علم الاصول للبیضاوی ،تصنیف السبکی ج ۲ص ۱۷۱، الفصل الثالث بحوالہ المکتبۃ الشاملہ)

۱۱۸۲ھ میں فوت ہونے والے محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک قرآن کی تخصیص خبرِ واحد کے ساتھ جائز ہے۔

دیکھئے اجابۃ السائل شرح بغیۃ الآمل (اصول الفقہ ص ۳۲۹)

ان حوالوں اور امام ابو حنیفہ کے سچے قصے سے ثابت ہوا کہ قرآن کی تخصیص صحیح حدیث کے ساتھ جائز ہے، چاہے خبرِ واحد ہی کیوں نہ ہو جبکہ عبدالعلی محمد بن نظام الدین الانصاری (تقلیدی) نے علانیہ لکھا ہے: ''**لا یجوز عند الحنفیۃ تخصیص الکتاب بخبر الواحد** '' حنفیہ کے نزدیک خبرِ واحد کے ساتھ قرآن کی تخصیص جائز نہیں ہے۔

دیکھئے فواتح الرحموت بشرح مسلّم الثبوت (ج ۱ص ۳۴۹)

ائمہ اربعہ کے خلاف چلنے والے ان تقلیدی حنفیوں نے یہ نظریہ کہاں سے لیا ہے؟ اس کا جواب ابو حامد محمد بن محمد الغزالی (متوفی ۵۰۵ھ صاحب احیاء علوم الدین) کے قلم سے پیشِ خدمت ہے:

غزالی نے کہا: '' **قالت المعتزلۃ :لا یخصص عموم القرآن بأخبار الآحاد فإن الخبر لا یقطع بأصلہ بخلاف القرآن** ''معتزلہ نے کہا: قرآن کے عموم کی تخصیص خبرِ واحد کے ساتھ نہیں کی جائے گی، کیونکہ قرآن کے برخلاف، خبر اصل کے لحاظ سے قطعی نہیں ہوتی۔ (المنخول من تعلیقات الاصول ص ۲۵۲)

معتزلہ کے اس قول کو غزالی نے رد کر دیا اور کہا: '' **والمختار :أنہ یخصص** ''اور مختار (جسے اختیار کیا گیا) یہ ہے کہ وہ (خبرِ واحد عمومِ قرآن کی) تخصیص کرتی ہے۔ (ایضاً ص ۲۵۳)

حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا: ''**و قد ذھب الجمھور إلی جواز تخصیص عموم القرآن بخبر الآحاد** ''جمہور کا یہ مذہب ہے کہ عمومِ قرآن کی تخصیص خبرِ واحد کے ساتھ جائز ہے۔ (فتح الباری ۹/۱۶۲ تحت ح ۵۱۰۸۔ ۵۱۱۱)

اب تیس (۳۰) مثالیں پیشِ خدمت ہیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحیح حدیث

(خبرِ واحد) کے ساتھ قرآنِ مجید کی تخصیص کرنا بالکل جائز، صحیح بلکہ ضروری ہے:

۱) قرآنِ مجید سے ثابت ہے کہ (حلال جانور اگر) مردار (ہو جائے تو) حرام ہے۔ جبکہ خبرِ واحد سے ثابت ہے کہ سمندر کا مُردار (یعنی مچھلی) حلال ہے۔

دیکھئے یہی مضمون (شروع والا حصہ) مثال دوم۔

۲) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْآ اَيْدِيَهُمَا﴾ اور جو کوئی چور ہو مرد یا عورت، تو کاٹ ڈالو ان کے ہاتھ۔ (المائدہ: ۳۸، ترجمہ عبدالقادر دہلوی ص ۱۳۸)

اس آیت کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کی چوری میں ہاتھ کاٹ دینا چاہئے لیکن صحیح حدیث میں ایک خاص نصاب مقرر کیا گیا ہے، جس سے کم کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔ نیز دیکھئے یہی مضمون (شروع والا حصہ) مثال پنجم۔

۳) سیدنا یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے (بطورِ تعظیم) سجدہ کیا تھا۔

(دیکھئے سورۂ یوسف: ۱۰۰)

اس آیت کے عموم سے ظاہر ہوتا ہے کہ بندے کو سجدۂ تعظیمی کرنا جائز ہے جبکہ صحیح حدیث (خبرِ واحد) میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((فإني لو أمرتُ أحدًا أن يسجد لغير الله لأمرتُ المرأة أن تسجد لزوجها.)) إلخ پس اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ غیر اللہ کو سجدہ کرے تو عورت (بیوی) کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

(سنن ابن ماجہ: ۱۸۵۳، وسندہ حسن وصححہ ابن حبان، الموارد: ۱۲۹۰، والحاکم ۱۷۲/۴ علیٰ شرط الشیخین ووافقہ الذہبی)

معلوم ہوا کہ شریعت محمدیہ میں سجدۂ تعظیمی کرنا جائز نہیں ہے۔

٤) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾

اور حلال ہوئیں تم کو، جو ان کے سوا ہیں۔ (النساء: ۲۴ ترجمہ عبدالقادر ص ۱۰۰)

آیتِ مذکورہ کے عموم سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں مذکورہ حرام رشتوں کے علاوہ ہر عورت سے نکاح حلال ہے لیکن صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پھوپھی اور بھتیجی سے (بیک وقت) نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے اور خالہ بھانجی سے (بھی بیک

وقت) نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۵۱۰۸) وصحیح مسلم (۱۴۰۸)

معلوم ہوا کہ اس خاص دلیل کی وجہ سے بیک وقت بیوی کی پھوپھی یا بیوی کی خالہ سے نکاح جائز نہیں ہے۔

۵) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اللہ کہہ رکھتا ہے تم کو تمہاری اولاد میں، مرد کو حصہ برابر دو عورت کے۔'' (النساء:۱۱، ترجمہ عبدالقادر ص ۹۶)

اس آیت کے عموم سے ظاہر ہے کہ کافر بیٹا اپنے مسلمان باپ کا وارث ہو سکتا ہے جبکہ حدیث میں آیا ہے کہ ((ولا یرث الکافر المسلم .)) اور مسلمان کا کافر وارث نہیں ہوتا۔ (صحیح بخاری:۶۷۶۴، صحیح مسلم:۱۶۱۴، ترقیم دارالسلام:۴۱۴۰ واللفظ لہ)

٦) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''کس نے منع کی ہے رونق اللہ کی، جو پیدا کی اُسنے اپنے بندوں کے واسطے، اور ستھری چیزیں کھانے کی؟'' (الاعراف:۳۲، ترجمہ عبدالقادر ص ۱۸۶)

اس آیت کے عموم سے ثابت ہوتا ہے کہ مَردوں کے لئے ریشمی لباس پہننا مطلقاً حلال ہے لیکن حدیث سے ثابت ہے کہ ریشمی لباس عورتوں کے لئے حلال اور مَردوں کے لئے حرام ہے لہٰذا خاص کے مقابلے میں عام پیش کر کے مردوں کے لئے ریشم کو مطلقاً حلال قرار دینا غلط ہے۔

۷) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تو کہہ، میں نہیں پاتا، جس حکم میں کہ مجھ کو پہنچا، کوئی چیز حرام، کھانے والے کو، مگر یہ کہ مردہ ہو یا لہو پھینک دینے کا، یا گوشت سؤر کا، کہ وہ ناپاک ہے، یا گناہ کی چیز، جس پر پُکارا اللہ کے سوا کسی کا نام۔'' (الانعام:۱۴۶، ترجمہ عبدالقادر ص ۱۷۸)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف چار چیزیں حرام ہیں حالانکہ صحیح احادیث سے گدھوں، کتوں اور درندوں وغیرہ کا حرام ہونا ثابت ہے۔

۸) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴾ اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو کمایا۔ (النجم:۳۹، ترجمہ عبدالقادر ص ۶۳۴)

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو صرف اُس کے اپنے اعمال کا ہی اجر ملتا ہے

لیکن صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ بیٹا بیٹی اپنے والدین کی طرف سے حج کر سکتے ہیں۔
مثلاً دیکھئے صحیح بخاری (۱۸۵۲) وصحیح مسلم (۱۱۴۹، ترقیم دارالسلام: ۲۶۹۷)

۹) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کو دونوں میں چھٹا حصہ جو چھوڑ مرا، اگر میت کی اولاد ہے۔'' (النساء: ۱۱، ترجمہ عبدالقادر ص ۹۶)

آیتِ مذکورہ سے ثابت ہے کہ اگر مرنے والے کی اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو میت کی وراثت میں سے چھٹا حصہ ملتا ہے لیکن حدیث میں آیا ہے کہ مسلمان کا کافر وارث نہیں ہوتا۔ (دیکھئے فقرہ: ۵)

لہٰذا اس خاص حدیث کی رُو سے کافر والدین اپنے مسلم بیٹے کی وراثت سے محروم رہتے ہیں۔

۱۰) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اے ایمان والو! جب تم اُٹھو نماز کو تو دھولو اپنے منہ، اور ہاتھ کہنیوں تک...'' الخ (المائدۃ: ۶، ترجمہ عبدالقادر ص ۱۳۱)

آیتِ مذکورہ سے ظاہر ہے کہ ہر نماز کے لئے وضو کرنا چاہئے، حالانکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایک وضو کے ساتھ کئی نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں بشرطیکہ وضو ٹوٹ نہ جائے۔

۱۱) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے: ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ الخ (النسآء: ۱۱)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور وارث ہوا سلیمان داؤد کا'' (النمل: ۱۶، ترجمہ عبدالقادر ص ۴۵۵)

ان آیات کے عموم سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی اور رسول کی وراثت ہوتی ہے۔ جبکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لا نورث ، ما ترکنا صدقة .)) ہماری وراثت نہیں ہوتی، ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

(صحیح بخاری: ۴۰۳۴، صحیح مسلم: ۱۷۵۸، دارالسلام: ۴۵۷۹)

۱۲) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وہی ہے، جس نے بنایا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے۔'' (البقرۃ: ۲۹، ترجمہ عبدالقادر ص ۸)

اس آیت کے عموم سے ظاہر ہوتا ہے کہ مَردوں کے لئے سونا پہننا حلال ہے، جبکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ مَردوں کے لئے سونا پہننا حرام اور عورتوں کے لئے حلال ہے۔

۱۳) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اور اللہ نے حلال کیا سودا اور حرام کیا سود''

(البقرۃ: ۲۷۵، ترجمہ عبدالقادر ص ۵۸)

اگر کوئی شخص اس آیت کے عموم سے استدلال کر کے یہ کہے کہ ''ایک کلو گندم کے بدلے میں دو کلو گندم لینا جائز ہے'' تو ہم کہیں گے کہ تمھارا استدلال باطل ہے، کیونکہ حدیث میں آیا ہے: ((والبر بالبر ... إلا سواء بسواء عینًا بعین فمن زاد أو ازداد فقد أربی)) گندم کے بدلے میں گندم... مگر برابر برابر، نقدا نقد پھر جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا تو اُس نے سود کا کاروبار کیا۔ (صحیح مسلم: ۱۵۸۶، دارالسلام: ۴۰۶۱)

۱۴) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اور جن کو طاقت ہے، تو بدلا چاہئے ایک فقیر کا کھانا''

(البقرہ: ۱۸۴، ترجمہ عبدالقادر ص ۳۵)

اگر کوئی شخص اس آیت سے استدلال کرے کہ طاقت ور ہٹے کٹے آدمی کے لئے روزے کے بدلے میں کفارہ (ایک فقیر کو کھانا کھلانا) جائز ہے تو عرض ہے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اس آیت کا عموم منسوخ ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۴۵۰۷)

لہٰذا اب شرعی عذر کے بغیر والے ہر شخص پر روزہ فرض ہے۔

۱۵) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اور جس جگہ تم ہوا کرو، پھیرو منہ اسی کی طرف''

(البقرہ: ۱۴۴، ترجمہ عبدالقادر ص ۲۸)

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہر وقت ہر حالت میں بیت اللہ کی طرف ہی اپنا رُخ رکھنا چاہئے تو اس کا جواب یہ ہے: اس سے مراد حالتِ نماز میں بیت اللہ کی طرف رُخ کرنا ہے۔ دیکھئے صحیح مسلم (۵۲۵، دارالسلام: ۱۱۷۶) اور صحیح بخاری (۴۰)

۱۶) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''حرام ہوا تم پر، مُردہ'' (المائدہ: ۳، ترجمہ عبدالقادر ص ۱۳۰)

یعنی مُردار حرام ہے جبکہ حدیث سے ثابت ہے کہ مُردار کی کھال دباغت سے پاک

ہو جاتی ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۱۴۹۲) وصحیح مسلم (۳۶۳، دارالسلام: ۸۰۶)
لہٰذا مُردار (حلال جانور جو ذبح کے بغیر مر جائے) کی کھال دباغت کے بعد استعمال کرنا جائز ہے۔

۱۷) زانیہ عورت اور زانی مرد کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ﴿ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ﴾ ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ (النور: ۲)
جبکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ شادی شدہ زانی مرد اور شادی شدہ زانی عورت، دونوں کو پتھر مار مار کر قتل (یعنی سنگسار) کیا جائے گا لہٰذا رجم کی خاص سزا کے مقابلے میں عمومِ قرآن سے استدلال باطل ہے۔

۱۸) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ”تو مارو مشرکوں کو جہاں پاؤ“ (التوبہ: ۵، ترجمہ عبدالقادر ص ۲۲۷)
اس آیتِ کریمہ میں ہر جگہ (مسلمان سے جنگ کرنے والے) مشرکوں کو قتل کرنے کا حکم ہے جبکہ دوسری آیت میں آیا ہے کہ ”اور نہ لڑو اُن سے مسجد الحرام (کے) پاس، جب تک وہ نہ لڑیں تم سے اس جگہ۔“ (البقرہ: ۱۹۱، ترجمہ عبدالقادر دہلوی ص ۳۷)
معلوم ہوا کہ خاص کے مقابلے میں عام سے استدلال کرنا غلط ہے۔

۱۹) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ”اور نکاح میں نہ لاؤ شرک والی عورتیں، جب تک ایمان نہ لاویں“ (البقرہ: ۲۲۱، ترجمہ عبدالقادر ص ۴۳)
اس آیت میں شرک کرنے والی عورتوں سے نکاح کرنے سے منع کیا گیا ہے جبکہ دوسری آیت میں اہلِ کتاب کی پاک دامن عورتوں سے نکاح حلال کیا گیا ہے۔
دیکھئے سورۃ المائدہ (آیت: ۵)
حالانکہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہنے والے پولسی مسیحی بہت بڑا شرک کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہودیوں کا ایک فرقہ سیدنا عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتا تھا!

۲۰) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اور پوچھتے ہیں تم سے حکم حیض کا۔ تو کہہ، وہ گندی ہے، سو پرے رہو عورتوں سے حیض کے وقت، اور نزدیک نہ ہو اُن سے جب تک کہ پاک :

ہو ویں ۔" (البقرہ:۲۲۲، ترجمہ عبدالقادر ص۴۴)

آیتِ مذکورہ میں حیض والی عورتوں سے دُور رہنے کا حکم ہے حالانکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ یہاں دُور رہنے سے مراد جماع سے دور رہنا ہے، نہ یہ کہ مطلقاً اُن سے دُور رہا جائے۔ دیکھئے صحیح مسلم (۳۰۹، دارالسلام: ۶۹۴)

لہٰذا حیض والی عورتوں کے ہاتھوں کا پکا ہوا کھانا حلال ہے اور ان کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا حلال ہے۔

۲۱) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اور طلاق والی عورتیں انتظار کروائیں اپنے تئیں تین حیض تک ۔" (البقرہ:۲۲۸، ترجمہ عبدالقادر ص۴۵)

معلوم ہوا کہ مطلقہ عورت کی عدت تین حیض تک یعنی تین مہینے ہے۔ حالانکہ دوسری آیت سے ثابت ہے کہ حمل والی مطلقہ عورت کی عدت وضع حمل (یعنی بچہ بچی پیدا ہونے) کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ دیکھئے سورۃ طلاق (آیت:۴)

۲۲) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "پھر اگر اس کو طلاق دے، تو اب حلال نہیں اس کو وہ عورت اسکے بعد جبتک نکاح نہ کرے کسی خاوند سے اسکے سواء" (البقرہ:۲۳۰، ترجمہ عبدالقادر ص۴۶)

اس آیت سے اگر کوئی شخص استدلال کرے کہ "تین علیحدہ طلاقیں ملنے کے بعد اگر مطلقہ عورت بطورِ حلالہ کسی شخص سے نکاح کر کے طلاق لے لے تو وہ پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جاتی ہے۔" تو عرض ہے کہ یہ استدلال باطل ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے اور حلالہ کرانے والے پر لعنت بھیجی ہے۔

(مسند احمد ۲/۳۲۳ ح ۸۲۷۰ وسندہ حسن وصححہ ابن الجارود بروایتہ فی المنتقیٰ: ۶۸۴)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حلالہ کے بارے میں فرمایا: رغبت کے بغیر کوئی نکاح نہیں، ہم اسے (حلالہ کو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زنا سمجھتے تھے۔

(المستدرک للحاکم ۲/۱۹۹ ح ۲۸۰۶ وسندہ صحیح وصححہ الحاکم علیٰ شرط الشیخین ووافقہ الذہبی)

۲۳) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ ﴾ پھر (وفات

دینے کے بعد) اللہ اُس روح کو روک لیتا ہے جس پر موت کا فیصلہ کرتا ہے۔ (الزمر:۴۲)

جبکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ "**فیعاد روحه في جسده**" پھر اس (میت) کے جسم میں روح لوٹائی جاتی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۳۸۱ ح ۱۲۰۵۸، وسندہ حسن، سلیمان الاعمش صرح بالسماع عند احمد ۴/۲۸۸ وصححہ البیہقی وغیرہ وللحدیث شواہد وھو بھا صحیح)

معلوم ہوا کہ عمومِ قرآن سے دنیاوی اعادۂ روح کی نفی ثابت ہے اور حدیث سے برزخی اعادۂ روح کا اثبات ہے لہٰذا خاص کے مقابلے میں عام کو پیش کرنا غلط ہے۔ نیز دیکھئے محترم محمد ارشد کمال حفظہ اللہ کی کتاب "المسند فی عذاب القبر" (ص ۷۶۔۸۶، ۱۴۲۔۱۵۱)

تنبیہ: کتاب الصلوٰۃ امام احمد بن حنبل سے اور الفقہ الاکبر امام ابو حنیفہ سے باسند صحیح ثابت نہیں ہیں۔ نیز دیکھئے کتاب: جعلی جزء کی کہانی (ص ۱۹۔۲۱)

۲۴) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ بے شک مومنوں پر نماز، وقت پر فرض ہے۔ (النسآء:۱۰۳)

اس آیت کے عموم سے ثابت ہے کہ پانچ نمازوں کو اُن کے اپنے اوقات میں پڑھنا فرض ہے لیکن صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ عرفات (حج والے دن) میں ظہر و عصر کی دونوں نمازیں جمع تقدیم کر کے پڑھنا سنت ہے۔

دیکھئے صحیح مسلم (ج ۴ ص ۱۴۱ ح ۱۲۱۸، ترقیم دارالسلام: ۲۹۵۰ ص ۵۱۵ ب)

عرفات سے واپسی کے بعد مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی جمع تاخیر مسنون ہے۔

دیکھئے صحیح بخاری (۱۶۸۲) و صحیح مسلم (۱۲۸۹)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو (عدد ۵۲ ص ۱۷۔۲۵)

۲۵) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ تو نہیں سُنا سکتا مُردوں کو۔ (النمل: ۸۰، ترجمہ شاہ عبدالقادر ص ۴۶۲)

جبکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ مُردہ، دفن ہو جانے کے بعد، اپنے پاس سے واپس جانے والے لوگوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔

دیکھئے صحیح بخاری (۱۳۳۸، ۱۳۷۴) اور صحیح مسلم (۲۸۷۰، ترقیم دارالسلام: ۷۲۱۶)

تنبیہ: اگر کوئی کہے کہ اس کی سند میں عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ راوی ضعیف ہے، تو اس کے دو جواب ہیں:

اول: عبدالاعلیٰ ثقہ وصدوق راوی تھے، جمہور محدثین نے اُن کی توثیق کی ہے لہٰذا بعض محدثین کی جرح جمہور کی توثیق کے مقابلے میں مردود ہے۔

دوم: عبدالاعلیٰ اس روایت میں منفرد نہیں تھے بلکہ اُن کے علاوہ یہی حدیث یزید بن زریع اور عبدالوہاب بن عطاء دونوں نے سعید بن ابی عروبہ سے بیان کی ہے۔ سعید بن ابی عروبہ کے علاوہ یہی حدیث شیبان بن عبدالرحمٰن نے مفسرِ قرآن قتادہ رحمہ اللہ سے بیان کی اور قتادہ کے سماع کی تصریح صحیح مسلم میں موجود ہے لہٰذا اس حدیث پر منکرینِ حدیث کی ہر قسم کی جرح مردود ہے۔ والحمدللہ

۲۶) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''حلال ہوئے تم کو چوپائے مویشی، سوا اسکے جو تم کو سُنا دیں گے'' (المآئدہ:۱، ترجمہ عبدالقادر ص ۱۲۹)

یہ بات عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ گدھا ایک چوپایہ مویشی ہے لیکن گدھے کا حرام ہونا صحیح حدیث سے ثابت ہے لہٰذا اس آیت کے عموم سے گدھے خارج ہیں۔

۲۷) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ﴾ پس جس پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیا جائے، اُسے کھاؤ۔ (الانعام:۱۱۸)

جبکہ اجماع ہے کہ مجوسی کا ذبیحہ حرام ہے۔ دیکھئے مغنی ابن قدامہ (ج ۹ ص ۳۱۳ مسئلہ: ۷۷۵۲)

معلوم ہوا کہ آیتِ مذکورہ کے عموم سے استدلال کر کے مجوسی کے مذبوحہ جانور کو حلال قرار دینا غلط ہے۔

تنبیہ: جب اجماع سے عام کی تخصیص جائز ہے تو صحیح حدیث سے بدرجۂ اولیٰ عمومِ قرآن کی تخصیص جائز ہے۔

۲۸) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: جس نے برائی کمائی اور اس کے گناہ نے اسے گھیر لیا تو یہ

لوگ دوزخی ہیں، وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ دیکھئے سورۃ البقرۃ (آیت:۸۱)

اگر کوئی خارجی اس آیت سے استدلال کر کے یہ کہے کہ تمام دوزخی (چاہے کافر تھے یا مسلمان) ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے تو ہم کہیں گے کہ تمھارا استدلال باطل ہے کیونکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ مسلمان دوزخیوں کو شفاعت وغیرہ کے ذریعے سے اور آخرکار دوزخ سے نکالا جائے گا۔

تنبیہ: آیتِ مذکورہ میں سیۂ اور خطیئہ کے عموم کو اگر شرک وکفر سے خاص کر لیا جائے تو پھر عرض ہے کہ کفار ومشرکین ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

۲۹) اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: تم اور جس کی تم عبادت کرتے ہو، جہنم کا ایندھن ہیں...سب اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

دیکھئے سورۃ الانبیآء (آیت:۹۸، ۹۹)

ان آیتوں سے ظاہر ہے کہ کفار ومشرکین کے معبود جہنم میں جائیں گے اور دوسری آیتوں سے ثابت ہے کہ نیک لوگ جہنم سے دور اور محفوظ رہیں گے۔

دیکھئے سورۃ الانبیآء (آیت نمبر ۱۰۱، ۱۰۲)

ثابت ہوا کہ خاص دلیل کے مقابلے میں عام دلیل پیش کرنا باطل ومردود ہے۔

۳۰) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ط﴾ پس قرآن میں سے جو آسان ہو (نماز میں) پڑھو۔ (المزمل:۲۰)

آیتِ مذکورہ کے عموم سے ثابت ہوا کہ نماز میں مطلق قراءت فرض ہے جبکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ دیکھئے صحیح بخاری (۷۵۶)

اس خاص دلیل سے معلوم ہوا کہ مطلق قراءت سے مراد سورۂ فاتحہ کی فرضیت ہے اور دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ سورۂ فاتحہ کے علاوہ باقی قراءت فرض یا واجب نہیں ہے۔

اس طرح خاص وعام کے اور بھی بہت سے دلائل ہیں مثلاً فرشتوں کا اہلِ زمین (اہلِ ایمان) کے لئے استغفار (دیکھئے سورۃ الشوریٰ:۵، اور سورۃ المؤمن [غافر] آیت:۷)

حنفیت کی طرف منسوب فرقے بھی ان بہت سی تخصیصات کو تسلیم کرتے ہیں اور بعض جگہ بغیر کسی شرعی دلیل کے خود تخصیص بھی بنا لیتے ہیں مثلاً:

۱: ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ مشرکین نجس ہیں لہٰذا اس سال کے بعد مسجد حرام (بیت اللہ) کے قریب بھی نہ آئیں۔ دیکھئے سورۃ التوبہ (۲۸)

اس کے مقابلے میں حنفیہ کے نزدیک مسجدِ حرام میں ذمی کافر کا داخلہ جائز ہے۔

دیکھئے درمختار (۵/۲۷۴) شرح السیر الکبیر (۱/۹۴) الاشباہ والنظائر لابن نجیم (۲/۱۷۶) احکام القرآن للجصاص (۳/۸۸) بحوالہ الفقہ الاسلامی وأدلتہ (۳/۵۸۲)

۲: قرآن مجید میں سُود کو حرام قرار دیا گیا ہے مگر حنفیہ کے نزدیک دارالحرب میں مسلمان کے لئے سود کھانا جائز ہے۔ دیکھئے الہدایہ (اخیرین ص ۸۶ باب الربوا)

۳: قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ قاتل کو قتل کے بدلے میں قتل کیا جائے گا لیکن حنفیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی بالغ یا نابالغ کو پانی میں ڈبو کر قتل کر دے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ دیکھئے الہدایہ (اخیرین ص ۵۶۶، باب مایوجب القصاص ومالا یوجبہ)

۴: قرآن سے ثابت ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا لیکن حنفیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی جگہ نقب لگا کر داخل ہو اور سارا مال لے کر اپنے ساتھی کے حوالے کر دے جو مکان سے باہر تھا، تو دونوں کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔

دیکھئے الہدایہ (اولین ص ۵۴۵ باب مایقطع فیہ ومالا یقطع)

اگر یہ لوگ خود اپنے باطل قیاسات کی بنیاد پر عمومِ قرآن کی تخصیص کر دیں تو ان کے نزدیک کوئی حرج نہیں لیکن اگر کوئی شخص صحیح خبرِ واحد سے قرآن کی تخصیص کر دے تو بڑا حرج بن جاتا ہے۔ سبحان اللہ! کیسا انصاف ہے!

اس ساری تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کی تخصیص صحیح حدیث (خبرِ واحد) کے ساتھ جائز ہے اور خاص دلیل عام دلیل پر مقدم ہوتی ہے لہٰذا خاص کے مقابلے میں عام دلیل کبھی پیش نہیں کرنی چاہئے۔

توفیق الباری فی تطبیق القرآن وصحیح البخاری

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ. مَن يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَن يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ. وَأَشْهَدُ أَن لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ. أَمَّا بَعْدُ :

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ﴾ اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور اس سے منہ نہ پھیرو اور (حال یہ کہ) تم سن رہے ہو۔ (الانفال:۲۰)

اور فرمایا: اور اگر تم اس (رسول) کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پر ہو گے۔ (النور:۵۴)

نیز فرمایا: جس نے رسول کی اطاعت کی تو اُس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی۔ (النسآء:۸۰)

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی اطاعت صرف صحیح اور مقبول احادیث کے ذریعے سے ہی ممکن ہے۔امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (متوفی ۲۵۶ھ) کی مشہور کتاب: صحیح البخاری صحیح احادیث کا وہ مجموعہ ہے جسے اُمتِ مسلمہ کے جلیل القدر اماموں نے بالاتفاق تلقی بالقبول کرتے ہوئے ''أَصَحُّ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللّٰهِ'' یعنی قرآنِ مجید کے بعد سب سے صحیح کتاب قرار دیا ہے۔

سنن النسائی کے مصنف امام ابو عبدالرحمٰن النسائی رحمہ اللہ (متوفی ۳۰۳ھ) جو کہ امام بخاری کے شاگرد ہیں، اپنے دور تک لکھی ہوئی کتبِ حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

''فما في هذه الكتب كلها أجود من كتاب محمد بن إسماعيل البخاري''

ان تمام کتابوں میں محمد بن اسماعیل البخاری کی کتاب سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے۔

(تاریخ بغداد ۲/۹ وسندہ صحیح)

امام ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی رحمہ اللہ (متوفی ۳۸۵ھ) فرماتے ہیں:

"ومع هذا فما في هذه الكتب خيرًا و أفضل من كتاب محمد بن إسماعيل البخاري رحمه الله" اور اس کے ساتھ ان کتابوں میں محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ کی کتاب سے بہتر اور افضل کوئی کتاب نہیں ہے۔

(اطراف الغرائب والافراد تالیف محمد بن طاہر المقدسی ۱/۲۰ ح ۱۵، وسندہ صحیح)

امام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

بخاری اور مسلم ہر ایک نے ایسی ایسی کتاب لکھی ہے جس میں ایسی حدیثیں جمع کر دی ہیں جو ساری صحیح ہیں۔ (معرفۃ السنن والآثار ۱/۱۰۶)

مشہور مفسرِ قرآن اور محدث حافظ ابن کثیر الدمشقی رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

"پھر (ابن الصلاح نے) بیان کیا کہ بے شک (ساری) اُمت نے ان دو کتابوں (صحیح بخاری و صحیح مسلم) کو قبول کر لیا ہے سوائے تھوڑے حروف کے جن پر بعض حفاظ مثلاً دارقطنی وغیرہ نے تنقید کی ہے۔ پھر اس سے (ابن الصلاح نے) استنباط کیا کہ ان دونوں کتابوں کی احادیث قطعی الصحت ہیں کیونکہ امت (جب اجماع کر لے تو) خطا سے معصوم ہے۔ جسے اُمت نے (بالاجماع) صحیح سمجھا تو اس پر عمل (اور ایمان) واجب ہے اور ضروری ہے کہ وہ حقیقت میں بھی صحیح ہی ہو اور (ابن الصلاح کی) یہ بات اچھی ہے۔"

(اختصار علوم الحدیث ۱/۱۲۴، ۱۲۵، صحیح بخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ ص ۷)

جس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ دونوں روایت کر دیں تو تفسیر بغوی کے مصنف امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء رحمہ اللہ (متوفی ۵۱۶ھ) اسے "هذا حديث متفق على صحته" اس حدیث کے صحیح ہونے پر اتفاق ہے، لکھتے ہیں۔

مثلاً دیکھئے شرح السنۃ (۱/۵ ح ۱)

محدثینِ کرام کے علاوہ حنفی وتقلیدی "علماء" میں بھی صحیح بخاری کو عظیم الشان مقام حاصل ہے۔ محمود بن احمد العینی الحنفی (متوفی ۸۵۵ھ) فرماتے ہیں: مشرق ومغرب کے علماء کا اس

پر اتفاق ہے کہ کتاب اللہ کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۵)

ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں: پھر (تمام) علماء کا اتفاق ہے کہ صحیحین (صحیح بخاری و مسلم) کو تلقی بالقبول حاصل ہے اور یہ دونوں کتابیں تمام کتابوں میں صحیح ترین ہیں۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۵۸)

زیلعی حنفی باوجود متعصب ہونے کے لکھتے ہیں: اور حفاظِ حدیث کے نزدیک سب سے اعلیٰ درجے کی صحیح حدیث وہ ہے جس کی روایت پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہو۔ (نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۴۱)

شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں: ''صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بارے میں تمام محدثین کرام متفق ہیں کہ ان میں تمام کی تمام متصل اور مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں۔ یہ دونوں کتابیں اپنے مصنفین تک بالتواتر پہنچی ہیں۔ جو ان کی عظمت نہ کرے وہ بدعتی ہے جو مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے۔''

(حجۃ اللہ البالغہ اردو مترجم عبدالحق حقانی ج ۱ ص ۲۴۲، عربی ج ۱ ص ۱۳۴)

احمد علی سہارنپوری ماتریدی تقلیدی (متوفی ۱۲۹۷ھ) نے اعلان کیا ہے کہ ''**واتفق العلماء علی أن أصح الکتب المصنفة صحیحا البخاري و مسلم**'' اور علماء کا اتفاق ہے کہ (کتاب اللہ کے بعد) لکھی ہوئی کتابوں میں سب سے زیادہ صحیح صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہیں۔ (مقدمہ صحیح البخاری درسی نسخہ ج ۱ ص ۴)

حنفیوں کے علاوہ دیوبندیوں وغیرہ کے نزدیک بھی صحیح بخاری اصح الکتب ہے۔

دیکھئے تالیفاتِ رشیدیہ (ص ۳۳۷) مقدمہ فضل الباری (ج ۱ ص ۲۶) اور احسن الفتاویٰ (ج ۱ ص ۳۱۵) وغیرہ

قاسم نانوتوی اور رشید گنگوہی وغیرہما سب اسے مانتے ہیں۔ دیکھئے میری کتاب ''صحیح بخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ'' (ص ۱۱ تا ۱۵)

مماتی دیوبندیوں کے نزدیک شیخ القرآن اور دریا حضرو ضلع اٹک کے مشہور ''عالم'' غلام اللہ خان دیوبندی فرماتے ہیں: ''اب آنحضرت ﷺ کے وہ ارشادات ملاحظہ ہوں جن میں

غیر اللہ سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ حدیثیں صرف صحیح مسلم اور صحیح بخاری سے پیش کی جائیں گی جن کی صحت فریق مخالف کو بھی مسلّم ہے۔" (جواہر التوحید ص ۱۹۱)

معلوم ہوا کہ فریقِ مخالف (بریلویوں) کی طرح دیوبندیوں کے نزدیک اور خاص طور پر غلام اللہ خان صاحب کے نزدیک بھی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی صحت مسلّم ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقام

حافظ ابن حبان رحمہ اللہ نے امام بخاری کو ثقہ راویوں میں ذکر کیا ہے۔

دیکھئے الثقات (۹/ ۱۱۳، ۱۱۴، صحیح بخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ ص ۱۰، ۱۱)

امام ابن خزیمہ النیسابوری رحمہ اللہ نے صحیح ابن خزیمہ میں ایک حدیث ذکر کر کے فرمایا:

"رواه البخاري.... " اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔ (ح ۲۱۵۹)

صحیح مسلم کے مصنف امام مسلم رحمہ اللہ نے امام بخاری کے بارے میں فرمایا: آپ سے صرف حسد کرنے والا شخص ہی بغض رکھتا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ جیسا کوئی نہیں ہے۔ (الارشاد للخلیلی ج ۳ ص ۹۶۱ وسندہ صحیح)

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے آسمان کے نیچے محمد بن اسماعیل البخاری سے بڑا حدیث کا عالم کوئی نہیں دیکھا۔ (معرفۃ علوم الحدیث ص ۷۴ ح ۱۵۵، وسندہ صحیح)

امام بخاری کے مشہور شاگرد امام ترمذی رحمہما اللہ فرماتے ہیں: میں نے علل، تاریخ اور معرفتِ اسانید میں محمد بن اسماعیل (بخاری) رحمہ اللہ سے بڑا کوئی عالم نہ عراق میں دیکھا ہے اور نہ خراسان میں۔ (کتاب العلل للترمذی ص ۳۲، دوسرا نسخہ ص ۸۸۹)

حافظ دارقطنی رحمہ اللہ نے ایک روایت بیان کر کے فرمایا: "أخرجه البخاري عن مسدد عن يحي و كلهم ثقات حفاظ ." اسے بخاری نے مسدد سے انھوں نے یحییٰ (القطان) سے بیان کیا ہے اور وہ سب ثقہ حافظ ہیں۔ (سنن الدارقطنی ۳/ ۹۰ ح ۳۱۰۱)

معلوم ہوا کہ امام دارقطنی کے نزدیک امام بخاری ثقہ حافظ ہیں۔

مؤرخ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے کہا: "الإمام في علم الحديث ، صاحب الجامع

الصحيح و التاريخ ...'' (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۴)

حافظ ابن عساکر الدمشقی رحمہ اللہ نے کہا: ''الإمام صاحب الصحيح و التاريخ''

(تاریخ دمشق ج ۵۵ ص ۳۸)

جمہور کی اس توثیق کے مقابلے میں امام محمد بن یحییٰ الذہلی رحمہ اللہ سے امام بخاری کی مخالفت مروی ہے جو جمہور کی توثیق کے مقابلے میں مردود ہے۔

امام ابو حاتم الرازی اور امام ابو زرعہ الرازی نے امام بخاری سے روایت ترک کر دی تھی لیکن ثقہ عندالجمہور راوی سے کسی کا صرف روایت ترک کر دینا جرح قادح نہیں ہے۔

امام یحییٰ بن معین کے شاگرد امام حافظ حسین بن محمد بن حاتم البغدادی (متوفی ۲۹۴ھ) فرماتے تھے: ''ما رأيت مثل محمد بن إسماعيل ومسلم الحافظ و مسلم الحافظ لم يكن يبلغ محمد بن إسماعيل ورأيت أبا زرعة وأبا حاتم يستمعون إلى محمد بن إسماعيل أي شيء يقول ؟ يجلسون بجنبه فذكرت له قصة محمد بن يحي فقال: ما له ولمحمد بن إسماعيل ؟ كان محمد بن إسماعيل أمة من الأمم وكان أعلم من محمد بن يحي بكذا و كذا وكان محمد بن إسماعيل دينًا فاضلاً يحسن كلّ شيْ'' میں نے محمد بن اسماعیل (البخاری) اور (صحیح مسلم کے مصنف) مسلم الحافظ جیسا کوئی نہیں دیکھا اور مسلم الحافظ (امام) محمد بن اسماعیل (البخاری کے درجے) تک نہیں پہنچے تھے۔ میں نے ابو زرعہ اور ابو حاتم (الرازی) کو دیکھا، وہ دونوں (کان لگا کر) محمد بن اسماعیل (البخاری) کی باتیں سنتے تھے کہ آپ کیا فرماتے ہیں؟ وہ دونوں اُن (بخاری) کے پاس بیٹھتے تھے۔ پھر میں (حافظ عبدالمؤمن بن خلف التمیمی) نے اُن کے سامنے محمد بن یحییٰ (الذہلی) کا قصہ بیان کیا تو انھوں (حسین بن محمد بن حاتم) نے فرمایا: انھیں محمد بن اسماعیل (البخاری) کے بارے میں کیا ہوا ہے؟ محمد بن اسماعیل (البخاری) تو اُمتوں میں سے ایک اُمت تھے اور وہ محمد بن یحییٰ (الذہلی) سے اتنا اتنا زیادہ علم رکھنے والے تھے اور محمد بن اسماعیل (البخاری) دیندار

فاضل تھے، آپ ہر چیز میں ماہر تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۲۹، ۳۰ وسندہ صحیح)

امام ذہلی کے قصے کے بعد امام حسین بن محمد کی اس گواہی سے معلوم ہوا کہ امام ابو حاتم الرازی اور امام ابوزرعہ الرازی دونوں نے امام بخاری سے روایت ترک کرنے سے رجوع کر لیا تھا لہٰذا کتاب الجرح والتعدیل کی ''تجریحی'' عبارت منسوخ ہے۔

امام ابن اشکاب رحمہ اللہ کے سامنے کسی نے امام بخاری پر تنقید کرنے کی کوشش کی تو انھوں نے کہا: میری موجودگی میں ایسی بات کہی جا رہی ہے؟ اور وہ اٹھ کر وہاں سے تشریف لے گئے۔ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۲۳ وسندہ صحیح)

صحیح بخاری کا عنوان

محدث امام ابو بکر محمد بن خیر الاشبیلی رحمہ اللہ (متوفی ۵۷۵ھ) صحیح بخاری کے نام کے بارے میں فرماتے ہیں: ''وهو الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلّى الله عليه وسلم وسننه وأيامه '' اور وہ جامع مسند صحیح مختصر ہے، رسول اللہ ﷺ کے اُمور، سنن اور ایام میں سے۔ (فہرست ابن خیر ص ۹۴)

صحیح بخاری کا یہی نام عینی حنفی اور ابن حجر العسقلانی وغیرہما نے بھی بیان کیا ہے۔

دیکھئے عمدۃ القاری (ج ۱ ص ۵) اور ہدی الساری مقدمہ فتح الباری (ص ۸) وغیرہما

اس عنوان سے معلوم ہوا کہ صحیح بخاری کا اصل موضوع اور مقصد نبی کریم ﷺ کی باسند متصل احادیث ہیں۔ رہی منقطع و مرسل روایات اور صحابہ و تابعین وغیرہم کے اقوال وافعال تو یہ اصل موضوع اور عنوان سے خارج ہیں، انھیں تفقہ، تزیین، تائید اور دیگر فوائد وغیرہ کے لئے بیان کیا گیا ہے۔

صحیح بخاری پر بعض الناس کے حملے

صحیح بخاری پر خوارج، روافض، معتزلہ، منکرینِ حدیث، مبتدعین، مستشرقین اور بعض الناس نے جتنے بھی حملے کئے ہیں ان سب حملوں کا نشانہ صرف امام بخاری نہیں بلکہ تمام

محدثین کرام اور علمِ اصولِ حدیث ہے۔ صحیح بخاری کی تمام مرفوع روایات ان سے پہلے، ان کے دور میں اور بعد والے ادوار میں دوسرے محدثینِ کرام سے بھی ثابت ہیں اور میرے علم کے مطابق کسی ایک مرفوع حدیث میں بھی امام بخاری رحمہ اللہ کا تفرد نہیں ہے۔

ایک ثقہ وصدوق محدّث کی توہین کرنے والا کبھی دوسرے ثقہ وصدوق محدثین کی عزت نہیں کرتا۔ یہاں پر یہ بھی یاد رہے کہ بعض منکرینِ حدیث نے بعض صحیح احادیث کا غلط ترجمہ اور غلط مفہوم پیش کر کے انھیں قرآن مجید کے خلاف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جیسا کہ بعض دشمنانِ اسلام نے قرآنِ مجید کی بعض آیات کو بعض سے ٹکرا کر ایک دوسرے کے خلاف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

بعض لوگوں کا یہ طریقۂ کار ہے کہ خاص دلیل کے مقابلے میں عام کو پیش کر کے یہ دعویٰ داغ دیتے ہیں کہ فلاں حدیث قرآن کے خلاف ہے۔!

حال ہی میں ایک جاہل منکرِ حدیث نے ''قرآن مقدس اور بخاری محدّث'' نامی کتاب لکھ کر صحیح بخاری کی چوّن (۵۴) احادیث پر مجرمانہ حملہ کیا ہے۔ راقم الحروف کی یہ کتاب ''توفیق الباری فی تطبیق القرآن وصحیح البخاری'' اس منکرِ حدیث کے اعتراضات اور حملوں کا جامع ومسکت جواب ہے۔ والحمد للہ رب العالمین

تنبیہ: اس کتاب میں ''قرآن مقدس اور بخاری محدّث'' کا حوالہ ''...محدث'' اور اس کے مصنف کا تذکرہ ''معترض'' یا ''منکرِ حدیث'' وغیرہ کے الفاظ سے کیا گیا ہے جیسا کہ سیاق و سباق سے ظاہر ہے۔

راقم الحروف نے کذاب اور گستاخ معترض کی کتاب کے جواب سے پہلے اس کے چونتیس جھوٹ پیش کیے ہیں تا کہ عام مسلمانوں کو اس معترض کا کذاب وساقط العدالت ہونا معلوم ہو جائے۔

معترض کے چونتیس (۳۴) جھوٹ

کتاب ''قرآن مقدس اور بخاری محدث'' کا مصنف کذاب ہے جس کی دلیل کے طور پر اس کذاب مصنف کی اسی کتاب سے چونتیس (۳۴) جھوٹ باحوالہ ورد پیشِ خدمت ہیں:

معترض کا جھوٹ نمبر ۱، ۲: معترض مصنف نے امام ابوحنیفہ کے بارے میں لکھا ہے:

''سراج الامت رسول اللہ ﷺ کی پشینگوئی تابعی صغیر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ لکھ دیا کہ یہ مسلمانوں سے دھوکہ فراڈ کرنیوالا تھا'' **یقول هذا لخداع بين المسلمين**''

(قرآن مقدس اور بخاری محدث ص ۱)

تبصرہ: اس عبارت میں معترض نے ایک غلط بات لکھی ہے اور دو جھوٹ بولے ہیں:

اول: یہ کہنا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی ہیں، کائنات کے بڑے جھوٹوں میں سے ایک جھوٹ ہے کیونکہ ایسی کوئی روایت صحیح یا حسن سند کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

دوم: یہ کہنا کہ امام بخاری نے امام ابوحنیفہ کو ''مسلمانوں سے دھوکہ فراڈ کرنے والا'' کہا ہے، جھوٹ ہے۔

اس عبارت میں یہ بات غلط ہے کہ امام ابوحنیفہ تابعی صغیر تھے۔ اس غلط بات کی تردید کے لئے دو زبردست حوالے پیشِ خدمت ہیں:

اول: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے خود فرمایا: ''**ما رأيت أفضل من عطاء**'' میں نے عطاء (بن ابی رباح) سے زیادہ افضل کوئی انسان نہیں دیکھا۔

(الکامل لابن عدی ۷/۲۴۷۳، طبعہ جدیدہ ۸/۲۳۷ وسندہ صحیح، ماہنامہ الحدیث حضرو: ۱۷ ص ۲۰)

دوم: خطیب بغدادی سے بڑے امام دارقطنی رحمہ اللہ (متوفی ۳۸۵ھ) سے پوچھا گیا کہ ابوحنیفہ کا انس (رضی اللہ عنہ) سے سماع صحیح ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: نہیں اور نہ ابوحنیفہ کا انس

کو دیکھنا ثابت ہے، ابوحنیفہ نے کسی صحابی سے ملاقات نہیں کی ہے۔ (سوالات السہمی للدارقطنی: ۳۸۳، تاریخ بغداد ۴/۲۰۸ ت ۱۸۹۵، وسندہ صحیح ،العلل المتناہیہ لابن الجوزی ۱/۶۵ تحت ح ۷۴)

جھوٹ نمبر ۳: معترض نے لکھا ہے: ''تو اچانک خیال آیا کہ محدث دارقطنیؒ وغیرہ کے ذہن رسا بیان میں واقعیت ہے... کہ بخاری ضعیف فی الحدیث اور متعصب ہے کہ...''

(...محدث ص ۱)

تبصرہ: محدث دارقطنی رحمہ اللہ نے امام بخاری کو ضعیف فی الحدیث اور متعصب قطعاً نہیں کہا بلکہ امام دارقطنی نے امام بخاری کی تعریف کی ہے اور انھیں ثقہ حافظ قرار دیا ہے۔ دیکھئے یہی کتاب باب: امام بخاری رحمہ اللہ کا مقام (قبل ح ۱)

جھوٹ نمبر ۴: معترض نے امام ابوحنیفہ کے بارے میں لکھا ہے: ''امام ذیلعیؒ اور امام اوزاعیؒ جیسے جلیل القدر محدث اور فقیہ جن کے متعلق فرمائیں کہ ''الناس فی الفقه عیال علی ابی حنیفه...'' (...محدث ص ۲)

تبصرہ: زیلعی تو آٹھویں صدی کے ایک حنفی مولوی ہیں اور امام اوزاعی سے مذکورہ جملہ قطعاً ثابت نہیں ہے لہٰذا معترض نے امام اوزاعی رحمہ اللہ پر جھوٹ بولا ہے۔

جھوٹ نمبر ۵: معترض لکھتا ہے: ''لیکن خود حمیدیؒ رفع یدین میں اسی طرح ترمذیؒ دارمیؒ وغیرہم سب بخاری کے مخالف ہیں...'' (...محدث ص ۲)

تبصرہ: رفع یدین کے مسئلے میں امام حمیدی رحمہ اللہ کا امام بخاری رحمہ اللہ کا مخالف ہونا ثابت نہیں ہے لہٰذا معترض نے امام حمیدی پر جھوٹ بولا ہے۔

جھوٹ نمبر ۶: معترض نے لکھا ہے: ''لہٰذا احناف کو تو فرمودۂ امام اعظم ہی کافی ہے'' اعـرضـوه عـلـى كـتـاب الـلـه'' رہے دوسرے لوگ تو انکو ایمان بالقرآن پر نظر ثانی کرنا چاہیے...'' (...محدث ص ۸)

تبصرہ: عربی الفاظ کے اس مجموعے جیسا کوئی فرمودہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ثابت نہیں ہے لہٰذا معترض نے امام صاحب پر صریح جھوٹ بولا ہے۔

جھوٹ نمبر ۷: معترض لکھتا ہے: ''اور کوئی محدث اور امام مجتہد ایسا نہیں پایا گیا جو امام اعظمؒ کو تابعی صغیر نہ کہتا ہو...'' (...محدث ص ۱۱)

تبصرہ: مشہور محدث امام دارقطنی رحمہ اللہ امام ابوحنیفہ کو سرے سے تابعی نہیں مانتے، جس کا حوالہ معترض کے جھوٹ نمبر ۱،۲ کے رد یعنی تبصرے میں گزر چکا ہے لہٰذا معترض اپنے درج بالا دعوے میں کذاب ہے۔

جھوٹ نمبر ۸: معترض نے لکھا ہے: ''امام اعظمؒ نے قرآن ہی کے مطابق کہا'' **لا حقیقة للسحر** '' (...محدث ص ۱۵)

تبصرہ: اس طرح کا کوئی جملہ یا جادو کا انکار امام ابوحنیفہ سے قطعاً ثابت نہیں ہے۔

جھوٹ نمبر ۹: معترض نے لکھا ہے: ''امام بخاری کہتا ہے کہ اللہ پاک بندے میں حلول کر کے اسکے اعضاء بن جاتا ہے اور...'' (...محدث ص ۱۹)

تبصرہ: امام بخاری نے ایسی کوئی بات نہیں لکھی کہ اللہ پاک بندے میں حلول کر جاتا ہے لہٰذا معترض نے امام بخاری پر کالا جھوٹ بولا ہے۔

جھوٹ نمبر ۱۰: کذاب معترض نے لکھا ہے: ''قرآن مقدس میں صاف لکھا ہوا ہے کہ آپ ﷺ جب ابوطالب کو باصرار دعوت ایمان دیکر اسکے ایمان سے مایوس ہوکر واپس لوٹے تو اللہ نے صاف فرمادیا'' **اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ...** '' (...محدث ص ۲۴،۲۵)

تبصرہ: قرآن مقدس میں ابوطالب کا نام تک نہیں تو صاف کس طرح لکھا ہوا ہے؟ بلکہ معترض نے ابوطالب دشمنی میں قرآن مقدس پر صریح جھوٹ بولا ہے۔

جھوٹ نمبر ۱۱: معترض لکھتا ہے: ''امام بخاری نے باب بھی اسی آیت پر باندھا ہے جس کا مطلب ہے کہ امام بخاری خود بھی متعہ کے حلال ہونے کے قائل تھے۔'' (...محدث ص ۲۷،۲۸)

معترض نے آگے لکھا ہے: ''بخاری صاحب چونکہ متعہ کے حلال ہونیکے قائل تھے...''

(...محدث ص ۲۹)

تبصرہ: امام بخاری رحمہ اللہ متعۃ النکاح کے حرام ہونے کے قائل تھے اور وہ حلت کو منسوخ

سمجھتے تھے۔ دیکھئے یہی کتاب حدیث نمبر ۸،۱۰

جھوٹ نمبر ۱۲: معترض نے لکھا ہے: ''قرآن مقدس میں نکاح کے شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ عورت کا حق مہر مال ہونا ضروری ہے...'' (...محدث ص ۳۰، ۳۱)

تبصرہ: ایسی کوئی شرط قرآن میں مذکور نہیں ہے لہٰذا معترض نے قرآن مقدس پر جھوٹ بولا ہے۔

جھوٹ نمبر ۱۳: معترض نے لکھا ہے: ''قرآن مقدس میں ہے کہ قرآن کے عوض اور بدلہ میں مال دنیا لینا حرام ہے'' (...محدث ص ۳۲)

تبصرہ: قرآن مجید میں ایسی کوئی بات لکھی ہوئی نہیں ہے کہ قرآن کے عوض اور بدلے میں مال دینا لینا حرام ہے لہٰذا معترض نے قرآن مقدس پر جھوٹ بولا ہے۔

جھوٹ نمبر ۱۴: معترض لکھتا ہے: ''اور زہری جو اکثر علماء اسلام کی تحقیق میں عموماً اور اہل تشیع علماء کے نزدیک خصوصاً شیعہ اور پھکڑ باز ہے'' (...محدث ص ۳۴)

تبصرہ: خیر القرون کا دور ہو یا تدوینِ حدیث کا دور، کسی دور میں بھی کسی عالمِ اسلام سے امام زہری رحمہ اللہ کا شیعہ اور پھکڑ باز ہونا قطعاً ثابت نہیں ہے بلکہ حافظ ابن حجر نے اپنی مشہور کتاب تقریب التہذیب میں امام زہری کی جلالتِ شان اور اتقان (ثقہ ہونے) پر اتفاق (اجماع) نقل کیا ہے۔ (دیکھئے ترجمہ نمبر ۶۲۹۶)

ان پر کسی محدث کی جرح قادح ثابت نہیں ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے یہی کتاب حدیث نمبر (۱)

جھوٹ نمبر ۱۵ تا ۲۰: کذاب معترض نے لکھا ہے: ''قرآن مقدس سیرت رسول ﷺ اجماع صحابہؓ وتابعینؒ ائمہ مجتہدینؒ اور تمام امت اسی پر متفق ہیں کہ پیشاب کسی انسان کسی جاندار کا ہو وہ ناپاک اور پلید ہوتا ہے...'' (...محدث ص ۳۵)

تبصرہ: اس عبارت میں معترض نے قرآن مقدس، سیرتِ رسول، اجماع صحابہ، تابعین، ائمہ مجتہدین اور تمام امت پر جھوٹ بولا ہے کیونکہ ایسی کوئی بات قرآن، حدیث، اجماع اور مذکورہ

علماء سے ثابت نہیں کہ حلال جانوروں کا پیشاب ناپاک اور پلید ہوتا ہے بلکہ حنفیوں کے تسلیم شدہ امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اگر آدمی کے کپڑے کو اونٹ کا پیشاب لگ جائے تو؟ انھوں نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۱۵ ح ۱۲۳۳، وسندہ صحیح)

اگر بکری کا پیشاب لگ جائے تو حماد بن ابی سلیمان دھونے کے قائل تھے جبکہ حکم بن عتیبہ نے کہا: نہیں (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۲۳۶، وسندہ صحیح)

محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی کی طرف منسوب کتاب الآثار میں چار پایوں وغیرہ کے پیشاب کے بارے میں لکھا ہوا ہے کہ "میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا وہ تو پانی کو اور نہ کپڑے کو ناپاک کرتا ہے۔" (کتاب الآثار اردو مترجم ص ۴۶)

جھوٹ نمبر ۲۱: معترض لکھتا ہے: "قرآن مقدس میں مردہ کے کلام کرنے کو محال کہا گیا ہے" (...محدث ص ۴۷)

تبصرہ: قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں ہے جس میں صراحت کے ساتھ مردہ کے کلام کو محال کہا گیا ہو لہٰذا معترض نے قرآن مقدس پر جھوٹ بولا ہے۔

جھوٹ نمبر ۲۲: معترض نے لکھا ہے: "کون نہیں جانتا کہ قرآن مقدس میں لوط علیہ السلام والی قوم کی سی بدکاری کرنیوالا کافر ہی ہوتا ہے اور لواطت کا کام سوائے کافر کے اور کوئی مومن نہیں کرتا" (...محدث ص ۵۲)

تبصرہ: قرآن مقدس میں ایسی کوئی آیت نہیں ہے کہ لواطت کرنے والا کافر ہوتا ہے لہٰذا معترض نے کتاب مقدس پر جھوٹ بولا ہے۔

جھوٹ نمبر ۲۳: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ایک موقوف اثر کے بارے میں معترض نے لکھا ہے: "بخاری کے تمام نسخوں میں فی الدبر ہے من الدبر نہیں" (...محدث ص ۵۳)

تبصرہ: صحیح بخاری کے کسی ایک نسخے میں بھی فی الدبر کے الفاظ نہیں ہیں لہٰذا معترض نے صحیح بخاری پر جھوٹ بولا ہے۔

جھوٹ نمبر ۲۴: معترض لکھتا ہے: "قرآن کریم میں نکاح شادی کیلئے بلوغ شرط رکھا گیا

ہے" (...محدث ص ۵۷)

تبصرہ: قرآن کریم میں کہیں بھی نکاح شادی کے لئے بلوغ کو شرط نہیں رکھا گیا لہٰذا معترض نے قرآن مقدس پر جھوٹ بولا ہے۔ نیز دیکھئے یہی کتاب حدیث نمبر ۲۷

جھوٹ نمبر ۲۵: جونیہ نامی ایک عورت سے نبی ﷺ کا نکاح ہوا تھا جسے بعد میں آپ ﷺ نے جماع سے پہلے ہی طلاق دے دی تو وہ عورت ام المومنین نہ بن سکی۔ اس جونیہ کے بارے میں معترض نے لکھا ہے: "ایک عیاش عورت" (...محدث ص ۶۹)

تبصرہ: معترض کا جونیہ نامی عورت کو عیاش عورت کہنا جھوٹ اور گستاخی ہے۔

جھوٹ نمبر ۲۶: معترض نے لکھا ہے: "اسی لئے آپ ﷺ نے ابی بن سلول کا جنازہ بھی نہ پڑھا اور نہ اسکیلئے کوئی استغفار کی" (...محدث ص ۷۲، ۷۳)

تبصرہ: کسی صحیح حدیث میں یہ نہیں آیا کہ نبی ﷺ نے عبداللہ بن ابی بن سلول کا جنازہ نہیں پڑھا بلکہ صحیح احادیث میں جنازہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ دیکھئے یہی کتاب حدیث نمبر ۳۶

جھوٹ نمبر ۲۷: معترض نے قاری حفص کی قراءت والے قرآن کا ذکر کر کے لکھا ہے:

"اور دوسری قراءت والا قرآن اس سرزمین پر بھی معدوم ہے" (...محدث ص ۷۷)

تبصرہ: ہماری لائبریری میں قاری حفص کے علاوہ دو مشہور قاریوں والے قرآن موجود ہیں: قاری قالون اور قاری ورش رحمہما اللہ والے لہٰذا معدوم کا دعویٰ کر کے معترض نے جھوٹ کا "لک" توڑ دیا ہے۔

جھوٹ نمبر ۲۸: معترض نے مشہور سُنی امام اور جلیل القدر تابعی امام زہری رحمہ اللہ کے بارے میں لکھا ہے: "جو شیعوں میں شیعہ اور سنیوں میں اہل سنت تھا" (...محدث ص ۷۹)

تبصرہ: زہری کا شیعہ ہونا کسی ایک قابلِ اعتماد محدث سے بھی ثابت نہیں ہے بلکہ امام ابونعیم الاصبہانی رحمہ اللہ (متوفی ۴۳۰ھ) نے امام زہری کو حلیۃ الاولیاء (۳/۳۶۰) میں ذکر کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ اولیائے اُمت میں سے تھے۔

جھوٹ نمبر ۲۹: معترض نے نبی کریم ﷺ کی گستاخی کرتے ہوئے آپ کے بارے

میں لکھا ہے: ''تیسرا آپ ﷺ میں جو لا ادری کا اندھیرا تھا وہ تو جبریل کی پڑھائی سے دور ہو رہا ہے'' (...محدث ص ۸۸)

تبصرہ: یہ کہنا کہ نبی ﷺ میں لا ادری کا اندھیرا تھا، نہ قرآن سے ثابت ہے اور نہ حدیث سے لہٰذا معترض نے گستاخی کا ارتکاب کرتے ہوئے نبی ﷺ پر جھوٹ بولا ہے۔

جھوٹ نمبر ۳۰: معترض نے خلفائے راشدین کے بارے میں لکھا ہے: ''وہ قطعاً امام کے پیچھے قراءت کرنے یعنی پڑھنے کے قائل نہیں تھے'' (...محدث ص ۹۱، ۹۲)

تبصرہ: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے قراءت خلف الامام کا حکم ثابت ہے۔ دیکھئے یہی کتاب حدیث نمبر ۴۵، اور مصنف ابن ابی شیبہ (۳۰۴/۲ ح ۳۷۶۵ وسندہ صحیح)

جھوٹ نمبر ۳۱: ایک آدمی قرآن پڑھ رہا ہو اور دوسرا آدمی اس کے سامنے حدیث پڑھنا شروع کر دے، اس کے بارے میں معترض نے لکھا ہے: ''جس کو خود قرآن نے بیان کر دیا ہے کہ یہ وطیرہ کافروں کا ہے'' (...محدث ص ۸۶)

تبصرہ: معترض اور اس کی ساری پارٹی قیامت تک قرآن، حدیث اور روایات ثابتہ سے ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکتے کہ جب نبی ﷺ یا صحابہ قرآن پڑھتے تھے تو اس کے مقابلے میں کافر حدیثِ رسول پیش کرتے اور پڑھتے تھے۔ نیز دیکھئے جھوٹ نمبر ۳۲

جھوٹ نمبر ۳۲: معترض نے کافروں کا قدیم زمانہ سے یہ پیشہ لکھا ہے کہ وہ قرآن کے مقابلے میں ''قال قال رسول اللہ'' کی لُوھ مچا دیگا یا کسی گویے کو تلاوت قرآن شروع کروا دیگا'' (...محدث ص ۸۷)

تبصرہ: ایسی کوئی بات کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

جھوٹ نمبر ۳۳: معترض نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ''خلف الامام پڑھنے کے قائل نہیں ہوئے'' (...محدث ص ۹۲)

تبصرہ: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ ظہر و عصر کی نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کے قائل و فاعل تھے۔ دیکھئے یہی کتاب حدیث نمبر ۴۵

جھوٹ نمبر۳۴: معترض نے نبی ﷺ کے بارے میں لکھا ہے کہ ''اور خود نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''ما اعلم ما وراء جداری'' (...محدث ص۱۰۹)

تبصرہ: ایسی کوئی حدیث سند کے ساتھ ذخیرۂ حدیث میں موجود نہیں ہے لہٰذا معترض نے نبی ﷺ پر جھوٹ بولا ہے۔ نیز دیکھئے یہی کتاب حدیث نمبر ۵۲

''قرآن مقدس اور بخاری محدث'' نامی کتاب کے معترض کے ان چونتیس (۳۴) جھوٹوں سے ثابت ہوا کہ وہ بذاتِ خود ایک کذاب ومتروک شخص ہے لہٰذا صحیح بخاری وغیرہ پر اس کی خودساختہ ساری جرح باطل ہے۔

معترض کی عدالت ساقط ہونے کے بعد اس کی کتاب کا جواب صرف اس لئے لکھا گیا ہے تاکہ سادہ لوح مسلمانوں کو اس کے فتنے اور تلبیس کاریوں سے دور ہٹایا جائے، حق کو غالب اور باطل کا قلع قمع کردیا جائے۔ وما علینا إلا البلاغ

احمد سعید ملتانی کی کتاب: ''قرآن مقدس اور بخاری محدث''

کا مقدمہ اور اس کا جواب

یاد رہے کہ ہماری اس کتاب میں پہلے احمد سعید ملتانی (مماتی دیوبندی) کی کتاب سے سکین (Scan) کر کے مصغر شدہ (Reduced) عبارت پیش کی گئی ہے اور بعد میں اس کا جواب لکھا گیا ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علامہ احمد سعید خان ملتانی

60 روپے

قرآن مقدس اور بخاری محدث

علامہ احمد سعید خان ملتانی صاحب

مولانا محمد منظور معاویہ
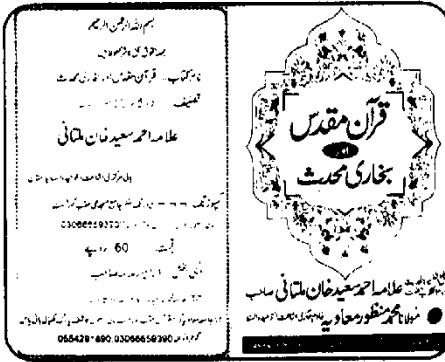
(۱)
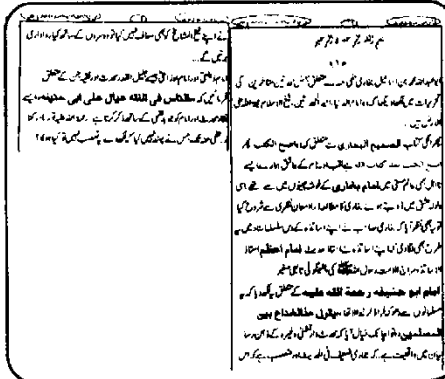
الجواب:

۱: امام بخاری کے ثقہ امام اور حدیث، رجال واصولِ حدیث کے بہت بڑے ماہر ہونے پر محدثین کرام اور علمائے حق کا اجماع ہے۔

(تفصیلی حوالوں کے لئے دیکھئے میری کتاب: صحیح بخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ" کا مقدمہ)

امام بخاری رحمہ اللہ کے بارے میں احمد علی سہارنپوری (حنفی) نے لکھا ہے:

" **هو امام الدنيا في الحديث، شيخ الإسلام** " (مقدمہ صحیح البخاری درسی ج۱ص۳)

اور مزید لکھا ہے:" **و أجمعت الأمة علىٰ صحة هٰذين الكتابين ووجوب العمل بأحاديثهما** "اور اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ ان دونوں کتابوں کی حدیثیں صحیح ہیں اور ان پر عمل واجب ہے۔ (مقدمۃ صحیح البخاری ج۱ص۴)

تنبیہ: صحیح حدیث پر ایمان لانا بھی واجب یعنی فرض ہے، لہٰذا کہنا چاہیے کہ" **وجوب العمل والإيمان بأحاديثهما** "صحیحین کی احادیث پر عمل اور ایمان فرض ہے۔

محدثین کے نزدیک واجب اور فرض ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔

عینی حنفی نے امام بخاری کے بارے میں لکھا ہے:

" **الإمام الهمام حجة الإسلام** " (عمدۃ القاری ج۱ص۲، مکتبہ شاملہ)

اور صحیح بخاری کے بارے میں لکھا ہے:

" **اتفق علماء الشرق والغرب علىٰ أنه ليس بعد كتاب الله تعالىٰ أصح من صحيحي البخاري و مسلم** "

مشرق ومغرب کے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں۔ (عمدۃ القاری ج۱ص۱۱، شاملہ)

احمد سعید ملتانی (مماتی دیوبندی) کی طرف سے" امام الدنیا، شیخ الاسلام اور اصح الکتب" وغیرہ کا مذاق اڑانا اصل میں عینی، شاہ ولی اللہ الدھلوی اور احمد علی سہارنپوری وغیرہم اور محدثین کرام کا مذاق اڑایا گیا ہے۔

۲: امام ابوحنیفہ کو سراج الامت کہنا کسی صحیح یا حسن حدیث سے ثابت نہیں اور نہ رسول اللہ ﷺ کی کوئی پیشین گوئی اُن کے بارے میں ثابت ہے، بلکہ اس سلسلے میں خوارزمی وغیرہ کی بیان کردہ تمام روایات جھوٹی اور من گھڑت ہیں۔

۳: امام بخاری رحمہ اللہ کو ''ضعیف فی الحدیث اور متعصب'' کہنا کسی ایک بھی قابلِ اعتماد محدث سے ثابت نہیں جبکہ دوسری طرف امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام سفیان ثوری، امام شعبہ اور عظیم الشان محدثین کی جروح شدیدہ کی قطار ہے جو کہ کتاب الجرح والتعدیل، کتاب الضعفاء للعقیلی، کتبِ ضعفاء اور کتبِ تاریخ میں صحیح اسانید سے موجود ہے۔ (بعض کی تفصیل میری کتاب: الاسانید الصحیحہ ... میں ہے)

۴: امام صاحب کا تابعی صغیر یا تابعی بلحاظِ رؤیت ہونا ہرگز ثابت نہیں، جیسا کہ اسی کتاب میں آگے آرہا ہے۔ ان شاء اللہ

۵: زیلعی امام نہیں بلکہ ساتویں آٹھویں صدی کا ایک متعصب حنفی وغیر مقلد تھے اور امام اوزاعی سے ''فی الفقہ عیال'' والے الفاظ قطعاً ثابت نہیں بلکہ اس کے برعکس جرح ثابت ہے۔

(۳

غالباً امام بخاری کو تعصب نے ہی اپنے اساتذہ اور شاگردوں سے الگ اور اکیلا کر دیا ہے اپنی کتاب میں کہتے ہیں ''حدثنا الحمیدی'' لیکن خود حمیدی رفع یدین میں اسی طرح ترمذی، دارمی وغیرھم سب بخاری کے مخالف ہیں وہ کون سی وبا ہے جس نے امام بخاری کو اپنے اساتذہ اور مشائخ اور شاگردوں سے الگ کر دیا ہے۔ یہی طرفداری کا تعصب ہی ہے جس کی وجہ سے اخبار آحاد کو خاتم خلف الامام کے مسئلہ میں ذکر فرماتے ہیں ''قد تواتر الخبر عن رسول اللہ'' حالانکہ روایت میں تواتر نام کا کوئی درجہ تک ثابت نہیں ہو سکا...

بہر کیف امام موصوف کے فضائل و کمالات کے اعتراف کے باوجود افسوس سے کہنا چاہتا ہے کہ شخصی یا مسلکی تعصب سے بالاتر ہو کر امام صاحب اگر کتاب لکھتے تو چشم ما روشن دل ما شاد

لیکن بے عیب حافظ مکن بے عیب ذات کبریا

بڑوں بڑوں سے ممکن ہوتا چلا آیا ہے ''ما لطیس یغار علی المطیس'' کے تحت اچھائی بہرحال اچھائی ہوتی ہے اقوال پر اگر دین کی مدار ہوتی تو ہم سب سے اول درجہ کے پرستار ہوتے لیکن ''اعرف الرجال للحق لا الحق بالرجال'' کے توسط سے امام بخاری کی کتاب کو میزان حق یعنی قرآن مقدس کی کسوٹی پر پرکھنا ضروری ہو گیا

الجواب:

۱: یہ کہنا کہ ''رفع یدین میں حمیدی اور دارمی سب امام بخاری کے مخالف ہیں'' بے سند اور جھوٹی بات ہے اور امام ترمذی کا بعض مسائل میں اپنے استاذ سے مؤدبانہ اختلاف کرنا

کسی اعتراض کی بات نہیں بلکہ امام ابوحنیفہ سے قاضی ابو یوسف اور ابن فرقد دونوں نے بہت سے مسائل میں اختلاف کر رکھا تھا تو کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ یہ دونوں اپنے استاد کے مخالف تھے؟! کہہ دیں!!

۲: فاتحہ خلف الامام والی حدیث واقعی متواتر ہے، بشرطیکہ متواتر کا مفہوم بھی محدثین کرام سے لیا جائے اور منطقیوں، فلسفیوں نیز علمِ کلام والے اصولیوں کی غیر واقع اور فرضی اصطلاحات (روایة الجماعة عن الجماعة في كل طبقة) سے صرفِ نظر کیا جائے۔

(۳)
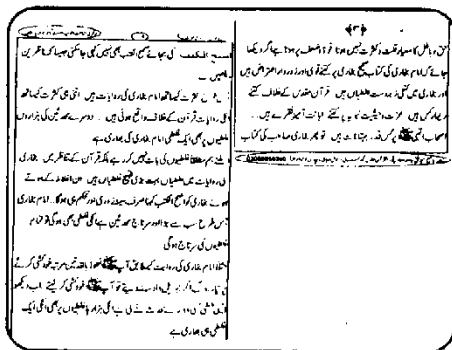
الجواب:

۱: صحیح بخاری پر ایک بھی قوی اور زوردار اعتراض نہیں اور نہ صحیح بخاری کی احادیث مرفوعہ متصلہ بالاسانید میں کوئی غلطیاں ہیں بلکہ اعتراضات کرنے والے بذاتِ خود غلط کار اور منکرینِ حدیث ہیں۔

۲: صحیح بخاری میں ایسی کوئی روایت موجود نہیں جس میں یہ لکھا ہوا ہو کہ ''نبی ﷺ تین مرتبہ خودکشی کرنے پر تیار ہو گئے'' اور کذاب معترض کے کذب و افتراء کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ تفصیل آگے آ رہی ہے (ان شاء اللہ)

(٤)
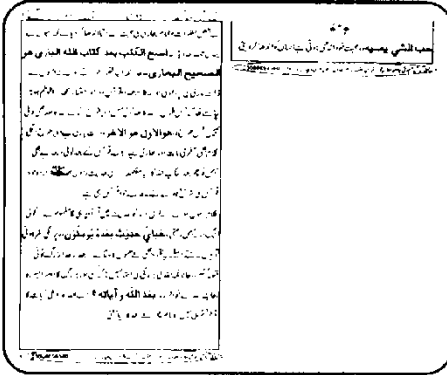
الجواب: اپنے باطل مسلک سے اندھی محبت نے بعض لوگوں کو اتنا اندھا کر دیا ہے کہ اپنی طرف سے قرآن مجید کی خود ساختہ محرّفانہ تشریح کر کے صحیح احادیث کو مخالفِ قرآن کہہ کر رد کر دیتے ہیں اور اس مسئلے میں وہ خوارج، روافض اور منکرینِ حدیث کے ہم نوا ہیں۔

(٥)

الجواب: صحیح بخاری کے راویوں کو "لعنتی راویوں" کہنا اور اس طرح کی دیگر دشنام طرازیوں، نیز ثقہ بالاجماع امام زہری رحمہ اللہ (تابعی) کو کینہ پرور اور بات کا بتنگڑ بنانے والا کہنا بہت بڑا جھوٹ اور صریح گستاخی ہے۔

(٦)

٩٦

امام بخاری کی حسن نیت پر شک نہیں کیا جا سکتا [illegible] کہ آپ نے
[illegible] علم کے خطرہ کے پیش نظر اور فرض [illegible] سمجھتے ہوئے کتاب لکھی لیکن
[illegible] دانست میں [illegible] تھے [illegible]
[illegible] کے ساتھ [illegible] نظر آتے ہیں اس لحاظ سے کتاب بخاری اس
[illegible] ... حالانکہ ما لا يدرك كله لا يترك كله کے پیش نظر قرآن پر
روایات کا پرکھنا ضروری ہو جاتا ہے اور
... خذ ما صفا دع ما كدر ... کے [illegible] روایات کو قبول بھی کیا جا
سکتا ہے [illegible] روایت کو امام بخاری پاس کر دیں بس وہ پل سے
پار ہو گئی [illegible] بخاری صاحب خود بھی اس مفروضہ سے اپنی برأت کر
[illegible] قرآن کے خلاف اور خود صاحب حدیث ﷺ کی حیثیت
[illegible] اصحاب رسول ﷺ کے خلاف کافی مواد بھر دیا گیا ہے۔
امام بخاری کی عظمت شان اپنی جگہ مسلم ہے مگر عزت رسول ﷺ پر لاکھوں
بخاری قربان کیے جا سکتے ہیں ... ذب عن القرآن، ذب عن
الرسول، ذب عن الأصحاب ہی کے لیے ہم نے یہ کوشش کی ہے

امام بخاری پر یہی الزام لگا سکتے ہیں کہ انہوں نے روایت کی بات کو
[illegible] کی کوشش بہت ہی کم فرمائی ہے۔

الجواب: صحیح بخاری کی کوئی حدیث قرآن مقدس کے قطعاً خلاف نہیں اور نہ کوئی حدیث سے عزتِ رسول ﷺ مجروح ہوئی ہے۔

(٧)

٩٧

[illegible] بخاری کتاب حدیث کو قرآن پر مقدم سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بخاری
[illegible] قرآن سمجھ نہیں آتا [illegible] لوگ جو [illegible] بخاری شریف کو صحیح اور
[illegible] قرآن مقدس پر ایمان نہیں رکھتے اور یا پھر اسے اصل
... لا يعلمون الكتاب إلا أماني وإن هم إلا
يظنون ... کا مصداق ہیں [illegible] قرآن کتاب اللہ [illegible] ساتھ
[illegible] تمام [illegible] کتابوں پر بھی کنٹرول کرنے والی ہے [illegible] کتابوں کا
[illegible] قرآن کو [illegible] پیچھا کرے یا اس سے مقدم ہو اسلئے [illegible]
[illegible] ہے کہ ... السنة قاضية على
[illegible] القرآن قاض على سنة
رسول الله [illegible] کافی ہے
اعرضوه على كتاب الله [illegible] لوگ تو [illegible] ایمان
[illegible] اگر بعض آیات حدیث کے بغیر سمجھ نہیں آتیں
[illegible] احادیث قرآن کے بغیر بھی سمجھ نہیں آتی ہیں ... ما أنا عليه

واصحابی ... کا مفہوم کل قرآن کے بغیر [illegible] سمجھ نہیں آتا۔ نیز بعض آیات
کا حدیث سے سمجھنا حدیث سے مقدم ہونے کی دلیل نہیں۔ الٹا یہ بات سمجھ
آتی ہے کہ قرآن کا متن موجود نہ ہوتا حدیث کا وجود بھی نہیں ہوگا۔ پہلے قرآن
ہوگا تب حدیث کا وجود مانا جائیگا لہٰذا اعتبار میں قرآن ہی مقدم ہوگا

الجواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ احادیث صحیحہ قرآن کی شرح اور بیان ہیں، چاہے صحیح بخاری میں ہوں یا کسی دوسری کتاب میں اور ثقہ امام یحییٰ بن ابی کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۲ھ) کے کلام: "السنة قاضية على القرآن" کا مطلب صرف یہ ہے کہ قرآن مجید کا صرف وہی مفہوم معتبر و حجت ہے جو سنت (حدیث) سے ثابت ہے اور اگر کوئی منکرِ

حدیث (خارجی اور معتزلی وغیرہما) سنت کے خلاف مفہوم نکالتا ہے تو یہ مفہوم غلط و مردود ہے۔

یاد رہے کہ امام ابوحنیفہ سے یہ قول: " اعرضوه على كتاب الله " باسند صحیح ثابت نہیں۔

(۸)

امام بخاری نے جب اپنی کتاب کا نام رکھا، "الجامع المسند الصحیح"، تو پھر اس کتاب میں باطل روایات غیر مسند غیر صحیح موقوفات مقطوعات... مرسلات وغیرہ روایات کیوں پائی جاتی ہیں جیسا کہ ناظرین دیکھ لیں گے... کیا یہ کہا جائے کہ امام بخاری کے اندر راویوں کے چھاننے کی بصیرت نہ تھی جبکہ یہ تو قطعاً غیر مناسب ہے اور یا یہی کہا جائے کہ بخاری کے پس ماندگان تلامذہ کی تحقیق غلط ہے یہ بھی برمحل معلوم نہیں ہوتا... یا پھر یہی کہا جائے کہ بعض راوی جو رافضی شیعہ تھے انہوں نے تقیہ کر کے بخاری کو اپنے اعتماد میں لے لیا۔ یا پھر یہ کہا جائے کہ امام بخاری کے تیار کردہ مسودہ میں بعض راویوں نے دسیسہ کاری کی اور انہی کی دلفریب کاریگری نے یہ گل کھلائے اور امام بخاری کی کتاب میں تخریب کاری کی.. جو صورت بھی ہو بہر حال یہ کہنا پڑتا ہے کہ بخاری کی روایات کو انفرادی طور پر

03006659390

ماننا بہت مشکل ہے جب تک دوسرے محدث روایت کی تصدیق نہ کریں صرف اکیلے امام بخاری کی روایت کو حدیث رسول اللہ ﷺ کہنا بہت مشکل ہوگا۔

بہرکیف بعض راوی امام بخاری کیلئے مارِ آستین ثابت ہوئے اور آپ کی سعی مبارک کو نامبارک بنانے میں پوری محنت کر گئے اور ایک جلیل القدر اور امین محدث کبیر کی امانت کو بدنام کر گئے "فلعنة الله على المدلسين"

الجواب: صحیح بخاری کا اصل موضوع: مرفوع سند متصل الاسانید احادیث ہیں اور رہے آثارِ سلف صالحین تو ابواب میں ان سے بطورِ تفقہ استدلال کیا گیا ہے اور یہی منہجِ سلف صالحین ہے۔

یہ کہنا کہ "صحیح بخاری کے بعض (بنیادی) راوی رافضی شیعہ تھے" بالکل جھوٹ ہے۔

یاد رہے کہ صحیح بخاری کو امت (طائفۂ منصورہ) کی تلقی بالقبول حاصل ہے۔

(۹)

[illegible] صرف [illegible] القرآن [illegible]
من الرسول کیلئے یہ پہاڑ سر پر کھڑا ہے بصورت سنت کہا جاتا ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد کہلاتے ہیں اگر امام صاحب کے نام پر تجوریاں بھر رہے ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ [illegible] بخاری پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ بخاری کا اکثر حصہ احناف کے صریح خلاف واقع ہوا ہے پھر بھی اپنے آپ کو حنفی کہلانے والے بخاری شریف کا ختم شریف پڑھتے ہیں اور طاعون میں بخاری کا ورد پڑھتے ہیں اور پھر امام موصوف کا نام تک نہیں لیتے [illegible] **اذا لم تستحیی**

فاصنع ما شئت" کے مصداق [illegible] ہمارے خلاف [illegible] ہیں
[illegible]
[illegible] **لم يثبت بمعناه** [illegible]
[illegible]

الجواب: یہ کہنا کہ "حالانکہ بخاری کا اکثر حصہ احناف ؒ کے صریح خلاف واقع ہوا ہے" تو اب کیا کرنا چاہئے؟ کیا احادیث صحیحہ کو چھوڑ دیا جائے یا احناف کو چاہئے کہ اپنے اختلافات پر نظر ثانی کریں اور کتاب وسنت کا راستہ اپنالیں؟!

(۱۰)

فضیلت امام صاحب کی یہ تھی کہ قرآن میں غوطہ زن رہ کر ہر وہ روایت جو قرآن سے خلاف ہوتی اسکو کاٹ کر رکھ دیتے تھے یہی طرز تدبر صدیقہ طاہرہ کا تھا جس نے بستر رسالت پر بیٹھ کر سولہ قرآن پڑھا تھا یہی وجہ ہے کہ امام صاحب سے زیادہ مقدار میں روایات مروی نہ ہوئیں کیونکہ آپ کے سامنے کھرے کھوٹے کی پہچان کی کسوٹی قرآن پاک تھا... چنانچہ جس محدث کی نظر صرف جمع روایات پر تھی انکی کتب میں قرآنی بصیرت بہت ہی کم ہے اسی وجہ سے انکی روایات اکثر قرآن سے ٹکراتی ہیں

بہرکیف امام صاحب کی قرآن پر نظر عمیق تھی کیونکہ ہر طرح کی میزان قرآن ہی تھا۔ ہم خدام ناقل ہونے کے باوجود ناقل ہیں تو انہی اسلاف کے طرز کے ناقل ہیں۔ قرآن کے ظاہر بیان کے خلاف قطعاً کوئی روایت قابل قبول نہیں ہے

امام بخاری چونکہ روایت کے پرستار تھے قرآنی بصیرت سے خالی آدمی امام اعظم کو خداع نہ کہتے تو اور کیا کہتے۔ فالی اللہ المشتکی وبا للہ التوفیق والیہ المرجع والمآب....

(۱۰)

الجواب: امام ابو حنیفہ کا تابعی صغیر ہونا ثابت نہیں اور شاگردی کا پروپیگنڈا صرف تفلسف ہے، بلکہ صحیح سند سے ثابت ہے کہ امام ابو حنیفہ امام مالک کے شاگردوں کے شاگرد تھے۔ (دیکھئے کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ص ۳۔۴ وسندہ صحیح)

اس طرح تمام حنفیہ اصل میں اہلِ حدیث کے ایک امام یعنی امام مالک رحمہ اللہ کے شاگردوں کے شاگرد ہے۔

(۱)

﴿۱﴾ قرآن مقدس

جو شخص خودکشی کرتا ہے وہ کفر پر مرتا ہے کیونکہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو کر مرتا

[illegible] لا تایئسوا من روح اللہ فانہ لا یایئس من روح اللہ الا القوم الکفرون۔ (یوسف آیت نمبر ۸۷)

[illegible] اردت بقوم فتنۃ فاقبضنی الیک۔

بخاری محدث رسول اللہ ﷺ کی توہین

امام بخاری اپنے امام زہری کے ذریعے فترۃ الوحی یوں نقل کرتے ہیں [illegible]

مرارا کی یتردی من رؤوس شواھق الجبال فکلما اوفی بذروۃ جبل لکی یلقی نفسہ منہ تبدی لہ جبریل فقال یا محمد انک رسول اللہ حقاً فیسکن لذالک جاشہ و تقر نفسہ فیرجع فاذا طالت علیہ فترۃ الوحی غدا لمثل ذالک۔ الخ

بخاری ۱۰۳۳ کتاب التعبیر باب اول

[illegible]

(اعاذنا اللہ)

[illegible]

قرآن کی کس قدر اہمیت ہے۔

روایت جمع کرنے کے شوق میں بخاری نے یہ بھی نہ سوچا کہ جس پاک شخصیت کے ناموس کی خاطر احادیث جمع کر رہا ہوں اسی کی توہین آمیز حدیث بھی بیان کر رہا ہوں یہ توہین آمیز روایت کو کیسے حدیث رسول ﷺ کا نام دیا جاتا ہے؟

کیا یہی ایک بکواس ہزار ہا مگر بکواسات پر بھاری نہیں ہے؟

کیا اصح الکتب [illegible] کتاب ہوتی ہے جس میں نبی کریم ﷺ کی خودکشی کرنے کا [illegible] پایا جائے؟ کیا ایسا آدمی نبی ﷺ کا [illegible] رکھتا ہے؟ کیا یہ امام بخاری [illegible] ہے؟ کیا امام بخاری اس جرم سے بری ہو سکتے ہیں؟ اگر [illegible] راویوں نے یہ بکواس تیار کیا ہے تو امام بخاری اتنا بے بصیرت تھا کہ اگر [illegible] بھی نہ سوچا کہ میں اس خرافات کو کیسے درج کتاب کر رہا ہوں؟

حدیث نمبرا۔ امام زہری کی ایک مرسل روایت

رسول اللہ ﷺ پر پہلی وحی کس طرح نازل ہوئی تھی؟ غارِ حراء میں کیا ہوا تھا؟ جبریل علیہ السلام فرشتے سے پہلی ملاقات اور پہلی وحی کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ جب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو آپ نے کیا فرمایا اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا کیا جواب تھا؟ پھر ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ سے ملاقات اور ان کی تسلی و تائید، پھر کچھ عرصے کے لئے وحی کا

رُک جانا، یہ سب کچھ تفصیل کے ساتھ صحیح بخاری کی اس حدیث میں درج ہے جسے امام زہری نے امام عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے، انھوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا ہے۔

اس حدیث کے آخر میں ہے کہ امام زہری نے فرمایا:

"وفتر الوحي فترة حتى حزن النبي ﷺ فيما بلغنا حزناً، غدا منه مراراً كي يتردّى من رؤوس شواهق الجبال، فكلما أوفى بذروة جبل لكي يلقي منه نفسه تبدّى له جبريل فقال: يا محمد! إنك رسول الله حقاً، فيسكن لذلك جأشه و تقرّ نفسه فيرجع ...."

"اور وحی کے آنے میں بہت تاخیر ہوئی یہاں تک کہ حضورؐ ان (واقعات) سے جو ہم کو معلوم ہوئے ہیں، اس قدر غمگین ہوئے کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ کر آپ نے اپنے تئیں گرا دینے کا ارادہ کیا اور جب آپ پہاڑ پر اس واسطے چڑھتے جب ہی جبرئیل آپ کے سامنے حاضر ہو کر عرض کرتے کہ یا محمد آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں اور ان کے اس کہنے سے حضورؐ کا دل ٹھکانے سے ہو جاتا اور نفس کو سکون ہوتا اور حضورؐ (پہاڑ پر سے) واپس آجاتے۔" (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۳۳ ح ۶۹۸۲، ترجمہ عبدالدائم جلالی دیوبندی ج ۳ ص ۷۲۲)

تنبیہ: "حضور" لفظ کے بجائے نبی یا رسول وغیرہما کا لفظ استعمال کرنا چاہئے۔ ﷺ

یہ روایت صحیح بخاری کے علاوہ درج ذیل کتابوں میں بھی اسی سند اور مفہوم کے ساتھ موجود ہے:

مصنف عبدالرزاق (۵/ ۳۲۳ ح ۹۷۱۹ دوسرا نسخہ ۹۷۸۲) مسند احمد (۶/ ۲۳۲۔ ۲۳۳ ح ۲۵۹۵۹، الموسوعۃ الحدیثیہ ۴۳/ ۱۱۳) مسند اسحاق بن راہویہ (قلمی ص ۹۷، الف) صحیح ابن حبان (الاحسان: ۳۳) صحیح ابی عوانہ (۱/ ۱۱۲) دلائل النبوۃ للبیہقی (۲/ ۱۳۸)

امام زہری سے اس روایت کو امام معمر بن راشد، عقیل بن خالد اور یونس بن یزید ثقہ راویوں نے بیان کیا ہے۔ امام زہری اہلِ سنت کے مشہور جلیل القدر امام، اعلیٰ درجے کے ثقہ و متقن اور سچے راوی تھے۔ انھیں امام عجلی، حافظ ابن حبان اور حافظ ابن شاہین وغیرہم نے ثقہ قرار

دیا ہے۔ متعدد علماء نے زہری والی متصل سند کو اصح الاسانید میں شامل کیا ہے مثلاً دیکھئے معرفۃ علوم الحدیث للحاکم (ص ۵۳ ص ۹۲ عن البخاری وسندہ صحیح، ص ۵۵ قالہ الحاکم)

امیر المومنین سیدنا عمر بن عبدالعزیز الاموی الخلیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

تمھارے پاس زہری جو کچھ سند کے ساتھ لے کر آئیں تو اسے مضبوطی سے پکڑ لو۔

(تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی: ۹۶۰ وسندہ صحیح)

مشہور ثقہ تابعی امام عمرو بن دینار المکی رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے زہری سے زیادہ بہترین حدیثیں بیان کرنے والا (تابعین میں سے) کوئی بھی نہیں دیکھا۔

(الجرح والتعدیل ۸/۳۷ وسندہ صحیح، ماہنامہ الحدیث حضرو: ۳۷ ص ۶۱)

اہلِ سنت کے جلیل القدر امام مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ نے فرمایا: ابن شہاب ایسے دور میں باقی رہے جب دنیا میں ان جیسا کوئی بھی نہیں تھا۔ (الجرح والتعدیل ۸/۷۲ وسندہ صحیح)

امام مالک نے کثرت کے ساتھ موطأ امام مالک میں امام زہری سے روایتیں بیان کی ہیں۔

اہل سنت کے جلیل القدر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے امام محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب اور امام زہری کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''**جمیعًا واحد فی الثبت**''

دونوں ایک جیسے ثقہ ہیں۔ (مسائل ابن ہانی ج ۲ ص ۲۲۱ رقم ۲۲۱۲)

اسماء الرجال کے مشہور امام یحییٰ بن معین نے امام زہری کو ثقہ (قابلِ اعتماد سچا، عادل وضابط راوی) کہا۔ (دیکھئے تاریخ عثمان بن سعید الدارمی: ۱۷)

تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۳ ص ۴۱۔ ۴۶، ۴/ ۳۵، ۳۶

معلوم ہوا کہ امام مالک، عمر بن عبدالعزیز، سفیان بن عیینہ اور ائمۂ مسلمین کے نزدیک امام زہری ثقہ وصدوق اور صحیح الحدیث ہیں۔ آپ کی بیان کردہ احادیث موطأ امام مالک، الام للشافعی، مسند احمد، المسند المنسوب الٰی ابی حنیفہ، صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، صحیح ابن الجارود، اور تمام کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔ امام زہری پر کوئی جرح ثابت نہیں لہٰذا زہری پر حملہ احادیثِ صحیحہ پر حملہ ہے اور احادیثِ صحیحہ پر حملہ اصل میں دینِ اسلام

پر حملہ ہے۔ ماہنامہ الحدیث حضرو شمارہ نمبر ۳۷ سے امام زہری کے بارے میں ایک مفصل مضمون پیشِ خدمت ہے:

امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ سے محبت

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ((طوبٰی لمن رآني وطوبٰی لمن رأی من رآني : طوبٰی لهم وحسن مآب)) اس شخص کے لئے خوش خبری ہے جس نے (حالتِ ایمان میں) مجھے دیکھا اور اس کے لئے (بھی) خوش خبری ہے جس نے (حالتِ ایمان میں) اُسے دیکھا جس نے مجھے دیکھا، ان سب کے لئے خوش خبری اور بہترین ٹھکانا ہے۔

(الاحادیث المختارۃ للضیاء المقدسی ۹/۹۹ ح ۸۷ وسندہ حسن)

اس حدیث میں صحیح العقیدہ سچے تابعین کی عظیم الشان فضیلت بیان کی گئی ہے۔ ان تابعین میں سے مدینہ طیبہ کے رہنے والے امام محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب الزہری رحمہ اللہ کو دس صحابۂ کرام کے دیدار کا شرف حاصل ہے جن میں سیدنا انس بن مالک، سیدنا سہل بن سعد، سیدنا محمود بن ربیع اور سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہم بہت مشہور ہیں۔ امام ابن شہاب الزہری کی بیان کردہ احادیث صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن الجارود، صحیح ابی عوانہ، صحیح ابن حبان، سنن اربعہ، موطأ امام مالک، کتاب الام للامام الشافعی اور مسند احمد وغیرہ میں کثرت سے موجود ہیں۔

امام زہری کو امام عجلی وحافظ ابن حبان وغیرہما نے صراحتاً ثقہ قرار دیا ہے۔

(دیکھئے تاریخ العجلی: ۱۵۰۰ وقال: ''مدني تابعي ثقة'' الثقات لابن حبان ۵/۳۴۹)

امام بخاری، امام مسلم، امام ابن خزیمہ اور امام ابن الجارود وغیرہم نے تصحیحِ حدیث کے ذریعے سے انھیں ثقہ وصحیح الحدیث قرار دیا ہے۔ امام زہری کے جلیل القدر شاگرد امام مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ نے فرمایا: ابن شہاب ایسے دور میں باقی رہے جب دنیا میں ان جیسا کوئی بھی نہیں تھا۔ (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ج ۸ ص ۷۲ وسندہ صحیح)

امام ایوب بن ابی تمیمہ السختیانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۱ھ) نے فرمایا: میں نے زہری سے بڑا کوئی عالم نہیں دیکھا۔

(الجرح والتعدیل ۸/۷۳، العلل للامام احمد: ۱۰۳/۱۰۷، تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی: ۹۶۱ وسندہ صحیح)

اہلِ سنت کے جلیل القدر امام عبداللہ بن المبارک المروزی رحمہ اللہ نے فرمایا:

ہمارے نزدیک زہری کی حدیث اس طرح ہے جیسے (براہِ راست) ہاتھ سے کوئی چیز لی جائے۔ (الجرح والتعدیل ۱/۲۷۴ وسندہ صحیح)

امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز الاموی الخلیفہ نے فرمایا: ''ما أتاك به الزهري يسنده فاشدد به يديك'' تمھارے پاس زہری جو کچھ سند کے ساتھ لے کر آئیں تو اسے مضبوطی سے پکڑ لو۔ (تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی: ۹۶۰ وسندہ صحیح)

مشہور تابعی عمرو بن دینار المکی (متوفی ۱۲۶ھ) نے فرمایا: میں نے زہری سے زیادہ بہترین حدیثیں بیان کرنے والا (تابعین میں سے) کوئی بھی نہیں دیکھا۔

(الجرح والتعدیل ۸/۷۳ وسندہ صحیح، کتاب المعرفۃ والتاریخ للامام یعقوب بن سفیان الفارسی ج ۱ ص ۶۳۴ وسندہ صحیح)

امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ لوگوں میں زہری سے زیادہ (ان کے زمانے میں) سنت کا عالم دوسرا کوئی نہیں تھا۔ (الجرح والتعدیل ۸/۷۳، ۷۴ وسندہ صحیح)

انھوں نے مزید فرمایا کہ میں نے زہری، حماد اور قتادہ سے زیادہ فقیہ کوئی نہیں دیکھا۔

(الجرح والتعدیل ۸/۷۴ وسندہ صحیح، نیز دیکھئے المعرفۃ والتاریخ ۱/۶۲۱، ۶۳۵ وتاریخ ابی زرعۃ الدمشقی: ۱۴۵۰)

اسماء الرجال کے جلیل القدر امام یحییٰ بن معین نے امام زہری کی بیان کردہ ایک حدیث کو صحیح کہا۔ (تاریخ ابن معین روایۃ الدوری: ۳۹۶۴) اور زہری کو ثقہ کہا۔ (تاریخ عثمان بن سعید الدارمی: ۱۷)

اسماء الرجال اور عللِ حدیث کے ماہر امام علی بن المدینی نے فرمایا کہ کبار تابعین کے بعد مدینہ میں زہری، یحییٰ بن سعید (الانصاری)، ابو الزناد اور بکیر بن عبداللہ بن الاشج سے بڑا عالم کوئی نہیں تھا۔ (الجرح والتعدیل ۸/۷۴ وسندہ حسن) اور کہا: لوگوں کی حدیثیں اور اقوال سب سے زیادہ زہری جانتے تھے۔ (المعرفۃ والتاریخ ۱/۳۵۳ وسندہ صحیح، ۱/۱۴۷)

ابوحاتم رازی نے فرمایا: زہری کی بیان کردہ حدیث حجت ہے اور (سیدنا) انس (رضی اللہ عنہ) کے شاگردوں میں سب سے زیادہ ثقہ زہری ہیں۔ (الجرح والتعدیل ۸/۴۷ وھو صحیح)

ابوزرعہ الرازی نے زہری کو عمرو بن دینار سے بڑا حافظ قرار دیا۔ (الجرح والتعدیل ۸/۴۷ وسندہ صحیح)

مشہور تابعی اور جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق امام مکحول الشامی نے فرمایا: میرے علم میں سنتِ گذشتہ کو زہری سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ (العلل لاحمد: ۱۰۲/۱۰۶ وسندہ صحیح)

مختصر یہ کہ امام زہری کے ثقہ وصدوق اور صحیح الحدیث ہونے پر اجماع ہے۔ حافظ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں: ''الزهري أبوبكر الفقيه الحافظ ، متفق على جلالته و اتقانه'' یعنی زہری فقیہ حافظ تھے اور ان کی جلالت واتقان (ثقہ ہونے) پر اتفاق ہے۔

(تقریب التہذیب: ۶۲۹۶)

حافظ ابن عساکر الدمشقی نے فرمایا: ''أحد الأعلام من أئمة الإسلام'' وہ ائمۂ اسلام کے بڑے علماء میں سے ہیں۔ (تاریخ دمشق ج ۵۸ ص ۲۲۰)

امام زہری کے شاگردوں میں عمر بن عبدالعزیز ، عطاء بن ابی رباح ، قتادہ ، عمرو بن شعیب، عمرو بن دینار، ایوب سختیانی ، امام مالک ، سفیان بن عیینہ اور ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین الباقر وغیرہم جیسے عظیم الشان وجلیل القدر علمائے حق بھی تھے۔ رحمہم اللہ اجمعین

چودھویں پندرھویں صدی ہجری میں بعض منکرینِ حدیث اور شیعہ حضرات نے امام زہری پر طعن وتشنیع کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اہلِ بدعت کے ان حملوں اور ان کے جوابات کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۳۰ ص ۴۱۔ ۴۶، شمارہ: ۴۰ ص ۳۵، ۳۶

امام عمرو بن دینار المکی فرماتے ہیں: میں نے زہری جیسا کوئی نہیں دیکھا کہ جس کے نزدیک درہم ودینار کی کوئی حیثیت نہیں۔ (المعرفۃ والتاریخ ۱/۶۳۴ وسندہ صحیح، سنن الترمذی: ۵۲۳)

یعنی آپ دولت سے ذرا بھی محبت نہیں کرتے تھے۔ جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق امام سلیمان بن موسیٰ الدمشقی نے فرمایا: اگر ہمارے پاس علم بذریعہ اہل الحجاز عن الزہری آئے تو ہم اسے قبول کرتے ہیں۔ (المعرفۃ والتاریخ ۲/۴۰۴، ۴۱۰ وسندہ صحیح)

جدید منکرینِ حدیث کا امام زہری پر تشیع کا الزام سرے سے باطل و مردود ہے۔ امام بخاری نے امام زہری سے تعلیقاً نقل کیا ہے کہ "مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ الرِّسَالَةُ وَعَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا التَّسْلِيْمُ" رسالت (کا بیان) اللہ کی طرف سے ہے، رسول اللہ ﷺ کا کام اسے آگے پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام سرِ تسلیم خم کرنا ہے۔ (صحیح بخاری قبل ح ۷۵۳۰)

امام زہری نے فرمایا: "الإعتصام بالسنة نجاة" سنت (احادیث) کو مضبوطی سے پکڑنے میں نجات ہے۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۵۸ ص ۲۶۵ وسندہ حسن)

امام شافعی کے چچا محمد بن علی بن شافع فرماتے ہیں کہ (ناصبی خلیفہ) ہشام (بن عبدالملک اموی) نے (امام) زہری سے پوچھا کہ ﴿وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ﴾ سے کون مراد ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: عبداللہ بن اُبی۔ ہشام نے کہا: تم نے جھوٹ بولا ہے۔ زہری نے جواب دیا: "میں جھوٹ بولتا ہوں؟ تیرا باپ نہ رہے، اللہ کی قسم اگر آسمان سے کوئی منادی کرنے والا منادی کرے کہ اللہ نے جھوٹ کو حلال کر دیا ہے تو میں پھر بھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔" پھر انھوں نے اسے اس کے بارے میں احادیث سنائیں۔

(تاریخ دمشق ۵۸/۳۷۲ وسندہ صحیح، تاریخ میں عمی کے بجائے غلطی سے عمر لکھا ہوا ہے۔)

آخر میں عرض ہے کہ امام ابن شہاب زہری اور تمام صحیح العقیدہ سچے تابعین سے محبت کرنا ایمان کی نشانی ہے۔ جو بدنصیب شخص ان ثقہ وصدوق علماء پر طعن وتشنیع کے تیر چلانے کی کوشش کرے، اس کا مقابلہ پوری قوت اور شدید جذبۂ ایمانی سے کرنا چاہیے۔

حافظ ابن حبان فرماتے ہیں: "وكان من أحفظ أهل زمانه وأحسنهم سياقًا لمتون الأخبار وكان فقيهًا فاضلاً، روى عنه الناس" زہری اپنے زمانے میں سب سے بڑے حافظ اور متونِ احادیث کو سب سے اچھے طریقے سے بیان کرنے والے تھے اور فقیہ فاضل تھے۔ آپ سے لوگوں نے روایتیں بیان کی ہیں۔ (الثقات ۵/۳۴۹)

اے اللہ! ہمارے دل امام زہری اور سچے صحیح العقیدہ تابعین کی محبت سے بھر دے۔

آمین یا رب العالمین

زہری کے ثقہ اور صحیح الحدیث ہونے کے بعد عرض ہے کہ صحیح بخاری کی مذکورہ روایت کا یہ ٹکڑا مراسیلِ زہری میں سے ہونے کی وجہ سے نا قابلِ حجت ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: "ثم إن القائل فیما بلغنا هو الزهري ... وهو بلاغات الزهري ولیس موصولاً" فیما بلغنا (ہمیں پتا چلا ہے) کے قائل زہری ہیں... اور یہ روایت بلاغاتِ زہری میں سے ہے، موصول (متصل سند سے) نہیں ہے۔ (فتح الباری ۱۲/۳۵۹ ح ۶۹۸۲)

مرسل اور بلاغات والی روایت زہری کی ہو یا کسی دوسرے تابعی کی: ہمیشہ ضعیف و نا قابلِ حجت ہوتی ہے۔ امام بخاری نے صحیح حدیث جس طرح سُنی تھی اس کے ساتھ بلاغات والا یہ ٹکڑا بھی تھا، انھوں نے اسے بطورِ علمی امانت و دیانت من وعن بیان کر دیا ہے۔

"...محدث" نامی کتاب کے منکرِ حدیث مصنف نے بے ہودہ الفاظ استعمال کرتے ہوئے بھی اس روایت کو مرسل قرار دیا ہے۔ (دیکھئے ص ۱۴) اصولِ حدیث کے معمولی طالب علموں کو بھی یہ معلوم ہے کہ مرسل، منقطع اور بلاغات والی روایات صحیح بخاری کے موضوع اور عنوان سے خارج ہیں۔ صحیح بخاری کا نام دوبارہ درج ذیل ہے:

"الجامع المسند الصحیح المختصر من أمور رسول الله ﷺ وسننه و أیامه"

(فہرست محمد بن خیر بن عمر الاشبیلی ص ۹۴، عمدۃ القاری للعینی ج ۱ ص ۵)

یہاں المسند سے مراد وہ حدیثیں ہیں جو متصل سندوں کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔

معترض نے لکھا ہے: "جو شخص خودکشی کرتا ہے وہ کفر پر مرتا ہے کیونکہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو کر مرتا ہے..." (.....محدث ص ۱۲، ۱۳)

عرض ہے کہ یہ قاعدہ غلط ہے کیونکہ بعض لوگ سخت پریشانی کی وجہ سے بھی خودکشی کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں لہٰذا انھیں کافر قرار دینا اہلِ اسلام کا مسلک نہیں ہے۔

ایک صحابی نے بیماری اور تکلیف کی وجہ سے اپنی انگلیاں کاٹ کر خودکشی کر لی تھی تو نبی ﷺ نے اس کے لئے اللہ سے استغفار کی دعا فرمائی۔ دیکھئے صحیح مسلم (کتاب الایمان باب الدلیل علیٰ أن قاتل نفسه لا یکفر ح ۱۱۶، وترقیم دارالسلام: ۳۱۱) ومسند امام احمد (۳/۳۷۰)

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اہلِ سنت کے اس عظیم قاعدے کی دلیل ہے کہ خودکشی کرنے والا کافر نہیں ہے۔ (صحیح مسلم مع شرح النووی، درسی نسخہ ج ۱ ص ۴۷)

ایک شخص نے خودکشی کر لی تو رسول اللہ ﷺ کے پاس اس کا جنازہ لایا گیا، آپ نے اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔

(دیکھئے صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۱۴ ح ۹۷۸ وترقیم دارالسلام: ۲۲۶۲، مسند احمد ۸۷/۵، ۹۱، ۱۰۷)

نووی فرماتے ہیں: خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھنی چاہئے اور یہ مسلک عمر بن عبدالعزیز اور اوزاعی کا ہے۔ حسن بصری، ابرہیم نخعی، قتادہ، مالک بن انس، ابوحنیفہ، شافعی اور جمہور علماء نے کہا کہ خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔ انھوں نے اس حدیث (سے استدلال) کا یہ جواب دیا ہے کہ نبی ﷺ نے خود اس لئے جنازہ نہیں پڑھا تاکہ لوگوں کو اس فعل سے ڈانٹا جائے اور صحابہ نے اس شخص کی نمازِ جنازہ پڑھی تھی....

(شرح النووی ج ۱ ص ۳۱۴)

ابن حزم نے خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھنے والے بعض آثار کو صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے المحلیٰ (ج ۵ ص ۱۷۱، مسئلہ: ۶۱۱)

معلوم ہوا کہ جو شخص خودکشی کو حلال نہیں سمجھتا لیکن کسی تکلیف یا مصیبت کی وجہ سے اس کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے تو یہ شخص کافر نہیں ہے اور نہ یہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہوا ہے لہٰذا یہ دعویٰ کرنا کہ ''لیکن اپنے اختیار سے اپنے آپ کو مار دینے والا شخص قطعاً مسلمان ہو کر نہیں مرتا'' غلط ہے۔ اس دعوے کا کوئی ثبوت قرآنِ مقدس میں نہیں ہے۔

یاد رہے کہ خودکشی کرنا علیحدہ بات ہے اور اس کا ارادہ کرنا علیحدہ بات ہے۔ شریعتِ اسلامیہ میں کسی ناجائز کام کے نہ کرنے کے باوجود صرف ارادہ کرنا قابلِ مواخذہ نہیں ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم کی پیدائش سے پہلے لکھی جانے والی کتاب الصحیفۃ الصحیحہ میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ((وإذا تحدّث بأن یعمل سیئة فأنا أغفرها مالم یعملها .)) اور اگر برائی کرنے کا (کوئی شخص) ارادہ کرے تو میں اسے معاف کر دیتا

ہوں جب تک وہ عمل نہ کرے۔ (صحیفہ ہمام بن منبہ:۵۳)

یہ روایت امام معمر بن راشد کی کتاب الجامع (۲۰۵۵۷) حافظ عبدالرزاق بن ہمام کی کتاب المصنف (۲۸۶/۱۱) امام احمد کی کتاب المسند (۳۱۵/۲ ح ۸۱۶۲) اور امام مسلم کی کتاب صحیح مسلم (۲۰۵/ ۱۲۹، ترقیم دارالسلام: ۳۳۶) وغیرہ میں موجود ہے۔ اس مفہوم کی دوسری روایات صحیح بخاری (۶۴۹۱) اور صحیح مسلم (۱۳۱) وغیرہما میں بھی موجود ہیں جن میں آیا ہے کہ اگر کوئی شخص بُرائی کا ارادہ کرے اور پھر اس پر عمل نہ کرے تو اسے پوری ایک نیکی ملتی ہے۔

درج بالا بحث کا خلاصہ مع فوائد درج ذیل ہے:

① روایتِ مذکورہ جس پر معترض نے اعتراض کیا ہے، صحیح بخاری کے علاوہ دوسری کتابوں میں بھی موجود ہے لہٰذا امام بخاری سراسر بری ہیں۔

② روایتِ مذکورہ کو بطورِ اصل اور بطورِ حجت بیان نہیں کیا گیا بلکہ ایک صحیح روایت کے ذیلی متن کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

③ روایتِ مذکورہ کی سند مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

④ امام ابن شہاب الزہری جلیل القدر تابعی ہونے کے ساتھ ثقہ بالاجماع امام ہیں۔ امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کتاب مسند امام اعظم (ص ۲۶۴ ح ۲۷۰) میں امام ابوحنیفہ کی امام زہری سے روایت موجود ہے۔ نیز دیکھئے مسند الامام ابی حنیفہ تالیف ابی نعیم الاصبہانی (ص ۳۹) جامع المسانید للخوارزمی (۸۶/۲) مسند ابی حنیفہ مع شرح الملا علی القاری (ص ۱۰۷) مسند ابی حنیفہ لابی محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی الکذاب (ص ۵۰ ح ۱۰۷) کتاب الآثار لمحمد بن الحسن الشیبانی فیما یقال (ص ۱۹۸ ح ۹۲۲)

⑤ امام زہری کی بیان کردہ بلاغی روایت اگر صحیح ہوتی تو اس کا تعلق اس دور سے ہے جب شرعی احکام میں سے کچھ بھی نازل نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا ایسی حالت میں ایسی بات کا ارتکاب حرام نہیں ہے جس کا حرام ہونا وحی الٰہی میں نازل نہیں کیا گیا۔

⑥ خودکشی کا ارادہ کرنا اس ضعیف روایت میں مذکور نہیں بلکہ صرف اپنے آپ کو پہاڑ کی

چوٹی سے گرانے کا ارادہ مذکور ہے۔ اصحاب الاخدود والے لڑکے کو پہاڑ سے گرایا گیا تھا مگر وہ زندہ سلامت رہا تھا۔

⑦ بُرائی کا ارادہ کرنا کفر یا حرام نہیں اور ارادہ کرنے کے بعد بُرائی نہ کرنے سے کوئی گناہ نہیں ملتا بلکہ ایک کامل نیکی ملتی ہے۔

⑧ قرآن مجید میں کہیں بھی خودکشی کو کفر قرار نہیں دیا گیا۔

⑨ نبی ﷺ نے اپنے آپ کو پہاڑ سے کبھی نہیں گرایا لہٰذا اعتراض فضول ہے۔

⑩ اگر یہ مرسل روایت صحیح ہوتی تو اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ مشکل کشا، حاجت روا اور عالم الغیب نہیں بلکہ بشر مخلوق ہیں لہٰذا آپ کی عبادت نہیں کرنی چاہیے بلکہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرنی چاہیے جو عالم الغیب، مشکل کشا اور حاجت روا ہے۔

(۲)

﴿۲﴾ قرآن مقدس

قرآن مقدس کا بیان ہے کہ جادو شرک، کفر ... ایک سب اس کی کوئی حقیقت نہیں ... سب ... کی طرح ... اصل نہیں ... نے قرآن کی ... مطابق ہے «لا حقیقۃ للسحر» ... نے فرمایا

«لا یفلح الساحر حیث اتی» اور فرمایا «لا یفلح السحرون»

جادو [illegible] حیثیت سے بھی حق کے مقابلہ میں آئے تو ... مومن مخلص پر بھی جادو اور شرک کا اثر نہیں ہوسکتا خود شیطان نے بھی اقرار ... «الا عبادک منھم المخلصین» تیرے مخلص بندوں پر ... کسی بھی شرارت کا اثر نہ ہوگا اور ... نے فرما دیا کہ جادو کا مومن ... [illegible] ... سے مسلمان کا نہیں، «وقال الظلمون ان تتبعون الا رجلا مسحورا» (فرقان ...) ... آپ ﷺ کی ذات پاک کو ... سے جنون اور دیوانگی سے ... «ما انت بنعمۃ ربک بمجنون» (القلم ...) ... لوگوں اور شیطانوں کی ... شرارت سے بچ کے ... «واللہ یعصمک من الناس» جس طرح شرک ہوائی چیز ہے اسی طرح جادو بھی ہوائی چیز ہے ... شیطان کی ... اور عبادت ہوتی ہے!

بخاری محدث نبی ﷺ کو خیال کا مریض بنانا

قرآن کے قطعی مخالف امام بخاری نے ... آپ ﷺ ... ہے آپ ﷺ کے دماغ کی قوت میں خلل واقع ہو ... حق کے مقابلہ میں باطل شیطانی جادو کا ... ہے

آپ ﷺ پر شیطانی کلام کا ... آپ ﷺ خیال کے مریض ... [illegible] ... شیطانی کلام کی وجہ سے آپ ﷺ کو ... [illegible] ... مقصد بھی آپ ﷺ ... [illegible] ... شرک ... [illegible]

بخاری نے ہشام ... اپنی کتاب میں ... آپ ﷺ پر شرک کا ... ہے۔

[illegible]

بخاری کا مذہب ... معلوم ہو ... کتاب بخاری کو ... عصمت نبویہ کا ... [illegible]

... شیطانی ... کتاب میں ... فرمادی ... جب حق و باطل کا مقابلہ ہو تو باطل بھاگ جاتا ہے مگر بخاری کا ... ثابت ہوا ... حق و باطل ... فرما دیا کہ حق کے مقابلہ میں باطل کامیاب نہیں ہوسکتا مگر بخاری کا ... ثابت ہوا کہ حق ... ہے اور باطل نے حق کو مغلوب کر دیا ہے

... آپ ﷺ کو جسمانی طور پر ... آپ ﷺ کے ... آپ ﷺ ... جب ... «واللہ یعصمک من الناس» ... شیطان ... شرک کے ذریعہ ... «لاحول ولا قوۃ»

کاش کہ بخاری کو قرآن ... اور رسول اللہ کی سیرت ... حاصل ہوتا تو آپ ﷺ پر شیطانی جادو ... شرک اور کفر ... کا اثر نہ مانتے ...

۲۔ جادو کا اثر اور ہشام بن عروہ رحمہ اللہ

راقم الحروف کی کتاب ''صحیح بخاری کا دفاع'' عرف ''صحیح بخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ'' میں یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ جادو کا محدود اور عارضی اثر ہو جانا ثابت ہے جیسا کہ

سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر جادوگروں کی نظر بندی کا اثر ہوا تھا اور آپ خوف زدہ ہو گئے تھے۔ مثلاً دیکھئے سورۂ طٰہٰ : ٦٧

اسی طرح ہشام بن عروہ (ثقہ امام) کی بیان کردہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ پر (ایک یہودی کے) جادو کا (عارضی اور محدود) اثر یہ ہوا تھا کہ آپ دنیا کی بعض باتیں (چند دن کے لئے) بھول جاتے تھے، ان باتوں کا دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔

ہشام بن عروہ کو امام ابو حاتم الرازی، امام عجلی، امام یحییٰ بن معین اور امام ابن حبان وغیرہم نے ثقہ قرار دیا ہے۔ ہشام کا مختلط ہونا ثابت نہیں ہے اور اگر بفرضِ محال یہ ثابت بھی ہو تو یہ روایت ہشام سے ابوضمرہ انس بن عیاض المدنی نے بھی بیان کر رکھی ہے۔ (صحیح بخاری: ٦٣٩١)

لہٰذا معلوم ہوا کہ جادو والی روایت مزعوم اختلاط سے پہلے کی ہے۔

ہشام بن عروہ پر تدلیس کا الزام بھی ثابت نہیں ہے اور اگر یہ بفرضِ محال ثابت بھی ہو تو انھوں نے اس روایت میں سماع کی تصریح کر رکھی ہے۔ (صحیح بخاری ج ١ ص ٤٥٠ ح ٣١٧٥)

مسلمانوں میں سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ نبی کریم ﷺ "رجل مسحور" تھے۔ معاذ اللہ بلکہ اس حدیث کا صرف یہ مطلب ہے کہ نبی کریم ﷺ پر جادو کا یہ عارضی اثر ہوا تھا کہ آپ دنیاوی اُمور کی بعض چیزیں تھوڑی دیر کے لئے بھول جاتے جبکہ ان چیزوں کا دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔

تفصیل کے لئے دیکھئے "صحیح بخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ" (ص ٢٢۔ ٢٦، ٣٧۔ ٣٩)

تنبیہ: امام ابوحنیفہ سے یہ قول باسند صحیح قطعاً ثابت نہیں ہے کہ "لا حقيقة للسحر" جادو کی کوئی حقیقت نہیں ہے لہٰذا معترض نے امام صاحب پر جھوٹ بولا ہے۔

جدید دور کے منکرِ حدیث اور گستاخِ تابعین و گستاخِ سلف صالحین کا ہشام بن عروہ کو کذاب کہنا بذاتِ خود اس منکر حدیث کے کذاب ہونے کی دلیل ہے۔

موطأ امام مالک، کتاب الام للشافعی، مسند الامام احمد اور صحیحین کے بنیادی راوی ہشام بن عروہ کے بارے میں ابو حاتم الرازی نے فرمایا: وہ ثقہ ہیں، حدیث کے امام ہیں۔

(کتاب الجرح والتعدیل ج۹ص ۶۴)

امام عجلی نے کہا: وہ ثقہ تھے۔ (تاریخ بغداد ۱۴/۴۱ وسندہ صحیح)

متاخرین میں سے ابن القطان الفاسی نے کہا: ہشام اور عثمان دونوں (بھائی) ثقہ ہیں۔

(بیان الوہم والایہام ۵/۴۲۹ ح ۲۶۰۴)

ایسے زبردست ثقہ اور سچے امام کو کذاب قرار دینا انھی لوگوں کا کام ہے جو بذاتِ خود کذاب و خائن ہونے کے ساتھ ساتھ منکرِ حدیث بھی ہیں۔

اضافہ:

کتاب: ''صحیح بخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ'' سے جادو والی حدیث اور ہشام بن عروہ رحمہ اللہ کا دفاع بطورِ قندِ مکرر پیشِ خدمت ہے:

ہشام بن عروہ پر بعض الناس کی جرح اور اس کا جواب

ہشام بن عروہ المدنی رحمہ اللہ کے بارے میں ابو حاتم الرازی (متوفی ۲۷۷ھ) نے کہا: ''**ثقة إمام في الحديث**'' (الجرح والتعدیل ۹/۶۴ وسندہ صحیح)

احمد بن عبداللہ بن صالح العجلی (متوفی ۲۶۱ھ) نے کہا: ''**وكان ثقة...**''

(تاریخ الثقات: ۱۷۴۰ وفی المطبوع بعدہ عبارۃ مشوشۃ، تاریخ بغداد ۱۴/۴۱ وسندہ صحیح)

محمد بن سعد (متوفی ۲۳۰ھ) نے کہا: ''**وكان ثقة ثبتاً كثير الحديث حجة**''

(الطبقات الکبریٰ ۷/۳۲۱)

یعقوب بن شیبہ (متوفی ۲۶۲ھ) نے کہا: ''**وهشام بن عروة ثبت حجة ...**''

(تاریخ بغداد ۱۴/۴۰ وسندہ صحیح، **وكلامه بعده يشير إلى تدليسه، والله أعلم**)

یحییٰ بن معین (متوفی ۲۳۳ھ) سے پوچھا گیا کہ آپ کے نزدیک ہشام بن عروہ (**عن عروة**) محبوب (پسندیدہ) ہیں یا الزہری؟ تو انہوں نے فرمایا: دونوں، اور کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دی۔ (تاریخ عثمان بن سعید الدارمی: ۷۵۰ وسندہ صحیح)

دارقطنی نے کہا: ''وهشام وإن كان ثقة فإن الزهري أحفظ منه، والله أعلم ''

(سنن الدارقطنی ۴/ ۲۴۰ ح ۴۵۳۷)

محمد بن حبان البستی (متوفی ۳۵۴ھ) نے انھیں ثقہ راویوں میں شامل کر کے فرمایا:

''وكان حافظًا متقنًا ورعًا (فاضلاً)'' (الثقات ۵/ ۵۰۲)

محدث ابن شاہین (متوفی ۳۸۵ھ) نے ہشام بن عروہ کو کتاب الثقات (۱۵۲۶) میں ذکر کیا اور بخاری و مسلم نے اصول میں روایت لے کر ہشام بن عروہ کو ثقہ وصحیح الحدیث قرار دیا۔

اس تمام توثیق کے مقابلے میں ابوالحسن بن القطان الفاسی (متوفی ۶۲۸ھ) نے کہا:

''وهشام بن عروة منهم'' اور ہشام بن عروہ ان (مختلطین) میں سے ہیں۔

(بیان الوہم والایہام الواقعین فی کتاب الأحکام ۵/ ۵۰۴ ح ۲۷۲۶)

حافظ ذہبی نے ''ولا عبرة'' کہہ کر اس قول کو غیر معتبر قرار دیا (دیکھئے میزان الاعتدال ۴/ ۳۰۱) اور فرمایا: ''ولم يختلط أبدًا'' اور ہشام کو کبھی اختلاط نہیں ہوا (ایضاً ص ۳۰۱) حافظ ذہبی نے مزید کہا: ''وهشام فلم يختلط قط، هذا أمر مقطوع به'' اور ہشام کو کبھی اختلاط نہیں ہوا، یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے (سیر اعلام النبلاء ۶/ ۳۶) اور کہا: ''فقول ابن القطان: إنه اختلط قول مردود مرذول'' ابن القطان کا قول کہ ہشام کو اختلاط ہوا، مردود و مرذول ہے۔ (ایضاً ص ۳۶)

حافظ ابن حجر نے کہا: ''ولم نر له في ذلك سلفًا'' اور ہم نے اس قول میں اس (ابن القطان الفاسی) کا کوئی سلف نہیں دیکھا۔ (تہذیب التہذیب ۱۱/ ۵۱)

معلوم ہوا کہ ہشام بن عروہ پر اختلاط کا الزام مردود و باطل ہے۔

فائدہ: بذاتِ خود ابن القطان الفاسی نے ہشام بن عروہ اور عثمان بن عروہ کے بارے میں کہا: ''وهشام وعثمان ثقتان'' یعنی ہشام اور عثمان دونوں ثقہ ہیں۔

(بیان الوہم والایہام ۵/ ۴۲۹ ح ۲۶۰۴)

تنبیہ: ہشام بن عروہ نے ایک روایت بیان کی ہے جس میں آیا ہے کہ ایک یہودی نے نبی کریم ﷺ پر جادو کیا تھا (جس کا آپ پر دنیاوی امور میں، دیگر بیماریوں کی طرح عارضی

اثر ہوا مثلاً بعض اوقات آپ یہ بھول جاتے کہ آپ اپنی فلاں زوجہ محترمہ کے پاس تشریف لے گئے یا نہیں) اس روایتِ صحیحہ پر نیش زنی کرتے ہوئے حبیب الرحمٰن کاندہلوی ولد اشفاق الرحمٰن کاندہلوی لکھتا ہے:

''۵۔ یہ روایت ہشام کے علاوہ کوئی بیان نہیں کرتا۔ اور ہشام کا ۱۳۲ھ میں دماغ جواب دے گیا تھا۔ بلکہ حافظ عقیلی تو لکھتے ہیں۔ قد خرف فی اخر عمرہ - آخر عمر میں سٹھیا گئے تھے۔ تو اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ روایت سٹھیانے سے پہلے کی ہے۔

۶۔ ہشام کے مشہور شاگردوں میں سے امام مالک یہ روایت نقل نہیں کرتے۔ بلکہ کوئی بھی اہل مدینہ یہ روایت نقل نہیں کرتا۔ ہشام سے جتنے بھی راوی ہیں سب عراقی ہیں اور اتفاق سے عراق پہنچنے کے چند روز بعد ہشام کا دماغ سٹھیا گیا تھا۔''

(مذہبی داستانیں اوران کی حقیقت ۲/۹۱)

عرض ہے کہ اختلاط اور سٹھیانے والی بات تو باطل ومردود ہے جیسا کہ حافظ ذہبی کے قول سے ثابت کیا جاچکا ہے۔ عقیلی کا قول مجھے کتاب الضعفاء وغیرہ میں نہیں ملا۔

محدث ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں:

''موصوف نے امام عقیلی کے قول کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ تہذیب التہذیب، میزان الاعتدال وغیرہ کتب میں امام عقیلی کا یہ قول ہمیں کہیں نظر نہیں آیا۔ بلکہ امام عقیلی نے تو ہشام کا کتاب الضعفاء میں ذکر ہی نہیں کیا۔'' (احادیث صحیح بخاری ومسلم کو مذہبی داستانیں بنانے کی ناکام کوشش ص ۱۱۳)

ہشام بن عروہ سے سحر والی روایت انس بن عیاض المدنی (صحیح بخاری: ۶۳۹۱) اور عبدالرحمٰن بن ابی الزناد المدنی (صحیح بخاری: ۵۷۶۳ وتفسیر ابن جریر الطبری ۱/۳۶۶، ۳۶۷ وسندہ حسن، ابن ابی الزناد وثقہ الجمہور) دونوں نے بیان کی ہے لہٰذا یہ کہنا کہ ''بلکہ کوئی بھی اہل مدینہ یہ روایت نقل نہیں کرتا۔'' باطل ومردود ہے۔ ایک اور شخص لکھتا ہے کہ: ''ہشام بن عروہ ثقہ فقیہ ہے بارہا تدلیس کی ہے (تقریب ج ۲ ص ۲۶۸) چونکہ سحر والی روایت عن سے ہے اور اصول حدیث میں مدلس کا عنعنہ ناقابل قبول ہے لہٰذا یہ روایت مردود ہے۔ تو

اب اس بات میں کوئی شک نہ رہا کہ اصول حدیث کی روشنی میں نبی علیہ السلام پر جادو والی روایات سنداً اور متناً غلط ہیں۔" (جادو کی شرعی حیثیت قرآن کی روشنی میں/تجلی خان ص ۱۷)

حالانکہ صحیح بخاری میں لکھا ہوا ہے: " **حدثنا محمد بن المثنیٰ :ثنا هشام :ثني أبي عن عائشة أن النبي ﷺ سحر حتی كان يخيّل إليه أنه صنع شيئاً ولم يصنعه** " (درسی نسخہ ۱/۴۵۰ ح ۳۱۷۵ کتاب الجزیہ باب ۱۴ **هل يعفى عن الذمي ،إذا سحر ؟**) سماع کی واضح تصریح کے باوجود یہ کہنا کہ " چونکہ سحر والی روایت عن سے ہے..." کیا معنی رکھتا ہے؟

ایک شخص نے لکھا ہے: " ہشام کی بیان کی ہوئی روایات میں سے کسی بھی روایت کی اسناد میں یہ ذکر نہیں ہے کہ عروہ نے حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث سنی تھی......"

(صحیح بخاری کا مطالعہ از شبیر احمد ازہر میرٹھی ج ۲ ص ۸۷)

عرض ہے کہ عروہ بن الزبیر کا مدلس ہونا ثابت نہیں ہے لہٰذا وہ تدلیس سے بری ہیں۔ آپ ۲۳ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اپنی خالہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (وفات ۵۷ھ) سے سماع وملاقات اور استفادہ دلائل قطعیہ سے ثابت ہے۔ مثلاً دیکھئے صحیح بخاری (۴۰۷۷) وصحیح مسلم (۲۴۱۸ وترقیم دارالسلام: ۶۲۴۹۔۶۲۵۱) ومسند الحمیدی (بتحقیقی: ۲۶۴) حدیث کے عام طالب علم بھی یہ جانتے ہیں کہ غیر مدلس راوی کا اپنے استاد سے بدون تصریحِ سماع: عن اور قال وغیرہ کے ساتھ روایت کرنا، سماع پر ہی محمول ہوتا ہے اِلا یہ کہ صریح دلیل سے کسی روایت کی تخصیص ثابت ہو لہٰذا یہ اعتراض بھی مردود وباطل ہے۔

تنبیہ بلیغ: بعض لوگ ہشام بن عروہ کے بارے میں (عبدالرحمٰن بن یوسف بن سعید) ابن خراش کا قول (**كان مالك لا يرضاه....**) پیش کرتے ہیں حالانکہ ابن خراش کا بذاتِ خود ثقہ وصدوق ہونا ثابت نہیں ہے۔ عبدان اسے ضعف کی طرف منسوب کرتے تھے (الکامل لابن عدی ۴/۱۶۲۹ وسندہ صحیح) ابو زرعہ محمد بن یوسف الجرجانی رحمہ اللہ نے کہا: " **كان أخرج مثالب الشيخين و كان رافضياً** " اس نے (سیدنا) ابو بکر وعمر (رضی اللہ عنہما)

کے خلاف روایتیں نکالیں اور وہ رافضی تھا۔ [سؤالات حمزۃ السہمی للحاکم: ۳۴۱ وسندہ صحیح]
محدث ابن ناصر الدین (متوفی ۸۴۲ھ) نے (اپنی کتاب) بدیعۃ البیان (عن موت الاعیان) میں ابن خراش کے بارے میں کہا:

"لابن خراش الحالة الرذيلة ذار افضي جرحه فضيلة"

یعنی ابن خراش کی رذیل (وذلیل) حالت ہے۔ یہ رافضی ہے، اس کی جرح (مجروح کے لئے) باعث فضیلت ہے۔ (شذرات الذہب ۱۸۴/۲)

خلاصۃ التحقیق: ہشام بن عروہ ثقہ وصحیح الحدیث ہیں، اُن پر اختلاط وغیرہ کی جرح مردود ہے۔
رہا مسئلہ تدلیس کا تو قولِ راجح میں وہ "بريئ من التدليس" تدلیس سے بری ہیں۔
(دیکھئے میری کتاب الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین ۳۰/۱ ص ۱۳۱)

تنبیہ: جادو والی حدیث کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ رسول اللہ ﷺ (معاذ اللہ) رجل مسحور تھے لہٰذا یہ حدیث ﴿إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا﴾ کے خلاف نہیں۔

آدمی کی صحت پر جادو کا بعض اور عارضی اثر ہو جانا اس کی دلیل نہیں کہ اب وہ آدمی مسحور بن چکا ہے جس طرح کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر جادوگروں کا بعض اثر ہوا تھا جس کی وجہ سے آپ خوف میں مبتلا ہو گئے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ رسیاں اور لاٹھیاں (سانپ بن کر) دوڑ رہی ہیں۔ اس عارضی اثر کے باوجود سیدنا موسیٰ علیہ السلام مسحور قطعاً نہیں تھے، اسی طرح ہمارے نبی ﷺ بھی جادو کے بعض اور عارضی اثر کے باوجود قطعاً مسحور نہیں تھے۔ یہ صحیح ہے کہ ساحر آخر کار کامیاب نہیں ہوتا لیکن دنیا میں اس کے سحر کا بعض اثر ہو سکتا ہے جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام سمجھتے تھے کہ رسیاں دوڑ رہی ہیں۔

بعض نبیوں کو شہید کیا گیا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ انبیاء کو قتل کرنے والے شیاطین اور کفار تھے۔
شروع میں رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے لئے پہرہ ہوتا تھا جیسا کہ صحیح بخاری (۲۸۸۵) وغیرہ سے ثابت ہے۔ بعد میں جب آیت: ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ نازل ہوئی تو پہرہ ختم کر دیا گیا۔

دیکھئے سنن الترمذی (۳۰۴۶ وسندہ حسن وصححہ الحاکم ۲/۳۱۳ ووافقہ الذہبی)

معلوم ہوا کہ آیتِ مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اب کوئی شخص قتل نہیں کر سکے گا اور آپ کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ پر ہے اور اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔

رسول اللہ ﷺ کے قرین کا مسلمان ہو جانا اس کی دلیل نہیں کہ آپ پر جادو کا بعض اور وقتی محدود اثر بھی نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا منکرینِ حدیث کا استدلال باطل ہے۔

(۳)

(۲) قرآن مقدس

قرآن پاک کا اعلان ہے نہ اللہ کسی کی شکل ہے اور نہ کوئی اللہ کی شکل ہے

"لیس کمثلہ شیٔ" قرآن کا بیان ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ بندے میں حلول کر جاتا ہے اور کبھی بندہ بھی اللہ کے ساتھ [illegible] ختم ہو جاتی ہے "لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم" اور مشرکین کا مشہور عقیدہ ہے کہ جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر اتر پڑا مدینے میں مصطفیٰ ہو کر۔

اللہ کسی کی شکل بن جانے یا وہ کسی کا وجود بن جائے یا اللہ کسی میں حلول کر کے اس کے اعضاء بن جائے یہ سب شرک اور کفر کی شکلیں ہیں جنکو قرآن پاک برداشت نہیں کرتا وہ سبحان ہے کہ کسی جیسا ہو اور اسی کیلئے حرام ہے کہ کوئی اس جیسا ہو "سبحان اللہ وبحمدہ تعالیٰ"

بخاری محدث رب کی توہین

امام بخاری کہتا ہے کہ اللہ پاک بندے میں حلول کر کے اسکا اعضاء بن جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں بندہ کے کان ہاتھ پاؤں بن جاتا ہوں وہ بندہ میرے کانوں سے سنتا ہے میرے پاؤں سے چلتا ہے میں بندے کی آنکھ بن جاتا ہوں وہ میری آنکھ سے دیکھتا ہے وغیرہ وغیرہ۔۔ جب تک اللہ بندے کے جسم میں نہ اترے اسکے اعضاء کس طرح بن جائیگا امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری کتاب الرقاق ۹۶۳ پر بڑے جذبات کے ساتھ موجود

[illegible] کر کے قرآن سے اور خود اللہ کریم سے بغاوت کی روایت [illegible] اب کیا کہا جائے کہ کسی لعنتی راوی نے بخاری کی [illegible] کہ ہوش وارفتہ ہو کر امام بخاری نے اپنی صحیح میں درج کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ روایت سند یا اسناد صحیح ہے اور متن کی [illegible] موضوع روایت کو حدیث کا درجہ دیا جا سکتا ہے

کیا اب بھی بخاری کی روایت کا اعتبار کیا جا سکتا ہے؟

۳۔ کیا اللہ بندے میں حلول کر جاتا ہے؟

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرتا ہے تو میں اس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ بندہ میرے پسندیدہ اعمال کے ذریعے سے جو میں نے اس پر فرض کیے ہیں میرا تقرب حاصل کرتا ہے اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے سے میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ میرا پسندیدہ بن جاتا ہے پھر میں اس کی سماعت ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی بصارت ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں....الخ (ح ۶۵۰۲)

یہ حدیث صحیح بخاری کے علاوہ صحیح ابن حبان (۳۴۸) السنن الکبریٰ للبیہقی (۳/۳۴۶، ۱۰/۲۱۹) حلیۃ الاولیاء (۱/۴، ۵) شرح السنۃ للبغوی (۵/۱۹ح ۱۲۴۸، وقال: ''ھذا حدیث صحیح'') اور الصحیحہ للالبانی (۱۶۴۰) میں موجود ہے۔

اس حدیث میں سماعت، بصارت، ہاتھ اور پاؤں بننے سے دو چیزیں مراد ہیں:

① اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی حاجات پوری فرماتا ہے۔

② بندے کی آنکھ، کان، ہاتھ اور پاؤں وہی کام کرتے ہیں جو اللہ کو محبوب ہیں۔

دیکھئے شرح السنۃ (ج ۵ ص ۲۰)

اس حدیث سے حلولیت کا عقیدہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اللہ فرماتا ہے:

''اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں'' اس سے ثابت ہوا کہ اللہ علیحدہ ہے اور بندہ علیحدہ ہے، دونوں ایک نہیں ہیں نیز دوسرے قطعی دلائل سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ سات آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے۔

انور شاہ کشمیری دیوبندی کا علمائے شریعت پر رد کرنا اور اس حدیث سے حلولیوں کا فناء فی اللہ کا عقیدہ کشید کرنا (دیکھئے فیض الباری ج ۴ ص ۴۲۸) واضح طور پر غلط ہے۔ اگر بندہ خود خدا ہو جاتا ہے تو پھر ''مجھ سے سوال کرے اور مجھ سے پناہ مانگے'' کیا معنی رکھتا ہے؟

تنبیہ (۱): روایتِ مذکورہ بالا خالد بن مخلد کی وجہ سے حسن لذاتہ (اور شواہد کے ساتھ) صحیح لغیرہ ہے۔ والحمد للہ

تنبیہ (۲): منکرِ حدیث معترض نے لکھا ہے: ''امام بخاری کہتا ہے کہ اللہ پاک بندے میں حلول کر کے اسکے اعضاء بن جاتا ہے'' (...محدث ص ۱۹)

امام بخاری نے بندے میں حلول والی بات بالکل نہیں لکھی لہٰذا معترض کی یہ بات بہت بڑا جھوٹ ہے جس کا اُسے اللہ کے دربار میں جواب دینا پڑے گا۔ ان شاء اللہ

اضافہ:

صحیح بخاری کی یہ حدیث: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ کے خلاف نہیں اور نہ اس حدیث

سے حلول کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ ﴾ پس تم نے انھیں (کافروں کو) قتل نہیں کیا لیکن اللہ نے انھیں قتل کیا، اور جب تو نے مارا تو تُو نے نہیں مارا بلکہ اللہ نے مارا۔ (الانفال:۱۷)

اس آیت سے حلولیت کا عقیدہ ثابت کرنا باطل ہے اور اسی طرح حدیث مذکور سے حلولیت کا عقیدہ تراشنا بھی باطل ہے۔

(٤)

(٤) قرآن مقدس

قرآن کا بیان ہے نہ اللہ کا کوئی مثیل نہ اللہ ہی کا مثیل ہے "**لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ**" اللہ تعالیٰ سبحان ہے ہر قسم کے شریکوں سے پاک ہے ہر عاجزی سے بری ہے مخلوقات میں سے کسی جیسا نہیں ہر قسم کی تشبیہ سے پاک ہے "**علواً كبيراً**" ہے ہر قسم کی تمثیل سے وراء الوراء ہے جو لوگ اللہ کو ... کی طرح سمجھیں وہ مشرک ہیں اسکا کوئی کام کسی جیسا نہیں وہ خالق ہے کسی مخلوق کیساتھ اسکو تشبیہ دینیوالا کٹر مشرک ہے وہ ذات ہر ضرورت سے پاک ہے کھانا کھانے پکانے سے پاک ہے

اسکے ارادہ سے سب کچھ ہو جاتا ہے اسکو کام کرنے کی ضرورت نہ ہے اسکا ہر کام فوق الاسباب ہے وہ اسباب کا محتاج نہیں اسکے کسی کام کو کسی کی طرح کہنا

0300...9380

صریح شرک ہے!

بخاری محدث

لیکن امام بخاری اپنی صحیح میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی طرح اپنے ہاتھ سے روٹی پکا کے جنتیوں کو کھلائے گا جسطرح بندے روٹی کو ڈھال کر توے پر پکا کر اور آگ سے سینک کر دستر خوان پر رکھتے ہیں اسی طرح اللہ پاک بھی اپنے ہاتھ سے زمین کی روٹی بنا کر اور ڈھال کر دستر خوان پر رکھے گا اور ستر ہزار بہشتی مہمان کھائینگے...

"**تكون الارض يوم القيامة خبزة واحدة يتكفأها الجبار بيده كما يتكفأ احدكم خبزته في السفر نزلاً لاهل الجنة**" **الخ**... بخاری صاحب اللہ کو بندوں سے تشبیہ دے رہے ہیں شرک وکفر کے علاوہ یہ جھوٹ مستزاد ذکر کرتے ہیں کہ ساری زمین روٹی بن جائیگی اللہ فرماتا ہے "**والارض جميعاً قبضته**" اور بخاری کہتا ہے "**خبزته**" پھر قرآن بہشتیوں کی مہمانی جنات الفردوس بتاتا ہے مگر بخاری فرماتے ہیں اسی دنیا والی مٹی کی روٹی سے اللہ مہمانی کریگا "**لاحول ولا قوة الا بالله**"

(بخاری ص ۹۶۵ کتاب الرقاق باب یقبض اللہ الارض)

03000...380

۴۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث اور روٹیاں پکانا؟

سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن زمین ایک روٹی کی طرح ہو جائے گی جسے اللہ تعالیٰ اہل جنت کی میزبانی کے لئے اس طرح سمیٹ کر رکھ لے گا جس طرح تم سفر کے موقعہ پر اپنی روٹی سمیٹ کر رکھتے ہو۔"

(صحیح بخاری ج ۳ ص ۵۷۶ ح ۶۵۲۰ ترجمہ ظہور الباری اعظمی دیوبندی)

یہ حدیث صحیح مسلم (۲۷۹۲ [۷۰۵۷]) مسند عبد بن حمید (۹۶۲) شرح السنہ للبغوی (۱۱۳/۱۵، ۱۱۴ ح ۴۳۰۶ وقال: "هذا حديث متفق على صحته") البعث لابی عوانہ (اتحاف المہرۃ ۳۳۰/۵ ح ۵۴۹۱) اور التوحید لابن خزیمہ (ص ۷۳، ۷۴ ح ۹۸) میں موجود ہے۔

اس میں "يتكفؤها الجبار بيده ..." کا مطلب ہے کہ اسے جبار (اللہ) اپنے ہاتھ سے اُلٹے پلٹے گا جس طرح تم میں سے کوئی شخص دستر خوان پر روٹی کو الٹتا پلٹتا ہے۔

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ''ید'' ہاتھ کا اثبات ہے اور مثال کے ذریعے سے یہ سمجھایا گیا ہے کہ زمین گول کے بجائے چپٹی ہو جائے گی۔ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کو مخلوق سے ہرگز تشبیہ نہیں دی گئی مگر معترض نے لکھا ہے:

''لیکن امام بخاری اپنی صحیح میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی طرح اپنے ہاتھ سے روٹی پکا کے جنتیوں کو کھلائے گا....'' (ص ۲۱)

ملتانی کی یہ بات کالا جھوٹ ہے۔ حدیثِ مذکور میں اللہ تعالیٰ کا روٹیاں پکانا بالکل موجود نہیں ہے۔

اضافہ:

قرآنِ مجید کی آیت: ﴿ وَ الْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ ﴾ اور ساری زمین اللہ کے قبضے (مٹھی) میں ہوگی، اور قیامت کے دن دوبارہ زندگی کے بعد زمین کا ''خبزة واحدة'' روٹی کی طرح ہموار ہونا ایک دوسرے کے متعارض و متناقض نہیں ہے۔

تنبیہ: امام بخاری نے قبضتہ کو خبزتہ نہیں بنایا بلکہ استاذوں سے سنی ہوئی روایت ''خبزة واحدة'' بیان کر دی۔

(۵)

﴿۵﴾ قرآن مقدس

قرآن پاک میں صاف بیان ہے کہ ابوالبشر آدم علیہ السلام اور ام البشر حواء دونوں شجرہ ممنوعہ کو لیا یا استعمال کر بیٹھے دونوں شریک فعل ہوئے ''ولقد عھدنا الی آدم من قبل فنسی ولم نجد له عزما'' اور اس فعل میں زیادہ با اختیار چونکہ آدم تھے اسلئے لیا نا اس فعل کی نسبت حضرت آدم کی طرف کی گئی ہے حضرۃ حواء کا ذکر نہیں کیا گیا گویا قرآن نے حضرت حواء کا ذکر نہ کر کے انکی بے قصوری کا ذکر کیا ہے لیکن اسکے کھانے کے فعل میں دونوں شریک تھے اسلئے جنت سے نکالے جانے میں دونوں کا ذکر ہوا.....

بہر کیف ام البشر کے ذمہ مستقل طور پر کوئی الگ خطا کا ذکر قرآن میں مذکور نہ ہوا بلکہ انکا نام بھی پردے میں رکھا گیا...

بخاری محدث حضرت حوا کی توہین

امام بخاری کا رجحان چونکہ روایت پرستی کی طرف تھا اور قرآن کی طرف توجہ نسبتاً کم تھی اس لئے انہوں نے بلاتحقیق راویوں پر اعتماد کلی کر کے ام البشر حضرت حواء کو خیانت کرنیوالیوں میں ذکر کر دیا بلکہ تمام عورتوں کا خیانت کرنے میں بنیادی نکتہ آغاز حواء ہی کو ذکر کر دیا ہے اور کہا ''لولا حوا لم تخن انثی زوجھا'' اگر حواء سب سے پہلے خیانت نہ کرتی تو کوئی عورت اپنے خاوند کی خیانت دینی یا دنیوی نہ کرتی (بخاری ۳۳۶۹ کتاب الانبیاء)

بلاتحقیق راویوں پر اعتماد کلی کر کے یہی تھا کہ ان کو بھی امام بخاری بدنام اور خائن کر گئے...

۵۔ حوا علیہا السلام اور خیانت

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((ولو لا حواء لم تخن أنثی زوجھا '' اور اگر حواء نہ ہوتیں تو کوئی عورت اپنے شوہر سے خیانت نہ کرتی۔

(صحیح بخاری: ۳۳۳۰، ۳۳۹۰)

یہ روایت درج ذیل کتابوں میں بھی ہے:

صحیح مسلم (۱۴۶۸، دارالسلام: ۳۶۴۸) مسند احمد (۲/ ۳۱۵ ح ۸۱۷۰) صحیفہ ہمام بن منبہ (۵۷) صحیح ابن حبان (الاحسان: ۴۱۵۷ یا ۴۱۶۹) شرح السنۃ للبغوی (۹/ ۱۶۴ ح ۲۳۳۵ وقال: ''ھذا حدیث متفق علی صحتہ'')

اس حدیث میں خیانت سے مراد یہ ہے کہ حواء علیہا السلام نے آدم علیہ السلام کو اس درخت کا پھل کھانے پر آمادہ کیا جس درخت سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا تھا۔ یعنی اگر اس درخت کا پھل

نہ کھایا جاتا تو آدم علیہ السلام جنت سے نہ اُتارے جاتے اور نہ دنیا کی یہ خیانتیں ظہور پذیر ہوتیں۔ دیکھئے مشکلات الاحادیث النبویہ للقصیمی (ص ۱۱، ۱۲)

اس حدیث میں خیانت سے مراد فواحش کا ارتکاب نہیں بلکہ صرف یہ ہے کہ حواء نے ابلیس کے وسوسے سہواً قبول کر کے آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کر دیا پھر وہ کام ہو گیا جس کی وجہ سے جنت سے نکلنا پڑا۔ دیکھئے فتح الباری (۶/۳۶۸ ح ۳۳۳۰)

امام بخاری نے حواء علیہا السلام کو نہ خائن کہا اور نہ بدنام بلکہ ایک صحیح حدیث بیان کر دی جو اُن کی پیدائش سے پہلے دنیا میں موجود تھی۔

اضافہ:

حدیثِ مذکور قرآنِ مجید کی آیت: ﴿ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ﴾ کے خلاف نہیں ہے۔

(٦)

﴿٦﴾ قرآن مقدس

قرآن پاک میں ہے کہ حضرت خلیل اللہ نے اپنی زندگی میں باپ کے گھر سے ہجرت کیوقت باپ سے وعدہ کیا تھا کہ میں تیرے لیے دعا کروں گا چنانچہ انہوں نے دعا فرمائی بعد میں جب انکو واضح ہو گیا کہ وہ کفر پر مرا ہے ،،فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ،، تو آپ نے دعا کرنے سے برائت فرمائی اور معاملہ دعا والا ختم کر دیا اور پہلے وعدہ کیمطابق دعا ان الفاظ کیساتھ فرمائی تھی،،وَاغْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ،، اور اللہ نے بھی تصدیق کر دی کہ ابراہیم نے وعدے کے مطابق دعا تو کر دی لیکن جب انکو اس کے کفر پر پختہ رہنے کا علم ہوا تو پھر دعا کرنے سے بری ہو گئے جبکہ اسکے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے،،مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ، توبہ

03066666390

نمبر ۱۱۴) **بخاری محدث**

...لیکن عجمی راویوں کا جو قرآن پاک کی تحلیل اس رنگ میں کرنا چاہتے تھے ... قرآن پاک ایک فرسودہ کتاب شمار ہونے لگے امام بخاری کو بھی تحسیر روایت کی دھن میں یہی باور کرایا گیا کہ واقعی اللہ نے ابراہیم سے وعدہ کیا تھا کہ میں تجھے شرمسار نہ کروں گا اسلئے دن قیامت کے خلیل اللہ فرمائیں گے یا اللہ،،انک وعدتنی ولا تخزنی یوم یبعثون فای خزی اخزی من ابی،،الخ

بخاری ج۲ص۴۷۳ کتاب الانبیاء

اے رب تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ زندہ کرنے کے دن میں تجھ کو ذلیل نہ کروں گا چنانچہ اس سے بڑی ذلت اور کیا ہوگی کہ میرا باپ جہنم میں چلا جائے (لاحول ولا قوۃ الا باللہ)

قرآن میں ہے ... کہ جب سے ابراہیم کی دعا کو امام بخاری نے اللہ کا وعدہ بنا دیا حالانکہ قرآن میں کتنا صاف لکھا ہوا ہے کہ خلیل اللہ نے دنیا ہی میں اپنے باپ سے برائت کا اعلان کر دیا تھا تو قیامت میں کیسے کہہ سکتے تھے ...

٦۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کا والد آزر

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن (پدری رشتے کی وجہ سے) اپنے والد کے لئے سفارش کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے جنت کو کافروں پر حرام قرار دیا ہے پھر ابراہیم علیہ السلام کے والد کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

(صحیح بخاری: ۳۳۵۰، ۴۷۶۹، المستدرک للحاکم ۲/۲۳۸ ح ۲۹۳۶ وصححہ علیٰ شرط الشیخین ووافقہ الذہبی)

اس حدیث کے بہت سے شواہد ہیں مثلاً:

① کتاب التفسیر للنسائی (ح ۳۹۵) وسندہ حسن

② کشف الاستار فی زوائد البزار (۱/۶۶ ح ۹۷) وسندہ حسن

اس صحیح حدیث کو قرآنِ مقدس کے خلاف قرار دینا اُسی شخص کا کام ہو سکتا ہے جو قرآن اور حدیث دونوں سے تہی دامن اور کنگلا ہو۔

یہ کہنا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تو براءت کر دی تھی اس بات کے منافی نہیں ہے کہ

قیامت کے دن جب وہ اپنے والد کو دیکھیں گے تو پدری رشتے کی وجہ سے جو کہ فطری امر ہے اپنے باپ کو جہنم کے عذاب سے بچانے کی کوشش کریں گے مگر اللہ رب العالمین کے دربار میں یہ کوشش کامیاب نہیں ہوگی۔

معلوم ہوا کہ اللہ کے سامنے انبیاء اور اولیاء سب مجبور ہیں، ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے۔

(۷)

«۷» قرآن مقدس

قرآن مقدس میں صاف لکھا ہوا ہے کہ آپ ﷺ جب ابوطالب کو باصرار

دعوت ایمان دیکر اسکے ایمان سے مایوس ہو کر واپس لوٹے تو اللہ نے صاف فرمادیا «إنك لا تهدي من أحببت ولكن الله يهدي من يشاء» اور پھر آئندہ کیلئے پیش بندی کے طور پر اللہ نے رسول اللہ ﷺ اور مومنین کو سختی سے منع فرمادیا کہ «ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولي قربى من بعد ما تبين لهم أنهم أصحاب الجحيم» کہ نہ تو نبی کو لائق ہے اور نہ ہی مومنوں کو کہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں کیلئے جبکہ وہ قطعی جہنمی ہوں ان کیلئے کوئی سفارش استغفار کریں اللہ کا رسول ﷺ خود بھی ابوطالب کے ایمان سے مایوس ہو گیا اور اللہ نے بھی آئندہ کیلئے اس کیلئے شفاعت و استغفار سے منع کر دیا چنانچہ آپ ﷺ نے آیت آنے کے بعد کسی بھی مشرک کیلئے قطعاً کوئی سفارش یا استغفار نہیں فرمائی...

بخاری محدث

لیکن اللہ معاف کرے تو بڑی بات ہے ورنہ عجمی راویوں نے امام بخاری کو یوں اعتماد میں لے لیا تھا کہ آپ نے شاید کبھی قرآنی بصیرت کا خیال تک نہیں فرمایا اور وہ یوں کہ بخاری کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا «لعله تنفعه شفاعتي يوم القيامة» امید ہے کہ قیامت کے دن میری شفاعت سے اسکو نفع ہو «فيجعل في ضحضاح من النار يبلغ كعبيه يغلي منه دماغه» پس کر دیا جائیگا ابو طالب آگ کے پایاب چشمے میں اسکی آگ ٹخنوں تک پہنچے گی جس کی وجہ سے اسکا دماغ کھولے گا۔ (بخاری ۵۴۸ کتاب المناقب)

جب اللہ نے دنیا ہی میں قریبی رشتہ دار کافروں کیلئے سفارش سے منع فرمادیا تھا تو پھر قیامت کے دن آپ ﷺ نعوذ باللہ اللہ کریم سے باغیانہ سفارش کریں گے «لا حول ولا قوة»

۷۔ رسول اللہ ﷺ کے چچا ابوطالب

رسول اللہ ﷺ کے چچا ابوطالب نے ساری زندگی آپ کی زبردست حمایت کی لیکن انھیں موت کے وقت تک کلمہ پڑھنا نصیب نہ ہوا۔ یہ بات قرآن سے تو نہیں لیکن صحیح بخاری وغیرہ کی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی مجلس میں آپ کے چچا کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا: ((**لعله تنفعه شفاعتي يوم القيامة فيجعل في ضحضاح من النار يبلغ كعبيه يغلي منه دماغه** .)) ہوسکتا ہے کہ میری شفاعت انھیں قیامت کے دن نفع پہنچائے تو وہ (جہنم کی) آگ کے چھوٹے سے گڑھے میں ڈال دیئے جائیں، آگ

ان کے ٹخنوں تک پہنچے گی جس سے ان کا دماغ کھول رہا ہوگا۔ (صحیح بخاری: ۳۸۸۵، ۶۵۶۴)

یہ حدیث درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

صحیح مسلم (۲۱۰ [۵۱۳]) مسند احمد (۳/۸، ۹، ۵۰، ۵۵) مسند ابی یعلیٰ (۱۳۶۰)

صحیح ابی عوانہ (۱/۹۷، ۹۸) صحیح ابن حبان (۶۲۳۸ یا ۶۲۷۱ وسندہ صحیح)

دلائل النبوۃ للبیہقی (۲/۳۴۷)

معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے آپ کے چچا کے عذاب میں کچھ تخفیف ہو گی لیکن اس تخفیف کے باوجود اس کا دماغ آگ کی گرمی کی وجہ سے کھول رہا ہوگا۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض جہنمیوں کو دوسرے جہنمیوں کے مقابلے میں زیادہ عذاب ہوتا ہے۔ یہ بات قرآنِ مقدس کی کسی آیت کے خلاف نہیں ہے۔ قرآنِ مقدس میں جس استغفار وشفاعت سے منع کیا گیا ہے، اُس سے مراد مذکور شخص کے لئے جہنم کے عذاب کا خاتمہ اور جنت میں داخلہ ہے اور یہ دونوں باتیں ابوطالب والی حدیثِ مذکور میں مفقود ہیں قرآن وحدیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

(۸)

﴿۸﴾ قرآن مقدس

قرآن پاک کی آیت "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ" مومنوں کو رہبانیت سے روکنے کیلئے نازل ہوئی ہے یعنی دنیوی علائق سے قصداً کنارہ کش ہو کر طیبات یعنی کھانے پینے کی پاکیزہ اور لذیذ چیزوں اور صاف ستھرے اچھے کپڑے سے خود کو دور رکھ کر آبادی سے الگ تھلگ کسی غار وغیرہ میں اللہ کی عبادت میں مصروف رہنا۔ طیبات سے اس جگہ کھانے پینے کی لذیذ اور پاکیزہ چیزیں مراد ہیں

کیونکہ "كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا" فرمایا ہے اسی طرح دیگر آیات میں بھی طیبات سے مراد یہی چیزیں ہیں اسی طرح سورۃ اعراف کی آیات میں بھی طیبات آیا ہے یعنی کھانے پینے کی لذیذ اور پاکیزہ چیزیں مراد ہیں اور اسی لئے فرمایا "لا رهبانية في الاسلام"

بخاری محدث

لیکن شومئ قسمت کہ اسناد کے چکر میں پڑنے اور مفہوم قرآن کو مجبور کرنے والے رواۃ نے امام بخاری کو بھی ایسا الجھایا کہ نہ انکو قرآن کی تصریح سے آگاہی ہوئی نہ سیرت نبویہ کا پاس آیا نہ صحابہ کرامؓ کی پاک طینت کو سوچا بلکہ آنکھ بند کر بصیرت کیساتھ انہوں نے جڑ دیا کہ یہ آیت متعہ یعنی زنا کے حلال کرنے کیلئے نازل ہوئی ہے اور صحابیٔ رسول ﷺ عبداللہ بن مسعودؓ کے حصے اتنا بڑا طومار جڑ دیا کہ انہوں نے یہ آیت پڑھی ہی اس لئے تھی کہ پتہ چل جائے کہ آیت کا نزول ہی متعہ یعنی زنا کے جواز کیلئے ہوا ہے

(بخاری ۲/۶۶۴ سورۃ المائدہ)

ثم قرء يايها الذين آمنوا لا تحرموا طيبات ما احل الله لكم (یعنی متعہ) امام بخاری نے باب بھی اسی آیت پر باندھا ہے

اس کا مطلب ہے کہ امام بخاری خود بھی متعہ کے حلال ہونے کے قائل ہے۔

۸۔ کپڑے کے بدلے میں نکاح اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کرتے تھے اور ہماری بیویاں ہمارے ساتھ نہیں ہوتی تھیں تو ہم نے کہا: کیا ہم خصی نہ ہو جائیں؟ آپ ﷺ نے ہمیں اس سے منع کر دیا، پھر آپ نے ہمیں ایک کپڑے کے بدلے میں عورت سے نکاح کرنے کی اجازت دی۔ پھر انھوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی: اے ایمان والو! اللہ نے جو پاک چیزیں تمھارے لئے حلال کی ہیں انھیں حرام نہ کرو۔

(صحیح بخاری: ۴۶۱۵، ۵۰۷۱، ۵۰۷۵)

یہ حدیث درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

صحیح مسلم (۱۴۰۴ [۳۴۱۰ ـ ۳۴۱۲]) مسند الحمیدی (۱۰۰) مسند احمد (۱/۳۸۵، ۳۹۰، ۴۲۰،

۴۳۲، ۴۵۰) السنن الصغریٰ للنسائی (۷/۱۴۷، مختصراً) السنن الکبریٰ للنسائی (۱۱۱۵۰) مسند ابی یعلیٰ (۵۳۸۲) شرح معانی الآثار للطحاوی (۳/۲۴) مصنف عبدالرزاق (۷/۵۰۶ ح ۱۴۰۴۸، مختصراً) السنن الکبریٰ للبیہقی (۷/۷۹، ۲۰۰، ۲۰۱)

اس حدیث میں تین باتوں کا ذکر ہے:

① صحابۂ کرام کا خصی ہونے کی اجازت مانگنا۔

② اس کام سے رسول اللہ ﷺ کا صحابہ کو منع کر دینا۔

③ ایک کپڑے کے حق مہر کے ساتھ عورت سے نکاح کرنے کی اجازت۔

اس حدیث میں نکاح کی اجازت ہے اور اسے طیبات (پاک وحلال) میں سے قرار دیا گیا ہے۔ رہا متعۃ النکاح کا مسئلہ تو پہلے یہ جائز اور غیر حرام تھا، بعد میں اسے قیامت تک کے لئے حرام قرار دیا گیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''باب نهي النبي صلى الله عليه وسلم عن نكاح المتعة أخيرًا'' باب: نکاحِ متعہ سے نبی ﷺ کا آخر میں منع فرما دینا۔

(صحیح بخاری کتاب النکاح باب: ۳۲ ص ۹۱۵ طبع دارالسلام)

اس باب میں امام بخاری نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی ﷺ نے متعہ سے منع فرما دیا تھا۔ (ح ۵۱۱۵)

معترض کا یہ کہنا کہ ''جس کا مطلب ہے کہ امام بخاری خود بھی متعہ کے حلال ہونے کے قائل تھے۔'' (ص ۲۸) بالکل جھوٹ اور امام بخاری پر بہتان عظیم ہے۔

یاد رہے کہ متعۃ النکاح کا ترجمہ زنا کرنا غلط ہے۔

حنفیوں کے ایک ''امام'' محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی کی طرف منسوب کتاب الآثار میں لکھا ہوا ہے کہ ابوحنیفہ نے حماد سے، اُس نے ابراہیم سے، انھوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے متعۃ النکاح کے بارے میں نقل کیا: اصحابِ محمد ﷺ کو صرف ایک جنگ میں متعہ کی اجازت دی گئی تھی.... پھر نکاح، میراث اور مہر کی آیت نے اس کو منسوخ کر دیا۔'' (اردو مترجم ص ۱۹۸)

اس روایت اور دوسری روایات سے دو چیزیں ثابت ہیں:

① کچھ عرصے کے لئے متعہ جائز تھا۔

② بعد میں ہمیشہ کے لئے اسے منسوخ قرار دے کر حرام کر دیا گیا۔

لہٰذا قرآن وحدیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

(۹)

﴿۹﴾ قرآن مقدس

ایام جاہلیت میں لوگوں نے زنا کی ایک شکل بنام متعہ جائز کر رکھا تھا اسلام نے تمام رسوم قبیحہ مٹا کر جائز شکل کے ساتھ شرعا نکاح کی اجازت دی قرآن مقدس نے شرائط کے ساتھ نکاح جائز رکھا اور فرمایا **فانکحوا ما طاب لکم** اور دیگر آیات ذکر کر کے متعہ جیسی لعنت کو زنا میں داخل کیا اور فواحش کی مد میں اسکو ذکر کیا اور فرمایا

لا تقربوا الزنا۔ لا تقربوا الفواحش۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی گدھوں کا گوشت کھانے اور متعہ کے حرام ہونے کا اعلان فرمادیا آپ ﷺ نے کبھی کسی وقت بھی زنا کے جائز ہونے کی طرف اشارہ تک نہ فرمایا...

قرآن اور پیغمبر ای شان کا مشترک ملا ہیہ زنا کے حرام ہونے پر جاری ہو گیا اور نکاح کے شرائط میں بیان کر فرمایا **محصنین غیر مسافحین ولا متخذی اخدان** جس سے بالخصوص متعہ کے حرام ہونے کی بات تھی

بخاری محدث

لیکن ہوا الا اور روایت کے پجاری اخباری حضرات بڑے ذوق کیساتھ صحابہ کرام کے متعے پر قباحت بھی لگا کہ دیتے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے متعہ یعنی زنا کو حلال کر دیا اور تین دن یا اس سے زیادہ مدت کیلئے عارضی بیویوں کو خوب استعمال کرو اللہ کے رسول ﷺ نے مستقل قاصد بھیج کر عام اجازت دی کہ متعہ کرلو ۔ **لا حول ولا قوۃ۔**

بخاری صاحب چونکہ متعہ کے حلال ہونے کے قائل تھے اسلئے انہوں نے یہ بھی نقل کیا کہ بعد میں رسول اللہ نے منع بھی کر دیا تھا حالانکہ متعہ کے حرام ہونے کا آپ ﷺ نے ہی اعلان کیا تھا نہ کہ پہلے حلال کیا ہو اور بعد میں اسکو منسوخ کر دیا ہو یہ مغالطہ خود بخاری کو لعنتی راویوں کیطرف سے ہوا ہے لفظ ہیں بخاری کے **فاتانا رسول رسول اللہ فقال انہ قد اذن لکم ان تستمتعوا فاستمتعوا (بخاری ۲/۷۶۷)**

۹۔ متعۃ النکاح کی ایک اور روایت

سیدنا جابر بن عبداللہ اور سیدنا سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم ایک لشکر میں تھے کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: تمھیں متعہ کرنے کی اجازت دی گئی ہے پس متعہ کرلو۔ (صحیح بخاری: ۵۱۱۷، ۵۱۱۸)

یہ روایت درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

صحیح مسلم (۱۴۰۵[۳۴۱۳]) مسند احمد (۴/ ۴۷، ۵۱) مصنف عبدالرزاق (۷/ ۴۹۸ ح ۱۴۰۲۳) السنن الکبریٰ للنسائی (۵۵۳۹) شرح معانی الآثار للطحاوی (۳/ ۲۴) وغیرہ

سابقہ حدیث کی تشریح میں عرض کر دیا گیا ہے کہ متعہ کی اجازت منسوخ ہے اور اب قیامت تک متعۃ النکاح حرام ہے۔

صحیح بخاری (۵۱۱۷، ۵۱۱۸) کی جس حدیث کے راویوں پر معترض (منکرِ حدیث) نے لعنتی راویوں کا فتویٰ لگایا ہے (...محدث ص ۲۹) اُن کے نام درج ذیل ہیں:

① جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (مشہور صحابی)

② سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ (مشہور صحابی)

③ حسن بن محمد (بن علی بن ابی طالب) (مشہور ثقہ فقیہ تابعی)

④ عمرو (بن دینار) رحمہ اللہ (مشہور ثقہ فقیہ تابعی)

⑤ سفیان (بن عیینہ) رحمہ اللہ (مشہور ثقہ امام، تبع تابعی)

⑥ علی بن عبداللہ المدینی رحمہ اللہ (مشہور ثقہ امام)

تنبیہ: اس حدیث کو عمرو بن دینار تابعی سے امام شعبہ، روح بن القاسم اور ابن جریج نے بھی روایت کیا ہے۔ دیکھئے المسند الجامع (۱۰۱/۴ ح۲۵۱۱)

اس حدیث کے بہت سے شواہد صحیح مسلم (۱۴۰۵، ترقیم دارالسلام: ۳۴۱۸) وغیرہ میں موجود ہیں۔

(۱۰)

﴿۱۰﴾ قرآن مقدس

قرآن مقدس میں نکاح حلال کے شرائط میں یہ شرط بھی تھی کہ شادی اور پاکدامنی کا ارادہ ہو شہوت رانی اور چھپے یار بنانے کا ارادہ نہ ہو۔ کیونکہ یہ فحشاء اور زنا ہوگا چنانچہ فرمایا «مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْنَ أَخْدَانٍ» اور اگر ارادہ اس طرح نہ کیا گیا تو یہ کفر کا ایمان کے بدلے سودا ہوگا «وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ»

چنانچہ قانون قرآن کے مطابق ہی اللہ کے رسول ﷺ نے شادی کر لینے کا حکم اور اجازت دی۔

بخاری محدث نبی ﷺ کے ذمے قرآن کی مخالفت

لیکن امام بخاری آپ ﷺ کے ذمہ قرآن کی صریح مخالفت لگاتے ہیں کہ آپ نے اپنے اصحاب کو شہوت رانی کیلئے اور چھپی یاری کیلئے زنا کی یعنی متعہ کی اجازت عام دے دی تھی پھر بعد میں منسوخ کر دی...

« ایما رجل امراۃ توافقا فعشرۃ ما بینھما ثلاث لیال» (بخاری ۲/۷۶۷ کتاب النکاح)

کہ جو ایک مرد اور عورت آپس میں تن بخشی کر لیں راضی بازی ہو جائیں تین رات تک عشرہ کی یاری گزار لیں ...

کیا قرآن کی اتنی صریح مخالفت اللہ کا پیغمبر ﷺ کر سکتا ہے؟

کیا امام بخاری حلفیہ بیان دے سکتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایسا زنا جائز رکھا ہوگا؟ ایسی روایت قرآنی بصیرت کی تائید کرتی ہے یا بغاوت؟

اس سے یہی معلوم نہیں ہوتا ہے کہ روایت پرستی قرآنی بصیرت کی دشمن ہے؟

۱۰۔ متعۃ النکاح کی تیسری روایت

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا سلمہ بن الاکوع سے ایک مرفوع حدیث روایت کی جس سے متعہ کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری:۵۱۱۹)

معترض نے اس حدیث پر بھی اعتراض کر دیا ہے حالانکہ اسی حدیث کے آخر میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وقد بینه علي عن النبي ﷺ أنه منسوخ'' اور اسے علی (رضی اللہ عنہ) نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے کہ یہ منسوخ ہے۔ (صحیح بخاری:۵۱۱۹)

امام بخاری کے اس فیصلے کو معترض نے چھپا کر بدترین خیانت کا ثبوت دیا ہے۔

تنبیہ: امام محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب والی روایت المعجم الکبیر للطبرانی (۷/۲۴ ح ۶۲۶۶) وسندہ حسن) المستخرج للاسماعیلی اور المستخرج لابی نعیم الاصبہانی میں متصل سند کے ساتھ موجود ہے۔ (دیکھئے تغلیق التعلیق ۴/۴۱۲)

(۱۱)

﴿۱۱﴾ قرآن مقدس

قرآن مقدس میں نکاح کے شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ عورت کا حق

مہر مال ہونا ضروری ہے عورت کے تمتع سے فائدہ اٹھانے کیلئے ضروری ہے
کہ ایسا مال دیا جائے جسکی مالیت ہو
,,ان تبتغوا باموالکم،، اور مال بھی ایسا جسکو عرف عام میں مال کہا
جاتا ہو... ردی کاغذ کا ٹکڑا.. درخت کا گرا ہوا یا ٹوٹا ہوا کوئی پتہ... یا پھٹا پرانا
کپڑا... یا لوہے تانبے کا کوئی چھلا انگوٹھی اسکو مال نہیں کہا جاتا مال بھی وہ جو
تمتع کے بدلے عورت کیلئے نفع مند ہو اور اسکی مالیت ہو لوہے تانبے کی انگوٹھی
تو ویسے ہی حرام ہے اسکی تو اسلام میں مالیت بھی نہیں ہے...

بخاری محدث رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ

لیکن اللہ معاف فرمائے امام بخاری بے حیا راویوں پر اعتماد کلی کر کے رسول
اللہ ﷺ پر یہ جھوٹ بھی جڑ دیتے ہیں اور نص قطعی کے صریح خلاف آپ ﷺ
کے ذمہ لگاتے ہیں خدا جانے قرآن کی طرف توجہ نہیں کی یا ضروری نہیں سمجھا
کہ روایت سے پہلے قرآن کا مطالعہ کر لیتے اور صاف کہہ دیا کہ رسول اللہ
ﷺ نے ایک آدمی کو فرمایا شادی ضرور کرے خواہ لوہے کی انگوٹھی ہی کے
بدلے کیوں نہ ہو..

,,قال لرجل تزوج ولو بخاتم من حدید،،

﴿بخاری ۷۷۷ باب المھر﴾

۱۱۔ حق مہر میں لوہے کی انگوٹھی

صحیح بخاری کی ایک طویل حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک عورت نے اپنے آپ کو نبی ﷺ کے سامنے (برائے نکاح) پیش کیا پھر ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ! اگر آپ کو ضرورت نہیں تو اس سے میرا نکاح کر دیں۔ آپ نے فرمایا: اگر تمھارے پاس کوئی چیز ہے تو لے آؤ۔ اس نے کہا: میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: جا کر گھر میں دیکھو، اگرچہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔ اس نے گھر سے واپس آ کر کہا کہ کچھ بھی نہیں ہے۔ تو آپ نے قرآن سکھانے کے بدلے میں اس عورت کا اس صحابی سے نکاح کر دیا۔ دیکھئے صحیح بخاری (۵۰۳۰) وغیرہ

یہ حدیث کتاب النکاح (۵۱۵۰) میں مختصراً مذکور ہے اور صحیح بخاری کے علاوہ درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

موطأ امام مالک (۵۲۶/۲ ح ۱۱۴۱) مسند الحمیدی (۹۲۸) مسند احمد (۳۳۰/۵، ۳۳۴، ۳۳۶) صحیح مسلم (۱۴۲۵ [۳۴۸۷، ۳۴۸۸]) سنن دارمی (۲۲۰۷) سنن ابی داود (۲۱۱۱) سنن ابن ماجہ (۱۸۸۹) سنن الترمذی (۱۱۴، وقال: "ھذا حدیث حسن صحیح وقد ذھب الشافعی إلٰی ھذا الحدیث") سنن النسائی (۵۴/۶، ۹۱، ۱۱۳، ۱۲۳) منتقی ابن الجارود (۷۱۶) مسند ابی یعلیٰ (۷۵۲۲، ۷۵۳۹) شرح معانی الآثار للطحاوی (۱۷/۳) سنن الدارقطنی (۲۴۸/۳، ۲۴۹) مصنف ابن ابی شیبہ (۱۸۷/۴) مسند ابی عوانہ (۲۸۶۰، ۲۸۶۶) مستدرک للحاکم (۱۷۸/۲) کتاب الام للشافعی (۵۹/۵، ۱۶۰)

لوہے کی انگوٹھی بھی مال ہے اگرچہ بہت تھوڑا ہے لیکن قرآن نے نکاح کے لئے مال ہونے کی شرط نہیں لگائی۔ ﴿أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اموال کے ذریعے سے نکاح کرو اور اموال کے ذریعے سے زنا نہ کرو۔

دیکھئے تفسیر قرطبی (طبعہ جدیدہ ج ۱ ص ۸۴۹)

یعنی اس آیت میں زنا کے مقابلے میں نکاح پر مال خرچ کرنے کا حکم ہے لیکن یہ شرط نہیں ہے کہ ضرور بالضرور نکاح کیلئے زیادہ مال ہونا چاہئے لہٰذا اس آیت کو حدیثِ مذکور کے خلاف پیش کرنا انھی لوگوں کا کام ہے جو حدیث کو حجت نہیں مانتے اور اپنے خودساختہ مفہومِ قرآنی کو حجت بنا لیتے ہیں۔

(۱۲)

«۱۲» قرآن مقدس

قرآن مقدس میں ہے کہ قرآن کے عوض اور بدلہ میں مال دنیا لینا حرام ہے قرآن اللہ کا کلام ہے یہ مالیت سے پاک ہے مالیت دنیوی ضروریات کیلئے ہوتی ہے اور قرآن محض دین ہے اگر کسی کو چند سورتیں یا آیات یاد ہوں تو خود اس کے فائدہ کیلئے ہوتی ہیں دوسرے کی طرف اسکا فائدہ منتقل نہیں ہوسکتا اور کسی دنیوی مال ونفع کے بدلے وہ نہیں ہوسکتیں اسی لئے فرمایا گیا کہ ﴿قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾۔ یعنی قرآن کی تبلیغ کے بدلے میں مال نہیں مانگتا ہاں رشتہ داری کا حق مانتا ہوں کہ قرآن قبول کرو یعنی قرآن پر میری مزدوری صرف یہ ہے کہ تم قرآن کو قبول کرو...

بخاری محدث

لیکن امام بخاری روایت درج کتاب کرتے ہوئے شاید غیر شعوری حالت میں تھے یا قرآن پہ روایت کو لٹ کرنا ضروری خیال نہیں کرتے تھے کہ آؤ دکھا دیتا ہوں... یہ دیا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک شخص کو کہا کہ جو سورتیں قرآن کی تجھ کو یاد ہیں جاؤ میں نے ان کے بدلے تیری اس عورت کیساتھ شادی کردی اور ایک جگہ لکھا کہ جاؤ ہم نے ان سورتوں کے بدلے اس عورت کا مالک بنا دیا تجھ کو عورت کے بضع کے بدلے... قرآن مقدس دیا گیا یہی دین اسلام ہے؟ کیا اس طرح آپ ﷺ نے کیا ہوگا؟ یا بے حیا ابو حازم راوی کی بکواس ہوگی جس نے یہ سارا قصہ گھڑ کر آپ ﷺ کے جبین مقدس پر لگا دیا، "فقال فقد زوجتكها بما معك من القرآن.. قال اذهب فقد انكحتكها بما معك من القرآن"

(بخاری ۷۷۷ کتاب النکاح)

۱۲۔ حق مہر میں تعلیمِ قرآن

سابقہ حدیث کی تحقیق میں ثابت کر دیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک صحابی کا نکاح اس بنا پر کر دیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو قرآن سکھائیں گے۔ اس صحیح حدیث کو امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور بہت سے محدثینِ کرام نے بیان کیا اور صحیح قرار دیا ہے اور کسی نے بھی اس پر جرح نہیں کی۔ امام شافعی نے اس حدیث کے مطابق فتویٰ دیا ہے مگر معترض کہتا ہے: "یا بے حیا ابو حازم راوی کی بکواس ہوگی جس نے یہ قصہ گھڑ کر آپ ﷺ کے جبین مقدس پر لگا دیا" (...محدث ص ۳۴)

مشہور ثقہ تابعی ابو حازم سلمہ بن دینار المدنی رحمہ اللہ کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

۱۔ امام احمد بن حنبل نے کہا: ثقہ (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۱۵۹/۴، وسندہ صحیح)

۲۔ ابو حاتم الرازی نے کہا: ثقہ (ایضاً)

۳۔ امام یحییٰ بن معین نے کہا: مشهور مدني ثقة (التاریخ الکبیر لابن ابی خیثمہ ص ۴۱۱، وسندہ صحیح)

۴۔ احمد بن عبداللہ العجلی نے کہا: مدني تابعي ثقة رجل صالح (تاریخ العجلی: ۶۴۱)

۵۔ ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کر کے کہا: وہ مدینے والے عبادت گزار زاہدوں کے قاضیوں (یا واعظوں) میں سے تھے، سلیمان بن عبدالملک (اموی خلیفہ) نے انھیں بلانے کے لئے (امام) زہری کو بھیجا۔ زہری نے کہا: امیر کی دعوت قبول کریں۔ انھوں (ابوحازم) نے فرمایا: مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ان کے پاس جاؤں، اگر انھیں کوئی ضرورت ہے تو وہ میرے پاس آئیں۔ (ج ۴ ص ۳۱۶)

۶۔ سفیان ثوری نے کہا: ''رحم الله أبا حازم'' اللہ ابوحازم پر رحم کرے۔

(کتاب العلل ومعرفۃ الرجال للامام احمد ۳۷۳/۲ فقرہ: ۲۶۵۹ وسندہ صحیح)

۷۔ ابن سعد نے کہا: ''وكان عابدًا زاهدًا'' اور وہ عابد زاہد تھے۔

(تاریخ دمشق لابن عساکر ۱۵/۲۴، وسندہ حسن)

۸ تا ۱۱۔ بخاری، مسلم، ترمذی اور ابن الجارود وغیرہم نے ابوحازم کی حدیث کو صحیح قرار دے کر انھیں ثقہ وصدوق قرار دیا ہے۔ کسی محدث نے ابوحازم رحمہ اللہ پر جرح نہیں کی مگر معترض انھیں گالیاں دے کر اپنی باطنی خباثت عیاں کر رہا ہے۔ نیز دیکھئے حدیث: ۳۴

(۱۳)

﴿۱۲﴾ قرآن مقدس

قرآن وسنت سے پاک پانی یا پاک مٹی کے بغیر وضو اور طہارت نہیں ہو سکتی ماء طہور کے بغیر طہارت حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ طہارت و وضو کیلئے جو پانی استعمال ہو چکا ہو دوبارہ اسی مستعمل پانی سے بھی وضو نہیں ہو سکتا قرآن میں فرمایا، **اِنْ لَّمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا**، اگر پاک پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی سے وضو کر لو یعنی تیمم کر لو جب وضو کے قائم مقام تیمم میں پاک مٹی ضروری ہوئی تو پھر اصل یعنی وضو میں پاک پانی ضروری کیوں نہ ہوگا ......

بخاری محدث

لیکن امام بخاری نے باب، الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان اور سور الکلاب، کا اکٹھا باندھ کر لکھا ہے....

03068658390

(قال الزهری اذا ولغ الکلب فی اناه لیس له وضوء طهوره یتوضاء به) امام بخاری کا استاذ امام زہری کہتا ہے کہ کتے کے جھوٹے پانی سے وضو ہو سکتا ہے اور زہری جو اکثر علماء اسلام کی تحقیق میں عموماً اور اہل تشیع علماء کے نزدیک خصوصاً شیعہ اور بھگو باز بھی ہے اس پر امام بخاری اتنے عاشق ہیں کہ انکے قول کو اپنا مذہب بنا کر درج کرتے ہیں اور معرض قبول میں ذکر کرتے ہیں کوئی تردید نہیں کرتے پھر اپنی کتاب الجامع المسند الصحیح بخاری کے خلاف زہری کے قول پر اکتفاء کرتے ہیں حالانکہ قوم سے وعدہ کیا تھا کہ میری کتاب میں صرف مسند اور صحیح احادیث ہونگی۔ بخاری کے اس صنیع سے واضح ہوا کہ انکا اصل مسلک یہی ہے جو زہری سے نقل کر کے کتاب میں محفوظ رکھا ہے (**بخاری ۱/۲۹**) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام بخاری کا اصل مشن روایات کا ڈھیر لگانا ہے قرآن میں بصیرت حاصل کرنا یا قرآن کو مقدم رکھنا انکے زاویہ خیال میں بھی نہ ہے اسی لئے وعدہ کرتے ہیں المسند الصحیح کا۔ لیکن کتاب کو اقوال رجال سے بھر دیا ہے پھر آگے اتنا نسیان شیطان لاحق ہوا کہ انکو یہ بھی خیال نہیں آیا کہ میں کتاب میں یہ بھی لکھ چکا ہوں **(اذا شرب الکلب فی اناء احدکم فلیغسله سبعا) بخاری ۱/۲۹**

کتے کا جوٹھا برتن جب تک پانی سے سات مرتبہ نہ دھو لیا جائے تب تک پلید ہی رہیگا... پھر تعجب ہے کہ جب برتن پاک پانی کے بغیر پاک نہیں ہو سکتا تو پھر نجس اور پلید پانی سے متوضی کس طرح پاک ہوگا جبکہ کتے کا جوٹھا پانی نہ طاہر ہے نہ مطہر.. **فوا اسفا علی بصرة البخاری**

۱۳۔ کتے کے جوٹھے سے وضو

اس پر اتفاق ہے کہ پاک پانی سے وضو کرنا چاہئے اور اگر پاک پانی نہ ملے تو پھر پاک مٹی سے تیمم کر لینا چاہئے۔ امام بخاری نے تعلیقاً امام زہری سے نقل کیا ہے کہ اگر پانی نہ ملے تو کتے کے جوٹھے پانی سے وضو کر لیں۔

(صحیح بخاری کتاب الوضوء باب الماء الذي يغسل به شعر الانسان قبل ح ۱۷۰)

امام زہری کی طرف منسوب یہ قول حافظ ابن عبدالبر کی کتاب التمہید (۱۸/۲۷۴، ۲۷۵، دوسرا نسخہ ۲/۲۱۰) اور تغلیق التعلیق (۲/۱۰۸) میں صحیح سند کے ساتھ "ولید بن مسلم عن

الأوزاعي وعبدالرحمٰن بن نمر أنهما سمعا الزهري '' کی سند سے مروی ہے۔

ولید بن مسلم مشہور ثقہ مدلس ہیں اور یہ روایت غیر مصرح بالسماع ہے لہٰذا زہری سے ثابت نہیں ہے۔ تاہم یہ ثابت ہے کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ نے اس قول کو بعینہ فقہ قرار دیا۔

اگر اس قول کو ثابت مانا جائے تو معلوم ہوا کہ امام زہری اور امام سفیان ثوری کے نزدیک کتے کا جوٹھا پاک ہے لیکن یاد رہے کہ یہ قول غلط ہے اور صحیح یہ ہے کہ کتے کا جوٹھا پاک نہیں ہے۔ اجتہادی مسائل میں سلف صالحین پر لعن طعن نہیں کرنا چاہئے۔

حنفیوں میں سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ کتے کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے اور یہ کہ کتا اُٹھا کر نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ اس کا منہ بندھا ہوا ہو۔ وغیرہ

سفیان ثوری کا قول ہو یا حنفیوں کے یہ اقوال، یہ سب صحیح احادیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہیں۔

معترض نے لکھا ہے: ''اور زہری جو اکثر علماء اسلام کی تحقیق میں عموماً اور اہل تشیع کے نزدیک خصوصاً شیعہ اور پھکڑ باز ہے'' (...محدث ص ۳۴)

یہ سارا بیان جھوٹ اور افتراء پر مبنی ہے کیونکہ امام زہری کو علمائے اسلام میں سے کسی ایک نے بھی شیعہ یا پھکڑ باز نہیں کہا بلکہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن شہاب (زہری) ایسے دور میں باقی رہے جب دنیا میں ان جیسا کوئی بھی نہیں تھا۔

(الجرح والتعدیل ج ۸ ص ۷۲ وسندہ صحیح)

امام ایوب السختیانی نے کہا: میں نے زہری سے بڑا کوئی عالم نہیں دیکھا۔

(الجرح والتعدیل ۷۳/۸، العلل للامام احمد: ۱۰۳/۱۰۷، تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی: ۹۶۱ وسندہ صحیح)

امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز الاموی نے فرمایا: تمھارے پاس زہری جو کچھ سند کے ساتھ لے کر آئیں تو اسے مضبوطی سے پکڑ لو۔ (تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی: ۹۶۰ وسندہ صحیح)

امام زہری کو عجلی، ابن حبان، بخاری، مسلم، ابن خزیمہ، ابن الجارود، ابوعوانہ اور ترمذی وغیرہم نے ثقہ اور صحیح الحدیث قرار دیا ہے۔ ان پر اہلِ سنت کے کسی عالم نے کوئی جرح نہیں کی لہٰذا

معلوم ہوا کہ اُن کے ثقہ ہونے پر اجماع ہے۔ دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۲۷ص ۶۰ ۔ ۶۳
حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ''**متفق علی جلالته و اتقانه**'' ان کی جلالتِ شان اور ثقہ ہونے پر اتفاق (اجماع) ہے۔ (تقریب التہذیب: ۶۲۹۶)
شیعہ رافضیوں کی کتاب تنقیح المقال میں لکھا ہوا ہے کہ ''**کان الزهري من المنحرفین عنه یعني علیاً**'' زہری امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین میں سے تھے۔

(ج ۳ص ۱۸۷، ماہنامہ الحدیث: ۳ص ۴۳)

شیعوں کی یہ بات اور معترض کا افتراء دونوں ہی جھوٹ اور بہتان ہیں۔

(۱٤)

﴿۱٤﴾ قرآن مقدس

قرآن مقدس سیرت رسول ﷺ اجماع صحابہؓ وتابعینؒ ائمہ مجتہدینؒ اور تمام امت اس پر متفق ہیں کہ پیشاب کسی انسان کسی جاندار کا ہو وہ ناپاک اور پلید ہوتا ہے کوئی ایک اشارہ تک شرع اسلام میں ایسا نہیں پایا جاتا جس میں پیشاب کو پاک کہا گیا ہو خواہ وہ نبی اللہ ﷺ کا کیوں نہ ہو کپڑے پر لگ جائے بدن پر لگ جائے جبتک اسے دھوکر بے نشان نہ کردیا جائے پلید ہی رہیگا کسی جگہ پر پیشاب کا اثر ظاہر ہو تو اس جگہ نماز نہیں ہوسکتی....

بخاری محدث

امام بخاری باب باندھتے ہیں ،،باب الصلوٰۃ فی الجبۃ الشامیۃ،،
لیکن اسکے تحت اپنے امام استاذ حدیث جناب زہری کا فعل بلا نکیر ذکر فرماتے ہیں بذریعہ معمر راوی کے کہ (قال معمر رأیت الزہری یلبس من ثیاب الیمن ما صبغ بالبول)(۲/۵۲)

یمن کے یہودی اور مجوسی جس کپڑے کو نجس پیشاب کے ساتھ رنگا کرتے تھے جناب زہری صاحب وہی کپڑے پہنا کرتے تھے (انہی کپڑوں میں نماز وغیرہ عبادات بھی کرتے تھے)
لیکن امام بخاری کو زہری پر اتنا اعتقاد ہے کہ بطور تبرک کے بھی زہری کا قول وفعل ضرور نقل کرکے خاموش گزر جاتے ہیں گویا کہ انکا مذہب بھی یہی ہے جو زہری کا ہے جیسے رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل کو قبول کیا جاتا ہے ذرہ برابر بھی اس کے خلاف کوئی لفظ نہیں کہتے اب بخاری کی صفائی کون دینے کیلئے تیار ہوگا....

۱۴۔ امام زہری کا ایک قول

یمن میں بعض کپڑے ایسے تیار کئے جاتے تھے جنھیں پیشاب سے رنگا جاتا تھا۔ امام عبدالرزاق نے معمر سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: زہری یمن کے وہ کپڑے پہنتے تھے جنھیں پیشاب سے رنگا جاتا تھا۔

(صحیح بخاری قبل ح ۳۶۳، مصنف عبدالرزاق ۳۸۳/۱ ح ۱۴۹۶، تغلیق التعلیق ۲۰۷/۲)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: یہ اس پر محمول ہے کہ وہ اس کپڑے کو پہننے سے پہلے دھوتے تھے۔

(فتح الباری ۴۷۴/۱ ح ۳۶۳)

اگر کافروں کے بنے ہوئے کپڑوں کو دھوکر پہنا جائے تو اس میں قرآنِ مجید کی کس آیت کی مخالفت ہوتی ہے؟

(۱۵)

﴿۱۵﴾ قرآن مقدس

قرآن مقدس میں صحابہ کرام کو ایمان کا معیار بتایا گیا ہے ”فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا“ اور ان کیلئے اللہ نے خاص طور پر ایماندار ہونے کا پروانہ نازل کر دیا فرمایا ”اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا“ تاکہ وہ علی خبر من اللہ اپنے ایماندار ہونے پر یقین کیساتھ زندگی گزاریں اور پھر اصحاب رسول ﷺ کو ہی یہ پروانہ نازل کر کے بتا دیا ”اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ“ کہ یہ میرے فوجی اور میرا گروہ ہے تا کہ انکو اپنے متعلق یقین

03066659390

ہو کہ ہمارے ایمان کو محفوظ رکھنے کی ذمہ داری خود اللہ نے لے رکھی ہے...

بخاری محدث صحابہ پر نفاق کا فتویٰ

لیکن بخاری محدث کسی اندر کے روگی راوی پر کلی اعتماد کر کے اپنی کتاب میں یہ لکھ رہے ہیں کہ ”ادرکت ثلثین من اصحاب النبی ﷺ کلھم یخاف النفاق علی نفسه“

(بخاری ۱/۲۹)

کہ میں نے تیس اصحاب رسول (اور وہ بھی جلیل القدر اصحاب) کو ایسی حالت میں پایا ہے کہ تمام کے تمام اس سے ڈرا کرتے تھے کہ کہیں ہم منافق نہ ہوں ”لا حول ولا قوۃ“

کیا ام المومنین عائشہ صدیقہؓ اور انکی ہمشیرہ اسماءؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ مثل عبداللہ ابن عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہم بطل جلیل اور رجال رسول ﷺ جو عادات نبویہ پر عمل کرنا بھی عبادت خیال کرتے ہوں اور جن کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت بھی دیدی تھی اور جو اعوان نبی بھی تھے اور جن کیلئے ”حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ“ اور ”كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ“ تک اللہ نے خود سنائی پیش کر دی تھی بلکہ ”اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى“ جنکی طبی

03066659390

سرشت ہو چکی ہو کیا ایسے لوگ بھی اس قسم کے خطرہ کا شکار ہو سکتے تھے تعجب تو بخاری پر ہے کہ انہوں نے کن دشمن بے دین وجہ اصحاب کرام کی حیثیت مرتبہ کو واضح اور کرنے والوں اور منافق راویوں کے سینہ بسینہ ہو کر قرآن سے اتنی بے اعتنائی برتی کہ اہل رفض کے چھپے انداز میں ہمنوا بن جانے کا خیال بھی نہ کیا۔ تابعین میں کثرت کیساتھ غلو و رفض پایا جاتا تھا خدا معلوم کس شیعہ نواز راوی نے اندر کی مرض صحابہ پر انڈیل دی اور بخاری صاحب شیعہ نوازی میں اس کے ساتھ ہو گئے۔

اس قسم کی خرافات سے تو شیعہ و شیعہ نوازوں کا انکو اس ہی ثابت ہو رہا ہے کہ اصحاب رسول ﷺ اکثر منافق تھے جو وفات نبوی کے بعد مرتد ہو گئے ”نعوذ باللہ من ھذہ الخرافة“

۱۵۔ صحابۂ کرام کی تواضع اور عاجزی

اس میں کوئی شک نہیں کہ صحابۂ کرام سارے کے سارے جنتی ہیں اور ایمان وتقویٰ کے اعلیٰ درجات پر متمکن ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ اپنے اس مقام پر کسی قسم کے تکبر کا اظہار کرتے تھے بلکہ یہ ثابت ہے کہ عاجزی، تواضع اور انکساری اُن کا شعار تھا۔

سیدنا یونس علیہ السلام نے کہا: ﴿اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ (الانبیآء: ۸۷)

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ﴿فَعَلْتُهَآ إِذًا وَّأَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ﴾ (الشعراء: ۲۰)

سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ((نافق حنظلة)) (صحیح مسلم: ۲۷۵۰، دارالسلام: ۶۹۶۶)

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں منع فرمادیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت ایک انصاری جوان نے انھیں کہا: اے امیر المومنین! آپ کو بشارت ہو...تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! کاش میں برابر برابر چھوٹ جاؤں، نہ عذاب ہو نہ ثواب ہو۔ (صحیح بخاری: ۱۳۹۲)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے وفات کے وقت کہا: میں چاہتی ہوں کہ میں بھولی بھلائی ہوتی۔

(کتاب المحتضرین لابن ابی الدنیا: ۲۱۷ وسندہ حسن)

عمرو بن سلمہ (الہمدانی) سے روایت ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں چاہتی ہوں کہ میں ایک درخت ہوتی، اللہ کی قسم! میں چاہتی ہوں کہ میں مٹی کا ڈھیلا ہوتی۔

(طبقات ابن سعد ۷۴/۸ وسندہ صحیح علیٰ شرط مسلم)

اسی میں سے مشہور تابعی ابن ابی ملیکہ کا قول ہے کہ میں نے تیس صحابہ کو پایا ہے، ان میں سے ہر آدمی کو اپنے آپ پر نفاق کا خوف تھا، ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا تھا کہ وہ جبریل اور میکائیل کے ایمان پر ہے۔ (صحیح بخاری قبل ح ۴۸)

یہ قول درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

تاریخ ابن ابی خیثمہ (تغلیق التعلیق ۵۲/۲) کتاب الایمان لمحمد بن نصر المروزی، تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی، التاریخ الکبیر للبخاری (۱۳۷/۵ ت ۴۱۱) السنۃ للخلال (ص ۶۰۷، ۶۰۸ ح ۱۰۸۱)

اس قول کی دو سندیں ہیں: ایک میں صلت بن دینار متروک ناصبی ہے اور دوسری میں سفیان ثوری و ابن جریج دونوں مدلس ہیں لہٰذا یہ قول ثابت ہی نہیں ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے تو سابقہ روایات کے مطابق تواضع اور عاجزی پر محمول ہے۔

تنبیہ: یہ قول صحیح بخاری کے نام اور موضوع سے خارج ہے لہٰذا اس کا ضعیف ہونا چنداں مضر نہیں ہے۔

(۱۶)

﴿۱۶﴾ قرآن مقدس

قرآن مقدس میں غیر اسلامی اور غیر ضروری اشیاء کی بحث وتجسس میں پڑنے
ت اللہ کریم نے منع فرمادیا اور فرمایا، **لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ**، مثلاً یہ پوچھنا کہ یا حضرت میرے باپ کا کیا نام تھا یا میرا
باپ مر کیا تھا جہنم میں ہے یا جنت میں وغیرہ وغیرہ
یعنی سوال مت کیا کرو کیونکہ یہ تمہارے نقصان میں ہوگا...

03086659380

بخاری محدث

لیکن بخاری صاحب جنکی نظر صرف روایات کے کثیر ذخیرہ کیطرف تھی قرآن
سے صرف نظر کرتے ہوئے کسی لعنتی راوی کی اتباع میں آکر صحابی رسول ﷺ
کے متھے جھوٹ کا نکہ لگاتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے کہا **نهينا في القرآن ان نسأل النبي ﷺ**۔ (بخاری ۱/۱۵)
کہ اللہ نے ہمکو قرآن میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کرنا منع کر دیا ہے
حالانکہ یہ صریح جھوٹ ہے اور بہتان بلکہ قرآن پاک میں اللہ کریم نے تاکید
کیساتھ فرمایا، **فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ** تو
اللہ کے رسول سے زیادہ اہل الذکر اور کون ہے؟ اور قرآن میں اپنے بیگانے
سے متعلق کثرت کیساتھ آیا ہے کہ **يَسْئَلُوْنَكَ** تو کیا اپنے صحابی کو
آپ ﷺ نے منع کر دیا تھا کہ بیگانے تو سوال کریں اپنے نہ کریں؟ احادیث
میں صحابہؓ کے سوال کثرت کیساتھ رسول اللہ ﷺ سے مذکور ہوئے ہیں
حالانکہ قرآن میں مطلق سوال سے قطعاً منع نہیں کیا گیا روایت کے الفاظ مطلق
ہیں جو سراسر جھوٹ ہے صحابہ کرامؓ کو بدنام کرنے کیلئے گھڑ لئے گئے ہیں بلکہ
اللہ نے تو فرمایا تھا کہ غیر اسلامی غیر ضروری نبی پاک ﷺ سے پوچھ گچھ نہ کیا
کرو اور وہ بھی اسلئے تاکہ خود تمکو تکلیف نہ ہو، **لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ**

03086659380

اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ، ورنہ دین سے متعلق تو آپ سے سوال کرنا
یہ ہی ان کا فرض تھا جو انہوں نے بے دھڑک سوالات کئے اور آپ ﷺ
نے جوابات دیے اور انکے لئے وہ جوابات تسلی خاطر ہے...
معلوم ہوتا ہے بخاری صاحب کا اصل مقصود روایات کا جمع کرنا تھا قرآن
کی طرف خاص توجہ کرنا انکا مشغلہ نہ تھا ورنہ راوی کے الفاظ کو عبارۃ قرآن پر
پرکھ لیتے...

۱۶۔ کثرتِ سوالات سے ممانعت

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں قرآن میں منع کر دیا گیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کریں تو ہم یہ پسند کرتے کہ باہر سے کوئی عقل مند آدمی آئے اور ہم سنیں....الخ

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵ ح ۶۳/۲)

اس حدیث کو امام بخاری نے موسیٰ بن اسماعیل سے انھوں نے سلیمان بن المغیرہ سے انھوں

نے ثابت سے انھوں نے انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔
صحیح بخاری کے علاوہ یہ حدیث درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:
صحیح مسلم (۱۲، دارالسلام: ۱۰۲) سنن الترمذی (۶۱۹ مختصراً وقال: ھذا حدیث حسن غریب)
سنن النسائی (۱۲۱/۴ ح ۲۰۹۳) مسند احمد (۱۹۳،۱۴۲/۳) مستخرج ابی عوانہ (۳،۲/۱)
صحیح ابن حبان (۱۵۵) مصنف ابن ابی شیبہ (۱۰،۹/۱۱) وکتاب الایمان لہ (۵)
مسند عبد بن حمید (۱۲۸۹) سنن الدارمی (۶۵۶) اور شرح السنۃ للبغوی (۴ وقال: ھذا حدیث صحیح)
ان سب کتابوں میں یہ حدیث بہت سے راویوں کی سند کے ساتھ سلیمان بن مغیرہ عن ثابت عن انس رضی اللہ عنہ مروی ہے۔ان تینوں راویوں کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

① سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔
② ثابت بن اسلم البنانی رحمہ اللہ ثقہ عابد اور مشہور تابعی ہیں۔(دیکھئے تقریب التہذیب: ۸۱۰)
③ سلیمان بن مغیرہ القیسی البصری ثقہ ثقہ اور مشہور تابعی ہیں۔(دیکھئے تقریب التہذیب: ۲۶۱۲)

معلوم ہوا کہ یہ سند بالکل صحیح ہے لیکن معترض کہہ رہا ہے "کسی لعنتی راوی کی اینچ میں آکر صحابی رسول کے متھے جھوٹ کا ٹکہ لگاتے ہیں...." (...محدث ص ۳۹)
جو شخص سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے مشہور شاگرد ثابت البنانی رحمہ اللہ کو لعنتی سمجھتا ہے وہ بذاتِ خود بہت بڑا گمراہ اور لعنتی ہے۔یاد رہے کہ حدیثِ مذکور کسی آیت کے خلاف نہیں ہے۔والحمدللہ

(۱۷)

﴿۱۷﴾ قرآن مقدس

قرآن مقدس نے صحابہ کرامؓ کا دربار الٰہی میں محبوب ہونیکا ایک شعبہ یہ بھی بیان ہوا ہے کہ "یحبون ان یتطھروا" اور کافر و منافق کے نا پسندیدہ ہونے کا ایک شعبہ یہ بھی ذکر کیا ہے کہ وہ مثال حدیث من قوم الی قوم یعنی دو باجرے ہیں اور چغلخور ہیں "مشاء بنمیم" ہیں اور انکے برعکس صحابہ کا مزکیٰ ہونا بیان کیا ہے کہ اللہ کا پیغمبر ﷺ "یزکیھم" انکو پاک کر رہا ہے اب ان میں کسی قسم کی پلیدی نہیں ہے نہ ظاہری اور نہ باطنی اور اللہ نے بھی صاف فرما دیا "ولکن یرید ان یطھرکم" تو اللہ کا ارادہ پورا ہوا اور وہ ہر طرح پاک ہو گئے...

بخاری محدث

لیکن بخاری محدث نے بڑے زور سے ایک جھوٹی روایت قرآن کے صریح خلاف نقل کر دی ہے جس سے صحابہ کرامؓ کو بدنام کیا جا سکتا ہے اور قرآن کیخلاف منافق مشرک کیلئے آپ ﷺ کا استغفار اور سفارش کرنا ثابت ہوتا ہے فرماتے ہیں کہ "باب من الکبائر ان لا یستتر من بوله" اس میں کہا کہ آپ ﷺ کا دو قبروں پر گزر ہوا ان دونوں میں دو انسانوں پر عذاب ہو رہا تھا تو فرمایا انکو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے گناہ کے بدلے نہیں ہو رہا پھر فوراً ہی فرمایا "بلیٰ" کیوں نہیں واقعی بہت بڑے گناہ کیوجہ سے انکو عذاب ہو رہا ہے اور وہ بڑے کبیرہ گناہ یہ ہیں۔ ایک تو پیشاب سے اپنا بدن اور کپڑے نہیں بچاتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا پھر آپ ﷺ نے ایک چھڑی چیر کر دو حصے کر کے دونوں قبروں پر رکھ دی اور پوچھنے پر فرمایا امید ہے کہ انکے خشک ہونے سے پہلے ان پر سے عذاب اٹھا لیا جائیگا

(بخاری ۱/۳۵)

اب سوال یہ ہے کہ وہ دو انسان کون تھے اور کیا تھے اگر وہ دونوں جاہلی کافر و منافق تھے تو قرآن کی نص قطعی کیخلاف جو آپ ﷺ کو منع کر رہی تھی آپ ﷺ نے انکے لئے سفارش کس طرح فرمائی؟

اور اگر یہ دونوں انسان مسلمان تھے تو صحابی رسول ﷺ کے علاوہ کوئی دوسرا کون ہو سکتا ہے اگر واقعی صحابہ میں سے تھے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ جن صحابہ کرامؓ کی تربیت آپ ﷺ نے کی تھی انکے اندر یہ دونوں کبیرہ گناہ اور وہ بھی ساری زندگی رہے ہوں۔

روایت کے جھوٹے ہونے کی اس سے زیادہ مبین دلیل اور کیا ہوگی بات وہی ثابت ہوئی کہ بخاری کا مطمح نظر صرف روایات کا اکٹھا کرنا تھا قرآنی بصیرت انکا مشغلہ نہ تھا...

۱۷۔ چغل خوری اور پیشاب کے قطروں سے نہ بچنے پر عذاب

بہت ہی مشہور حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے پھر آپ نے فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے: ایک چغل خور تھا اور دوسرا پیشاب کے قطروں سے نہیں بچتا تھا۔ (صحیح بخاری: ۲۱۶، ۲۱۸، ۱۳۶۱، ۱۳۷۸، ۶۰۵۲، ۶۰۵۵)

یہ حدیث درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

صحیح مسلم (۲۹۲) مسند احمد (۱/۲۲۵ ح ۱۹۸۰، ۱۹۸۱) مسند عبد بن حمید (۶۲۰) سنن دارمی

(۷۴۵) سنن ابی داود (۲۰) سنن ابن ماجہ (۳۴۷) سنن الترمذی (۷۰ وقال: ھذا حدیث حسن صحیح) سنن النسائی (۱/۲۸ ح ۳۱، ۴/۱۰۶ ح ۲۰۷۰، ۲۰۷۱) صحیح ابن خزیمہ (۵۵، ۵۶) صحیح ابن الجارود (۱۳۰) صحیح ابی عوانہ (۱/۱۹۶) صحیح ابن حبان (۳۱۱۸، ۳۱۱۹)

مصنف ابن ابی شیبہ (۱/۱۲۲، ۲/۳۷۶۔ ۳۷۷، ۳/۳۷۵) الشریعۃ للآجری (ص ۳۶۲) الزہد لہناد بن السری (۳۶۰، ۱۲۱۳) شرح السنۃ للبغوی (۱/۳۷۰، ۳۷۱ ح ۱۸۳، وقال: ھذا حدیث متفق علیٰ صحتہ)

اسے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے طاؤس نے، اُن سے مشہور مفسر قرآن مجاہد بن جبر نے روایت کیا ہے۔ طاؤس بن کیسان ثقہ فقیہ فاضل اور مشہور تابعی تھے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۳۰۰۹)

مجاہد ثقہ امام فی التفسیر والعلم اور مشہور تابعی تھے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۶۴۸۱)

یہ ایسی صحیح حدیث ہے جس پر منکرینِ عذابِ قبر کا ''امام'' ڈاکٹر مسعود عثمانی بھی جرح نہ کر سکا تھا مگر صد افسوس کہ معترض منکرِ حدیث نے بغیر کسی دلیل کے اسے ''جھوٹی روایت'' قرار دیا ہے۔ (...محدث ص ۴۱)!

(۱۸)

﴿۱۸﴾ قرآن مقدس

قرآن مقدس میں صراحت کیساتھ موجود ہے کہ قرآن کو ناپاک آدمی ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ ﴿لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾۔ نیز احادیث صحاح بھی تصریح کر رہی ہیں کہ قرآن کی تلاوت ناپاک بدن سے نہیں کی جاتی اور خاص کر جنبی آدمی تو قرآن کی تلاوت یا ہاتھ نہیں لگا سکتا۔

بخاری محدث جنبی قرآن کی تلاوت

لیکن بخاری صاحب بڑی دلیری سے کہتے ہیں کہ ﴿ولم یر ابن عباس بالقراءة للجنب باسا﴾ بخاری ۱/۴۴

کس راوی سے سن کر بخاری صاحب یہ بیان دیتے ہیں کہ ابن عباس جنبی آدمی کو قرآن پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں ...کوئی سند پیش کی ہے یا کسی صریح بازو..... کی ایچ پر ایسا لکھ دیا ہے! کم از کم صحابہ کرام کو تو معاف کر دیتے یک مسئلہ کے اثبات کیلئے یہ قول نقل کر دیا ہے گویا امام بخاری کا یہی مذہب ہے ورنہ کیوں ذکر کیا؟

۱۸۔ جنبی اور قرآن کی تلاوت

اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ جنبی حالتِ جنابت میں قرآن کی تلاوت کر سکتا ہے یا نہیں؟ راجح یہ ہے کہ تلاوت نہیں کر سکتا مگر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ جنبی تلاوت کرے۔ (صحیح بخاری قبل ح ۳۰۵ تعلیقاً)

یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں "حدثنا الثقفي عن خالد عن عكرمة عن ابن عباس" کی سند موجود ہے۔ (دیکھئے تغلیق التعلیق ۲/۱۷۱، اور عمدۃ القاری للعینی ۳/۲۷۴)

یہ سند صحیح ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ (۱/۱۰۲ ح ۱۰۸۹، دوسرا نسخہ ۱/۱۸۸، ۱۸۹ ح ۱۰۹۵) کے مطبوعہ نسخوں سے عکرمہ کے بعد "عن ابن عباس" کا واسطہ گر گیا ہے۔

امام محمد بن علی الباقر رحمہ اللہ کے نزدیک بھی حالتِ جنابت میں ایک دو آیتیں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۰۲ ح ۱۰۸۸، وسندہ صحیح)

یہ فتویٰ کسی آیت کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس حسن روایت کے خلاف ہے جس میں حالتِ جنابت میں قراءتِ قرآن کی ممانعت ہے۔

﴿**لا یمسه الا المطهرون**﴾ میں **مطہرون** سے مراد ملائکہ (فرشتے) ہیں اور مس (چھونا) علیحدہ عمل ہے اور تلاوت کرنا علیحدہ عمل ہے۔

صحیح بخاری کی تعلیق کی سند حافظ ابن حجر اور عینی حنفی دونوں نے بیان کر دی ہے مگر معترض صاحب یہ راگ الاپ رہے ہیں کہ ''کوئی سند پیش کی ہے یا کسی پھکڑ باز راوی کی اپچ پر ایسا کہہ دیا ہے؟'' (...محدث ص۴۲، ۴۳)

(۱۹)

قرآن مقدس

قرآن مقدس میں ایک نہیں بیسیوں آیات صراحت بیان کرتی ہیں کہ موت کے بعد کوئی مردہ نہیں سن سکتا اسباب سننے کے مردہ کے ختم ہو جاتے ہیں اور اسباب سے بالاتر ہو کر صرف اللہ ہی سنتا ہے اور مافوق الاسباب کسی کے سننے کا تو تصور بھی ذات رب العالمین ہے اور مقبور مردہ ,,مالا ان **من تحت التراب بعيد**،، کے پیش نظر مردہ دور ہو گیا اور دور سے سننا یہ اللہ کی صفت ہے یہ مردہ پر وہ شرک ہو گیا اور پس پردہ سننا یہ بھی اللہ کی صفت ہے۔

جس طرح موت میں سب برابر ہیں اسی طرح نہ سننے میں بھی سب برابر ہیں انسان ہو یا ہو۔۔۔ انسان میت کی طرح میت نبی بھی نہیں سن سکتا اور کوئی نہیں سن سکتا۔۔۔ کوئی نہیں سنتا الا یہ کہ اللہ کسی کو اپنی یا کسی کی آواز کو سنا دے۔

بخاری محدث مردوں کا سننا

امام بخاری قرآن کے ظاہر حکم کے خلاف صراحت سے کہتے ہیں ,,باب **الميت يسمع خفق النعال**،، اور پھر باندھے ہوئے باب کو پرکشش بناتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب مردہ کو دفن کر کے لوگ واپس ہونے لگتے ہیں تو مردہ ,,**يسمع قرع نعالهم**،، ان کی جوتوں کی آہٹ بھی سن لیتا ہے۔ (**بخاری ۱/۱۷۸**)

یہ حال ہے امیر المحدثین کا جو قرآن کے صریح خلاف روایت درج کر کے مشرکین کو نواز دیتے ہیں اور معصوم پیغمبر کو کلام اللہ کے خلاف ثابت کر رہے ہیں عجمی راویوں نے بخاری کو ایسا اعتقاد دلایا ہے کہ نہ قرآن کا پاس ہے اور نہ اللہ کے معصوم رسول ﷺ کی سیرت کا پاس ہے اور نہ اصحاب رسول ﷺ کی دیانت کا پاس ہے بس روایت پرستی کا بھوت ایسا کارگر ثابت ہوا کہ جب بخاری صاحب کو ایک آیت کی طرف توجہ کرنے کی بھی فرصت نہیں ملی۔۔۔

قلیب بدر کے موقع پر ابن خطاب اور دیگر صحابہ کرام چونک پڑتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تو آپ نے پڑھایا ہے کہ مردے نہیں سنتے اب آپ ,,**كيف تكلم اجسادا لا ارواح لها وقال الله انك لا تسمع الموتى**،، آپ ہی کو تو اللہ نے فرمایا تھا کہ آپ ﷺ بھی

مردوں کو نہیں سنا سکتے اور اب آپ ہی ان بے روح دھڑوں سے کلام کر رہے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ,,**الآن يسمعون**،، تو صحابہ سمجھ گئے کہ اعجاز النبی ﷺ اور خرق قانون کے طور پر اللہ تعالیٰ ان کو سنوا رہا ہے نہ پہلے سنتے تھے نہ بعد میں سنتے ہیں۔۔۔ اور قانون قرآن اٹل ہے۔۔۔

اور عائشہ صدیقہؓ نے تو ظاہر عبارت قرآن سے ثابت کیا کہ مردوں کا سننا قرآن کے ظاہر حکم کے خلاف ہے لیکن افسوس کہ بخاری کتنے دھڑلے سے کہتے ہیں کہ مردہ جوتوں کی آہٹ بھی سن لیتا ہے اور عجمی راویوں کے ہر تہمت پر یہ اتہام بھی رسول اللہ ﷺ پر لگاتے ہیں۔۔۔

اتنا بھی نہیں سوچا کہ جب مردہ بندے کی زوردار آواز نہیں سن سکتا تو پھر جوتوں کی آہٹ جو بالکل نابود کی شکل ہے وہ کس طرح سن سکیگا پھر تعجب پر تعجب ہے کہ جس انس صحابی کے متعلق یہ الفاظ نبوی لگا رہے ہیں وہی انس ہی تو یہ کہہ رہے ہیں ,,**الآن يسمعون**،، جس کا صاف مطلب تھا کہ قانوناً مردے نہیں سنتے۔۔۔۔

امام بخاری کاش کہ روایت لکھنے سے پہلے کلام اللہ القرآن کا مفہوم معلوم کر لیتے شاید انکو روایات کے شغل نے قرآن سے مشغول رکھا تھا ورنہ اتنا بڑا محدث راویوں کے چکر میں پڑ کر عمداً قرآن کے خلاف کس طرح کر سکتا تھا۔۔۔

۱۹۔ مُردے کا جوتوں کی آواز سننا

بہت ہی مشہور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جب مُردے کو دفن کر دیا جاتا ہے اور لوگ

واپس چلتے ہیں تو وہ میت چلنے والوں کے جوتوں کی آواز سنتی ہے۔ (صحیح بخاری:۱۳۳۸،۱۳۷۴)

یہ حدیث درج ذیل کتابوں میں بھی ہے:

صحیح مسلم (۲۸۷۰، دارالسلام: ۷۲۱۷) مسند احمد (۱۲۶/۳، ح۱۲۲۷۱، ۲۳۳/۳) السنۃ لابن ابی عاصم (۸۶۳) سنن النسائی (۹۶/۴، ۹۷، ۹۸) صحیح ابن حبان (۳۱۱۰ [۳۱۲۰]) الشریعۃ للآجری (ص ۳۶۵، ۳۶۶) مسند عبد بن حمید (۱۱۸۰) سنن ابی داود (۳۲۳۱، ۴۷۵۲) مصنف عبدالرزاق (۵۶۷/۳ ح ۶۷۰۳ من حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

شرح السنۃ للبغوی (۴۱۵/۵ ح ۱۵۲۲، وقال: ھذا حدیث متفق علی صحتہ)

اس صحیح حدیث کا انکار ڈاکٹر عثمانی نہ کر سکا تھا بلکہ تاویل کر کے اس سے جان چھڑانے کی کوشش کی تھی مگر معترض اسے اتہام اور قرآن کے ظاہر حکم کے خلاف قرار دے رہا ہے۔

(...محدث ص ۴۴، ۴۵)

صحیح بخاری والی حدیث کی سند کا دارومدار درج ذیل راویوں پر ہے:

① مفسرِ قرآن امام قتادہ بن دعامہ ثقہ ثبت اور مشہور تابعی ہیں۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۵۵۱۸) وغیرہ

قتادہ نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔ (دیکھئے صحیح مسلم: ۲۸۷۰، دارالسلام: ۷۲۱۶)

اسے قتادہ سے دو راویوں سعید بن ابی عروبہ اور شیبان بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا ہے۔

ان راویوں کو معترض "لعنتی" کہہ رہا ہے۔ (...محدث ص ۴۵)

یاد رہے کہ جوتوں کی چاپ سننے والی حدیث سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

دیکھئے مصنف عبدالرزاق (ح ۶۷۰۳)

(۲۰)

﴿۲۰﴾ قرآن مقدس

قرآن مقدس میں اللہ پاک فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی جماعت کیساتھ تولی یعنی پیار رکھے وہ اسی جماعت کا ایک فرد ہوتا ہے ،،**مَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ**،، اور رسول کریم ﷺ بھی فرماتے ہیں ،،**من تشبه بقوم فهو منهم**،، اسی طرح جو شخص کسی قوم کی ریس اور رشک کرے وہ اسی قوم کا فرد ہوتا ہے۔

بخاری محدث

امام بخاری اب غیر شعوری یا بے اعتنائی کے طور پر فرماتے ہیں اور روافض کے مذہب کی ریس میں کہتے ہیں اور بغیر تحقیق وسند کے کہتے ہیں کہ صحابی رسول ﷺ بریدہ اسلمیؓ نے وصیت کی تھی کہ ،،**ان يجعل في قبره جريدتان**،، **بخاری ۱/۱۸۱**) کہ میرے ساتھ میری قبر میں دو چھڑیاں ضرور رکھ دینا حالانکہ یہ مذہب شیعہ کی خاص مذہبی علامت ہے۔ پھر کمال یہ ہے کہ بخاری اور حضرت بریدہؓ کے درمیان بعد زمانے کے جنگل موجود ہیں خدا معصوم بخاری کو حضرت بریدہؓ نے خواب میں اپنی وصیت بتائی تھی یا پھر کسی راوی کی بڑ پر اعتماد کر گئے لیکن بخاری نے حوالہ تو دے دیا مگر راوی کا ذکر کیا نہیں کیا شاید یہی مسلک امام بخاری کا بھی تھا۔

03066658380

۲۰۔ قبر پر ٹہنی لگانا

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے ہر قبر پر ایک ٹہنی لگا دی پھر فرمایا: ہوسکتا ہے کہ جب تک یہ دونوں ٹہنیاں خشک نہ ہو جائیں، اللہ ان دونوں (قبر والوں) کے عذاب میں کمی فرمادے۔

(مسند احمد ۱/۲۲۵ ح ۱۹۸۰، وسندہ صحیح، صحیح بخاری: ۲۱۶، ۲۱۸، ۱۳۶۱، وصحیح مسلم: ۲۹۲)

اس حدیث کے شواہد کے لئے دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۳/۳۷۶ ح ۱۲۰۴۱) وغیرہ

اس حدیث کو مدِنظر رکھتے ہوئے عرض ہے کہ طبقات ابن سعد (۷/۸) میں صحیح سند کے ساتھ ثقہ عابد مورق العجلی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ (سیدنا) بریدہ الاسلمی (رضی اللہ عنہ) نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ ان کی قبر پر دو ٹہنیاں لگائی جائیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو بطورِ تعلیق کتاب الجنائز میں ذکر دیا ہے۔ (قبل ح ۱۳۶۱)

درج بالا صحیح حدیث اور جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ کے عمل کے خلاف معترض نے کوئی آیت پیش نہیں کی بلکہ یہ بے بنیاد دعویٰ کر دیا ہے کہ ’’حالانکہ یہ مذہب شیعہ کی خاص مذہبی علامت

ہے۔" (محدث ص ۴۶)

حالانکہ مذہب شیعہ وروافض کی پیدائش سے بہت پہلے نبی کریم ﷺ نے دو قبروں پر دو ٹہنیاں لگائی یا لگوائی ہیں۔ اسے ٹہنی گاڑنا بھی کہتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ قبر میں میت کے ساتھ ٹہنیاں بھی لٹا کر رکھی جائیں۔

طبقات ابن سعد کے ثقہ راویوں اور صحیح بخاری کی معلق روایت کے بارے میں معترض نے اپنے خواب وخیال کی بنیاد پر بڑ مارتے ہوئے جو عبارت لکھی ہے، وہ ان کی جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

فائدہ:

عربی لغت میں فی بمعنیٰ علیٰ بھی آتا ہے۔

دیکھئے شرح مائۃ عامل (ص ۱۰)

﴿ وَلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ﴾ میں فی بمعنیٰ علی ہے۔ اسی طرح روایت مذکورہ میں بھی فی بمعنیٰ علیٰ ہے۔

(۲۱)

﴿۲۱﴾ قرآن مقدس

قرآن مقدس میں مردہ کے کلام کرنے کو محال کہا گیا ہے اور محال کا فرض کرنا ویسے بھی محال نہیں ہوتا اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جسطرح ان مشرکین کے سامنے تمام فرشتوں کا آنا محال ہے اسی طرح ان سے مردوں کا کلام کرنا بھی محال ہے فرمایا کہ ،،**وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى**،، اور دوسرے مقام پر فرمایا،،**اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى**،، جس کا مطلب ہے کہ مردوں کا کلام کرنا محال اور ناممکن ہے

بخاری محدث

لیکن بخاری صاحب بڑے دھڑلے سے باب باندھتے ہیں،، **باب کلام المیت علی الجنازۃ**،، اور پھر تحت الباب روایت ٹانک دیتے ہیں کہ جب میت کا جنازہ اٹھا کر لوگ چلتے ہیں تو اگر نیک مردہ ہوتو وہ کہتا ہے ،،**قدمونی قدمونی**،، مجھے جلدی لے چلو اور اگر برا ہوتو وہ کہتا ہے ،،**این تذھبون**،، ہائے مجھے کدھر لئے جارہے ہو...

(بخاری ۱/۱۸۴)

امام بخاری صاحب کو قرآن فہمی کی داد دیجئے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے متعلق تو یہاں تک یاوہ گوئی کر جاتے ہیں کہ ،،**یقول ھذا الخداع**،، لیکن اپنا حال یہ ہے کہ قرآن مقدس کی نص قطعی کو در خور اعتنا بھی نہیں سمجھتے جو رطب و یابس ہاتھ لگے شیعہ سنی بدعتی خارجی سب ہی روایات کو آنکھوں پر رکھ لیتے ہیں اور سستے داموں بازار میں پہنچا کے چھوڑتے ہیں ،،**فیا لضیعۃ الفھم**،،

03086658390

۲۱۔ میت کا جنازے پر کلام کرنا

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ (سیدنا) ابوسعید الخدری (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب لوگ جنازے کو اپنی گردنوں (کندھوں) پر اُٹھا کر چلتے ہیں تو نیک میت کہتی ہے: مجھے جلدی لے چلو اور بُری میت کہتی ہے: ہائے اس کی تباہی! اسے کہاں لے کر جارہے ہو؟ الخ (ح ۱۳۱۴، ۱۳۱۶، ۱۳۸۰)

یہ حدیث درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

مسند احمد (۳/۴۱ ح ۱۱۳۷۲، ۳/۵۸) مسند عبد بن حمید (۹۴۳) سنن النسائی (۴/۴۱) مسند ابی یعلیٰ (۱۲۶۵) صحیح ابن حبان (الاحسان: ۳۰۲۷ یا ۳۰۳۸) شرح السنۃ للبغوی (۱۴۸۲، وقال: ھذا حدیث صحیح)

عبدالرزاق نے اسے مصنف میں ''عن الثوري عن الأسود بن قیس عن نبیح'' کی سند کے ساتھ سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے موقوفاً نقل کیا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق ۳/۴۴۰ ح ۶۲۵۰ یا ۶۲۷۶ وسندہ ضعیف)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نیک آدمی کو جب اس کی چارپائی پر رکھ دیا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے: مجھے جلدی لے چلو، جلدی لے چلو اور اگر بُرے آدمی کو چارپائی پر رکھا جائے تو وہ کہتا ہے: ہائے تباہی! مجھے کہاں لے جارہے ہو؟

(مسند احمد ۲/۲۹۲ ح ۷۹۱۴ وسندہ حسن، مسند ابی داود الطیالسی: ۲۳۳۶ یا ۲۴۵۷)

یہ روایت مرفوعاً یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی ہے:

سنن النسائی (۴/۴۰، ۴۱ ح ۱۹۰۹، وسندہ حسن) مسند احمد (۲/۴۷۴ وسندہ حسن)

صحیح ابن حبان (الاحسان: ۳۱۰۱ یا ۳۱۱۱ وسندہ حسن)

معترض نے اس حدیث کو یہ کہتے ہوئے رد کر دیا ہے کہ ''قرآن مقدس میں مردہ کے کلام کرنے کو محال کہا گیا ہے'' (.....محدث ص ۴۷)

معترض نے سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۱۱۱ بطورِ استدلال لکھی ہے حالانکہ اس سے معترض کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا بلکہ کتاب وسنت سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ دنیا سے جانے کے بعد دنیا والوں سے مُردہ اس طرح کلام نہیں کرتا کہ لوگ اسے سنیں بلکہ اس کا کلام برزخی اخروی ہوتا ہے جس کی کیفیت سے اللہ ہی باخبر ہے۔ قرآنِ مقدس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ﴾ حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کی موت آجائے، وہ کہتا ہے: اے میرے رب مجھے دوبارہ بھیج دے۔ (المؤمنون: ۹۹)

معلوم ہوا کہ مُردہ مرنے کے بعد کلام کرتا ہے لہٰذا معترض کا دعویٰ غلط ہے اور بخاری ومسند احمد وغیرہما کی حدیث بالکل صحیح ہے۔

(۲۲)

﴿۲۲﴾ قرآن مقدس

قرآن مقدس میں اللہ تعالیٰ اور خلیل اللہ علیہ السلام کا ایک مکالمہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے درخواست کی کہ ”**رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى**“ اللہ نے حضرت خلیل سے فرمایا کہ ”**أَوَلَمْ تُؤْمِنْ**“ یعنی خلیل اللہ نے عرض کی کہ مجھے (علم الیقین اور حق الیقین تو ہے لیکن میں عیاناً آنکھ سے عین الیقین حاصل کرنے کیلئے عرض کر رہا ہوں کہ) دکھا دیجئے وہ کیفیت جس حالت میں تو مردوں کو زندہ کریگا تو اس پر اللہ نے (مشفقانہ انداز سے) فرمایا کیا تو (آنکھوں سے معائنہ کے بغیر) اسکی تصدیق نہیں؟ تو خلیل اللہ نے عرض کیا (کیونکر تصدیق نہ کروں بالکل مجھے یقین ہے) میں تو صرف اطمینان قلب کی خاطر درخواست گزار رہا ہوں (اور اس میں بھی صرف کیفیت وحالت دیکھنا چاہتا ہوں ورنہ شک کی تیری قدرت میں گنجائش ہی نہیں ہے)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کے درمیان مکالمہ سے دو باتیں اور حقیقتیں ثابت ہوئیں ایک یہ کہ حضرت نے صرف کیفیت احیاء کے متعلق سوال کیا تھا نہ حقیقت احیاء سے دوسرا یہ کہ آپ نے خود اقرار کیا کہ تیری قدرت میں مجھے شک قطعاً نہیں ہے میں تو صرف عین الیقین کے مشاہدہ کے ذریعہ اطمینان قلب چاہتا ہوں۔

یہی حقیقت جو قرآن فہمی سے نصیب ہوئی نہ حضرت کو اللہ کی قدرت میں شک تھا اور نہ ہی اللہ نے آپ سے یہ فرمایا کہ تو شک میں ہے...

بخاری محدث ابراہیمؑ اور نبیؐ پر بہتان

لیکن برا ہو اندھی تقلید کا جس نے بخاری جیسے محدث جلیل کو قرآن کا مفہوم سمجھنے سے قاصر رکھا اور انہوں نے اپنی کتاب میں کسی راوی کی انٹ شنٹ میں آ کر مذکورہ مکالمہ کے زیر باب ہمارے حضرت ﷺ کے متعلق یہ لکھ مارا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”**نحن احق بالشک من ابراهيم**“ کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کی نسبت شک کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں جبکہ ابراہیم نے شک کرتے ہوئے کہا تھا ”**رب ارني كيف تحي الموتى**“ **لا حول ولا قوة الا بالله....**

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی جھوٹ اور آپ ﷺ پر بھی دوہرا جھوٹ.... بخاری صاحب فرمائیں کہ حضرت ابراہیم کو شک پڑ گیا تھا یہ قرآن پاک کے کس لفظ سے ثابت ہوتا ہے؟ کہاں لکھا ہوا ہے کہ ابراہیم کو شک پڑ گیا تھا کسی عجمی راوی کی گپ شپ پر کلی اعتماد کرنا اور الفاظ قرآن کو پس پشت ڈال دینا کیا اسی کا نام امیر المحدثین ہوتا ہے؟

حالانکہ نہ ابراہیم علیہ السلام کو شک ہوا اور نہ خاتم الانبیاء ﷺ نے ایسا شک فرمایا..

۲۲۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (تواضع کرتے ہوئے) فرمایا: ((نحن أحق بالشك من إبراهيم .)) ابراہیم (علیہ السلام) سے زیادہ ہم شک کے مستحق ولائق ہیں۔ (۳۳۷۲، ۴۵۳۷، ۴۶۹۴)

بخاری کی یہ حدیث درج ذیل کتابوں میں بھی ہے:

صحیح مسلم (۱۵۱) مسند احمد (۳۲۶/۲ ح ۸۳۲۸) سنن ابن ماجہ (۴۰۲۶) شرح مشکل الآثار للطحاوی (۲۹۷/۱، ۲۹۸ ح ۳۲۶۔۳۲۹) صحیح ابن حبان (الاحسان: ۶۲۰۸) السنن الکبریٰ للنسائی (۱۱۰۵۰، ۱۱۲۵۴) شرح السنۃ للبغوی (۶۳)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم شک نہیں کرتے تو اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے کوئی شک نہیں کیا۔ آپ نے سیدنا ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم سے شک کی نفی کرتے ہوئے بطورِ تواضع اپنے آپ کو مقدم کیا۔ دیکھئے تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ (ص ٦٦) اعلام الحدیث للخطابی (۱۵۴۵/۳) فتح الباری (۴۱۲/۶۔۴۱۳) اور شرح مشکل الآثار (۲۹۸/۱)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور جلیل القدر تابعین سعید بن المسیب، ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن اور امام زہری رحمہم اللہ کی بیان کردہ حدیث کا صحیح مطلب نہ سمجھنے کی وجہ سے معترض نے راویوں کو لعنتی قرار دیتے ہوئے اس حدیث کو قرآن سے ٹکرا دیا اور یہ دعویٰ گھڑ لیا کہ "بخاری صاحب فرمائیں کہ حضرت ابراہیم کو شک پڑ گیا تھا" (دیکھئے.... محدث ص ۵۰)

عرض ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ایسی کوئی بات نہیں فرمائی کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو شک پڑ گیا تھا لہٰذا یہ معترض کا امام بخاری پر صریح بہتان ہے۔

(۲۳)

﴿۲۲﴾قرآن مقدس

قرآن پاک کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اللہ اور مہاجرین وانصار تمام پر رحمت نچھاور کردی اور ونکے تابعداروں پر بھی خاص توجہ فرمائی اور وہ پاک صاف ہوگئے نیز اللہ نے فرمایا ''**لقد تاب اللّٰہ علی النبی والمھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان**'' اور فرمایا ''**رضی اللّٰہ عنھم ورضوا عنہ**'' نیز اللہ کے رسول نے انکا تزکیہ کردیا ''**ویزکیھم**'' اور ان سے کوئی غلطی ہوگی تب بھی اللہ نے

03066659390

(۶۱)

معاف کردی ''**عفا اللّٰہ عنھم**'' کا مژدہ انکو سنادیا شرک بدعات سے بالکل محفوظ ہوگئے ''**کرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان**'' انکے لئے خاص پروانہ نازل ہوا اور ہمیشہ کیلئے اصحاب رسول ﷺ محفوظ ہوگئے۔

بخاری محدث صحابۃ پر بدعت کا فتویٰ

لیکن بخاری صاحب اپنی کتاب میں خود بدعات صحابہ کرام کے ذمہ لگا کر رافضی راویوں کا دل ٹھنڈا کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ صحابی رسول ﷺ کو کہا گیا کہ آپ کو مبارک ہو کہ آپکو صحبت نبوی نصیب ہوئی اور بیعت رضوان بھی نصیب ہوئی تو براء ابن عازب صحابیؓ نے جواب دیا کہ بھتیجے تجھ کو کیا خبر کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کیا کیا بدعتیں جاری کی ہیں

بخاری ۲/۵۹۹

حالانکہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا ''**من احدث حدثا او آوی محدثا فعلیہ لعنت اللہ**'' تو کیا صحابیؓ یہ لعنت اپنے اوپر فٹ کررہا تھا؟

نعوذ باللہ من ھذہ''

بلکہ باقی صحابہ کرامؓ کو بھی اس لعنت میں داخل کررہا تھا؟ العیاذ باللہ، آخر ''**کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار**'' صحابہ کرامؓ پر کی

03066659390

پوری ہوئی؟ تو پھر ایسی خرافات درج کتاب کرنیوالا ایسی وعید سے کس طرح بچ سکیگا اور یہ کسی لعنتی راوی کی شرارت نہیں تو کیا؟

بدعات اور رسومات جاہلیت مٹانے کیلئے ہی تو آپ ﷺ کی بعثت ہوئی تھی اور صحابہ کرامؓ کا ''**اولئک ھم المتقون**'' کا سرٹیفکیٹ ملا ہوا ہے۔ بخاری کی یہ کیسے مانی جائے جو سراسر جھوٹی روایت ہے

۲۳۔ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا اعلانِ تواضع

المسیب بن رافع الکاہلی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے کہا: آپ کے لئے خوش خبری ہے، آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت اختیار کی اور درخت کے نیچے بیعت فرمائی۔ انھوں نے فرمایا: اے بھتیجے! تجھے پتا نہیں کہ آپ کے بعد ہم نے کیا نئے کام کئے۔ (ح ۴۱۷۰)

یہ روایت موقوف ہے لہٰذا صحیح بخاری کے اصل موضوع سے خارج ہے۔ مجھے یہ روایت صحیح بخاری کے علاوہ کسی دوسری کتاب میں باسند متصل نہیں ملی لیکن الکامل لابن عدی (۹۳۲/۳، دوسرا نسخہ ۵۱۳/۳) میں اسی مفہوم کی روایت سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں آیا ہے: ''أخي [إنك] لا تدري ما أحدثنا بعده'' اس کی سند حسن ہے۔

معترض نے روایتِ مذکورہ کو قرآن سے ٹکراتے ہوئے یہ دعویٰ کر دیا کہ بخاری محدث نے ''صحابہ پر بدعت کا فتویٰ'' لگا دیا ہے۔ (...محدث ص ۵۱)

عرض ہے کہ احدث کا معنی ہر جگہ بدعت نکالنا نہیں ہوتا بلکہ نئے کام کرنے اور وضو ٹوٹنے کو بھی اُحدث کہا جاتا ہے مثلاً ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے گمان کے مطابق فرمایا:

''لو أدرك رسول الله ﷺ ما أحدث النساء لمنعهن المساجد ...''

عورتوں نے جو نئے کام نکالے ہیں اگر رسول اللہ ﷺ اس کا مشاہدہ فرماتے تو عورتوں کو مسجدوں سے منع کر دیتے۔ (الموطأ للامام مالک ۱۹۸/۱ ح ۴۶۹ وسندہ صحیح بخاری: ۸۶۹)

یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو مسجدوں سے منع نہیں کیا لہٰذا شرعی حدود کی پابندی کے ساتھ عورتوں کا مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

امام ہمام بن منبہ رحمہ اللہ کے جمع شدہ الصحیفۃ الصحیحہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لا تقبل صلاة أحدكم إذا أحدث حتى يتوضأ.)) تم میں سے اگر کسی کا وضو ٹوٹ جائے تو وضو کرنے کے بغیر اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

(ح ۱۰۸، صحیح بخاری: ۱۳۵، صحیح مسلم: ۲۲۵)

معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام نے دین میں بدعات نہیں نکالی تھیں بلکہ بعض ایسے نئے کام کئے تھے جن پر وہ خود تواضع کا مظاہرہ کرتے ہوئے پریشان تھے مثلاً جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں صحابہ کا باہم ایک دوسرے سے جنگیں کرنا وغیرہ۔ یہی مفہوم شارحین حدیث نے بیان کیا ہے۔ مثلاً دیکھئے فتح الباری (۴۵۰/۷) اور عمدۃ القاری للعینی (۲۲۲/۱۷) وغیرہما۔

اصل میں معترض مذکور بذاتِ خود بدعتی اور منکر حدیث ہے لہٰذا صحابۂ کرام بھی اسے

بدعتی نظر آتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

ایک دفعہ حضرو کے علاقے میں ایک پاگل آ گیا تھا جو ہر جگہ یہ کہتا پھرتا تھا کہ لوگ پاگل ہیں۔!

(۲٤)

(۲٤) قرآن مقدس

کون نہیں جانتا کہ قرآن مقدس میں لوط علیہ السلام والی قوم کی بدکاری کرنیوالا کافر ہی ہوتا ہے اور لواطت کا کام سوائے کافر کے اور کوئی مومن نہیں کرتا ،،أئنكم لتأتون الرجال شهوة من دون النساء،، صرف اور صرف کفار کی عادت تھی اور عورت کے کیساتھ یہ فعل بد کرنا تو اور بھی زیادہ کفر ہے ،،فاقتلوا العالي والسافل،، کا حکم ہوئی بھی خاص اسی فعل بد کے لیے آیا تھا

بخاری محدث عورت کی دبر زنی

لیکن بخاری صاحب اتنا بڑا کفری نظریہ بے دھڑک ہوکر ایک جلیل القدر صحابی کے معصوم العمل ماتھے پر جڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ،،نساؤکم حرث لکم،، کی تفسیر عبداللہ ابن عمرؓ نے یہ فرمائی ہے کہ عورت کو دبر زنی

03006659390

(53)

کرنی چاہیے یہ معنی ہے **انی شئتم**،، کا (**لاحول ولا قوة الا بالله**) ،،**فی اتیان النساء فی ادبارهن**،، بخاری کے اساتذہ ابن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؓ نے فرمایا ،**انی شئتم یاتیها فی** ..... **ای فی الدبر**،، عورت کی دبر میں کرے...

(بخاری کتاب التفسیر)

اس پر شراح بخاری قسطلانی وغیرہ نے فرمایا کہ بخاری نے فی کا حرف ذکر کر کے دبر کا لفظ بوجہ کراہیت کے ذکر نہیں کیا ورنہ تمام سندوں میں ،**وقع التصریح به**،، بخاری کے تمام نسخوں میں فی الدبر ہے من الدبر نہیں ہے تاکہ یہ سمجھا جاتا کہ عورت کو پچھلی طرف سے حرث کی جگہ میں استعمال کرے بلکہ فی الدبر ہے جسکا مطلب ایک خاص دبر میں لواطت کرے .. جلیل القدر محفوظ من اللہ کے متھے یہ جڑتے ہوئے بخاری صاحب کو ذرہ برابر بھی حالت شعور نہیں ہوئی ...کیا صحابیؓ ایسی تحریف قرآن میں کرسکتا ہے؟ بالکل جھوٹی روایت ہے..

کیا اتنا بڑا مغالطہ بخاری کو کس شئے کے نشہ کیوجہ سے ہوا؟

کیا ایسا فعل قبیح صحابہؓ کے ذمہ لگاتے ہوئے ہوش کام نہیں آتا؟

کیا ایسے فعل بد کو ذکر کرنیوالے رواۃ لعنتی نہ ہوگئے؟

03006659390

(54)

کیا ایسا کردار تحریف کلام اللہ کا صحابہ کا ہوسکتا ہے؟

کیا ایسا کردار صحابیؓ سے متعلق کہنے والا رافضی شیعہ نہیں؟

کیا بخاری صاحب نے قرآن کے مضامین کو فرسودہ سمجھ لیا تھا؟

کیا محدث صرف اخباری ہوتا ہے قرآن کو مقدم نہیں سمجھتا؟

کیا بخاری نے صرف ایک لفظ حرث کو بھی نہیں سمجھا کہ وہ عورت کا اگلا حصہ ہے یا پچھلا؟

۲۴۔ صحیح بخاری پر تہمت اور معترض + لواطت

قرانِ مجید میں ارشاد ہے: ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ﴾ تمھاری بیویاں تمھاری کھیتی ہیں پس اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ۔ (البقرۃ:۲۲۳)

اس آیت کی تشریح میں امام بخاری نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے:

''یأتیها في ...''....میں آئے (ح ۴۵۲۶، ۴۵۲۷) في کے بعد قبلها یا دبرها کے الفاظ صحیح بخاری میں قطعاً موجود نہیں ہیں لیکن اس موقوف روایت کے بعد والی مرفوع

روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ في کے بعد قبلھا مراد ہے ورنہ پھر بچے کے بھینگا پیدا ہونے کا کیا مسئلہ ہے؟ (دیکھئے صحیح بخاری: ۴۵۲۸)

معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ في کا مجرور حذف کر کے اور بعد میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کر کے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ دبر زنی جائز نہیں ہے مگر جاہل معترض نے قسطلانی وغیرہ لوگوں کا ذکر کر کے یہ جھوٹ بولا ہے کہ ''بخاری کے تمام نسخوں میں فی الدبر ہے'' (....محدث ص ۵۳)

حالانکہ معترض کے پاس جو نسخہ موجود ہے اس میں بھی في کے بعد دبرھا کا لفظ نہیں ہے۔ دیکھئے (ج ۲ ص ۶۴۹)

نام نہاد تقلیدی مولویوں کے حاشیے کی بات کو متن میں درج کرنا انھی لوگوں کا کام ہے جو سفید کو سیاہ اور دن کو رات ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب ''صحیح بخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ'' (ص ۴۱۔۴۳)

تنبیہ (۱): قسطلانی نے لکھا ہے کہ ''دبرھا'' کا لفظ امام بخاری نے منکر سمجھتے ہوئے ساقط کر دیا ہے۔ (ارشاد الساری ج ۷ ص ۳۴)

قسطلانی نے تو انکار کر دیا ہے مگر معترض نے منکر بات کو امام بخاری کے ذمے لگا دیا ہے۔ سبحان اللہ!

تنبیہ (۲): صحیح بخاری کے درسی نسخے کے حاشیے پر لکھا ہوا ہے کہ ''وحملوا ما ورد عن ابن عمر أنه يأتيها في قبلها من دبرها... '' اور اہلِ سنت نے ابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے واردشدہ روایت کو اس پر محمول کیا ہے کہ قُبل (جہاں سے بچہ پیدا ہوتا ہے) میں پچھلی طرف سے جماع کرے گا۔ (ج ۲ ص ۶۴۹ حاشیہ: ۱۰)

اہلِ سنت کی اس تشریح سے معترض کا اعتراض جڑ سے ہی ختم ہو جاتا ہے۔ والحمد للہ

(۲۵)

﴿۲۵﴾ قرآن مقدس

قرآن مقدس میں کون نہیں جانتا کہ نکاح حلال کا کئی آیات میں ذکر ہے جسکی شرائط میں سے یہ شرط بھی ہے کہ شادی کرنے اور پاکدامن بننے کیلئے نکاح ہو اور شہوترانی اور متعہ جیسا نکاح حرام نہ ہو اور چھپے یار بنانے کا ارادہ بھی نہ ہو

،،مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْ أَخْدَانٍ،، ان شرائط کے علاوہ کسی نام کا نکاح وہ زنا ہوگا اور متعہ ہوگا جو ایام جاہلیت کے نئے پرانے رافضیوں کا مذہب ہے۔۔۔

بخاری محدث

لیکن امام بخاری صحابہ کرامؓ کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے حضرت ابن عباسؓ جسکو سینہ سے لگا کر آپ ﷺ نے فرمایا تھا،، **اللهم علمه الكتاب**،، انکی قرآن کے علم سے جہالت پرمبنی روایت نا نکل دیتے ہیں اور امام بخاری غص بصر کرکے درج کتاب کر ڈالتے ہیں اور کسی بے دین راوی پر اعتماد کرکے یوں لکھتے ہیں کہ ابو جمرہ نے کہا کہ میں نے ابن عباسؓ سے سنا ہے وہ متعہ سے متعلق پوچھے گئے تو انہوں نے فرمایا بالکل جائز ہے کرو پھر انکو ان کے مولی نے کہا کیا سخت شدت کی حالت میں یا عورتوں کی کمی اور قلت ہو یا اس قسم کی کوئی مجبوری ہو تو آپ نے فرمایا ہاں۔۔

﴿بخاری ۲/۷۶۷﴾

ابی جمرہ تابعی ہے اور تابعین میں اکثر لوگ متعہ کے قائل گزرے ہیں بعضوں میں تو ایسے ہیں جو نوے عورتوں کو متعہ کے ذریعے خوش کیا کرتے تھے بہرحال اللہ ہی جانے کس کی شرارت یہاں کام کر گئی پھر پوچھنے والے کا پتہ بھی نہیں کہ کون تھا جو کچھ بھی ہو ابن عباسؓ کی قرآن فہمی اور دعاء نبوی کے آثار بھی ثابت ہوئے کہ آپؓ نے نعوذ باللہ زنا کو جائز قرار دیا آخر قرآن مقدس میں تو شرعاً نکاح کے شرائط موجود تھے۔ کیا انکا علم بھی حضرت سے نابود ہوگیا؟

لاحول ولا قوة الا بالله

03086659390

۲۵۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور متعۃ النکاح

ابو جمرہ نصر بن عمران الضبعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے ابن عباس کو سُنا، آپ سے جب متعۃ النساء کے بارے میں پوچھا جاتا تو آپ اس کی اجازت دیتے تھے۔ ان کے غلام نے کہا: یہ تو شدید (مجبوری کی) حالت میں ہوتا تھا جبکہ عورتوں کی قلت تھی تو ابن عباس نے فرمایا: جی ہاں! (صحیح بخاری:۵۱۱۶)

یہ موقوف روایت درج ذیل کتابوں میں بھی ہے:

شرح معانی الآثار للطحاوی (۲۶/۳) مستخرج الاسماعیلی بحوالہ فتح الباری (۱۷۱/۹) السنن الکبریٰ للبیہقی (۲۰۵/۷)

ابو جمرہ نصر بن عمران بن عصام البصری الضبعی ثقہ ثبت ہیں۔

دیکھئے تقریب التہذیب (۷۱۲۲)

ان کے شاگرد امام شعبہ بن الحجاج البصری رحمہ اللہ بہت بڑے ثقہ محدث اور اسماء الرجال

کے امام ہیں۔روایتِ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نکاحِ متعہ کے جواز کے قائل تھے۔اس روایت کی تائید میں اور بھی کئی روایتیں ہیں مثلاً:

① عن محمد بن علی بن ابی طالب عن أبیہ رضی اللہ عنہ

(صحیح بخاری:۶۹۶۱،صحیح مسلم:۱۴۰۷،ترقیم دارالسلام:۳۴۳۲،۳۴۳۴)

② عن عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ (صحیح مسلم:۱۴۰۶،دارالسلام:۳۴۲۹،شرح معانی الآثار للطحاوی ۲۴/۳)

③ عبیداللہ بن عبداللہ رحمہ اللہ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲۰۵/۷)

④ ابونضرہ رحمہ اللہ (صحیح مسلم:۱۴۰۵،دارالسلام:۳۴۲۷)وغیرہم

معلوم ہوا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ وہ متعۃ النکاح کو جائز سمجھتے تھے لیکن ابوعوانہ الاسفرائنی رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ الربیع بن سبرہ رحمہ اللہ (ثقہ تابعی) سے نقل کیا:''ما مات ابن عباس حتی رجع عن هذه الفتيا''

ابن عباس نے فوت ہونے سے پہلے اپنے اس فتوے سے رجوع کرلیا تھا۔

(مسند ابی عوانہ نسخہ جدیدہ ج ۲ص ص ۲۷۳ ح ۳۲۸۴ وسندہ صحیح علیٰ شرط مسلم)

جب یہ ثابت ہوگیا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے آخری عمر میں وفات سے پہلے متعۃ النکاح کے جواز سے رجوع کرلیا تھا تو معترض اور منکرینِ حدیث کے تمام اعتراضات سرے سے ختم ہوگئے۔

یادرہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اثر مذکور پر امام بخاری نے باب باندھا ہے:

''باب نهي رسول الله ﷺ عن نكاح المتعة أخيراً ''اس کا باب کہ رسول اللہ ﷺ نے متعۃ النکاح سے آخری عمر میں منع فرمادیا تھا۔(قبل ح ۵۱۱۵)

آخر میں امام بخاری فرماتے ہیں:''أنه منسوخ ''یعنی متعۃ النکاح منسوخ ہے۔(ح۵۱۱۹)

لہٰذا معترض کا امام بخاری اور صحیح بخاری پر اعتراض باطل ہے۔

(۲۶)

۲۶۔ قرآن مقدس

قرآن مقدس میں لہو ولعب، ناقلوں یہودیوں اور نصرانیوں کا فرد کا پیشہ

ہو رہا ہے اور خاص طور پر اللہ نے فرمایا ،،ومن النّاس من یشتری لھو الحدیث لیضلّ عن سبیل اللہ،، اللہ کے راستہ سے روک رکھنے کا اصل ذریعہ یہی لہو ولعب گانے بجانے اور شیطانی بانسری کی چیزیں ہیں جن سے انسان دائرہ انسانیت میں بھی رہنے کے قابل نہیں ہوتا۔

بخاری محدث نبی ﷺ پر افتراء

لیکن بخاری صاحب ایک روایت کے ذریعہ شارح قرآن حامل وحی ﷺ پر افترا ذکر کرتے ہیں اور بے بصیرت رواۃ پر اعتماد کر کے بے لگان اتہام نبی ﷺ پر لگاتے ہیں کہ ،،زفت امرءة الی رجل من الانصار فقال النبی ﷺ یا عائشه ما کان معکم لھو فان الانصار یعجبھم اللھو،، بخاری ۷۷۵/۲ پہنچائی گئی ایک عورت بذریعہ شادی ایک انصاری مرد کی طرف تو فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اے عائشہ کیا نہیں ہے تمہارے پاس لہو یعنی گانے بجانے خوش گپیاں عیش شیطانی چیزوں میں سے۔

کیونکہ انصار لوگ ان چیزوں کو بڑا پسند کرتے ہیں... لا الہ الا اللہ کیا آپ ﷺ پر یہ آیت نہیں اتاری گئی تھی یا معاذ اللہ آپکو یاد نہ رہی تھی ،،ومن النّاس من یشتری لھو الحدیث لیضلّ عن سبیل اللہ،، کہ گانے بجانے کی توتیاں ربانے طلبے اللہ کے راستہ سے روکنے کا سبب بنتے ہیں تو پھر کیا آپ ﷺ اپنے انصاریوں کو قرآن کیخلاف تربیت دیتے رہے تھے؟ اور کیا اپنے گھر بھی ایسی فحش چیزیں اور لہویات رکھا کرتے تھے؟ اور کیا عائشہ صدیقہؓ بھی ایسی چیزوں پر گزارا کیا کرتی تھیں؟ پھر کیوں نہیں اس خرافی داستان کو راوی عیاش کے متھے لگایا جاتا اور اس اتہام سے امام بخاری کو کس طرح بری کیا جا سکے گا جس نے اسکو اپنی کتاب میں بڑے شوق سے درج کیا ہے...

۲۶۔ شادی بیاہ پر دف بجانا اور اشعار پڑھنا

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ (سیدہ) عائشہ (صدیقہ رضی اللہ عنہا) نے ایک دلہن کو تیار کر کے (اس کے شوہر) ایک انصاری مرد کے پاس بھیج دیا تو نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تمھارے پاس لہو (کھیل کود اور تفریح) والا کوئی نہیں تھا؟ انصار کو (شادی کے موقع پر) کھیل کود اور تفریح پسند ہے۔ (ح ۵۱۶۲)

لہو کا معنی کھیل کود اور تفریح دیوبندیوں کی کتاب القاموس الوحید میں لکھا ہوا ہے۔ (ص ۱۵۰۴)

اس لہو سے مراد دف بجانا اور چھوٹی بچیوں کا اشعار پڑھنا ہے۔ دیکھئے فتح الباری (۲۲۶/۹) عمدۃ القاری للعینی (۱۴۹/۲۰) اور ارشاد الساری للقسطلانی (۶۷/۸)

تنبیہ: قسطلانی کا حوالہ بطورِ الزام پیش کیا گیا ہے کیونکہ معترض نے اپنی مردود کتاب میں صفحہ ۵۳ پر قسطلانی کا قول بطورِ حجت پیش کیا ہے۔

صحیح بخاری کی روایتِ مذکورہ درج ذیل کتابوں میں بھی باسند موجود ہے:

المستدرک للحاکم [(۲/۱۸۴ ح ۲۷۴۹) وصححہ علیٰ شرط الشیخین ووافقہ الذہبی]

السنن الکبریٰ للبیہقی (۷/۲۸۸)

شادی بیاہ پر دف بجانے کا جواز کئی احادیث سے ثابت ہے مثلاً:

① ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہا (صحیح بخاری: ۵۱۴۷)

② سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی دوسری روایت (صحیح بخاری: ۹۸۷، صحیح مسلم: ۸۹۲)

③ محمد بن حاطب الجمحی رضی اللہ عنہ (مسند احمد ۳/۴۱۸ ح ۱۵۴۵۱، وسندہ حسن، سنن سعید بن منصور: ۶۲۹، سنن الترمذی: ۱۰۸۸، وقال: حدیث حسن، سنن النسائی ۶/۱۲۷ ح ۳۳۷۱، سنن ابن ماجہ: ۱۸۹۶، وصححہ الحاکم ۲/۱۸۴، والذہبی)

④ بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ

(سنن الترمذی: ۳۶۹۰ وقال: "ھذا حدیث حسن صحیح" وسندہ حسن وصححہ ابن حبان، الموارد: ۲۱۸۶)

معلوم ہوا کہ عیدین اور نکاح کے وقت دف بجانا جائز ہے لیکن یاد رہے کہ دوسرے تمام آلاتِ موسیقی حرام ہیں۔ آلاتِ موسیقی کے حرام ہونے کے بارے میں دیکھئے شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ کی کتاب تحریم آلات الطرب اور عبداللہ بن یوسف الجدیع العراقی کی کتاب احادیث ذم الغناء والمعازف فی المیزان

اس حدیث پر حملہ کرتے ہوئے معترض نے اسے قرآن مقدس سے ٹکرا دیا ہے حالانکہ قرآن میں دف کا حرام ہونا کہیں مذکور نہیں ہے۔ معترض نے ثقہ راویوں کو بے بصیرت اور عیاش راوی کہہ کر اپنے باطن کی عیاشی و بے بصیرتی کو لوگوں کے سامنے عیاں کر دیا ہے۔

(۲۷)

﴿۲۷﴾ قرآن مقدس

قرآن کریم میں نکاح شادی کیلئے بلوغ شرط رکھا گیا ہے ”حتیٰ اذا بلغوا النکاح“ کی نص خود اللہ کے رسول ﷺ پر نازل ہوئی ہے پھر خاص طور پر نساء کے لفظ سے نکاح کو جائز کہا گیا ہے تاکہ پتہ چلے کہ نکاح بالغہ عورتوں کیساتھ ہوتا ہے کیونکہ نابالغ لڑکی پر نساء کا لفظ نہیں بولا جاتا۔

بخاری محدث نبی ﷺ کی توہین

لیکن بخاری صاحب اپنی روایت کے ذریعہ آپ ﷺ کا نابالغ لڑکیوں کیساتھ جنسی کھیل کھیلنا ثابت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں

”ان النبی ﷺ تزوجها وهی بنت ست سنين وبنی بها وهی بنت تسع سنين“ بخاری ۷۷۱/۲

حضرت عائشہ کیساتھ آپ ﷺ کی شادی ہوئی تو انکی عمر چھ سال کی تھی اور جب بنا فرمایا تو نو سال کی تھی۔۔

بھلا اس سے زیادہ آپ ﷺ کی توہین اور کیا ہوگی کہ حضرت عائشہ ابھی تک نساء کی فہرست میں بھی داخل نہ ہوئی ہوں کہ آپ ﷺ نعوذ باللہ ان سے جنسی کھیل رچائیں اور طبع آزمائی میں مشغول ہو جائیں۔۔۔

بخاری صاحب روایت پرستی میں قزاق راویوں کے چنگل میں اتنا پھنسے ہوئے تھے کہ انکو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ میں خود ”۷۲۰/۲“ میں کیا لکھ آیا ہوں کہ سورۃ القمر نبوت کے پانچویں سال نازل ہوئی تو حضرت ام المؤمنینؓ ابھی بچی ہی تھیں اور کھیلتی پھرتی کہ سورۃ القمر کی آیات یاد ہوگئیں تھیں پھر مکہ میں آپ ﷺ پندرہ سال رہے تو سورۃ القمر کے نزول کے وقت صدیقہؓ کی عمر چھ سال ہی مانی جائے تو آپ ﷺ سے نکاح ہوا تھا تو ہجرت کے وقت انکی عمر سولہ یا سترہ سال کی تو ضرور ہوگی اور بوقت رخصتی اٹھارہ انیس سال کی ہوگی۔ پھر قرآن کریم کی اصطلاح کے بھی خلاف ہے کہ لڑکی کو نساء کہا جائے نیز قرآن میں بلوغ کی عمر میں نکاح کرنا آیا ہے ورنہ ”حتیٰ اذا بلغوا النکاح“ فرمایا ہوا جملہ بے فائدہ رہیگا تو ان تمام وجوہ میں قرآن کیخلاف اور قانون معاشرت کیخلاف آپ ﷺ کی معصوم شخصیت کس طرح کر سکتی تھی۔ لعنت ہو کینہ ور بدکردار راویوں پر جنہوں نے عصمت نبوت کو داغدار کرنے سے گریز نہیں کیا اور حیرت ہے بے بصیرت روایت پرستوں پر جنہوں نے ایسی خرافات کو اپنے احاطہ علم میں جگہ دی اور درج کتاب کر دیا

۲۷۔ نبی ﷺ کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح اور قرآن مجید

قرآنِ مجید میں یہ کہیں بھی نہیں ہے کہ نکاح کے لئے ذہنی اور جسمانی بلوغت لازم ہے بلکہ آیت: ﴿وَّالّٰٓـِٔیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ﴾ اور جنھیں حیض نہ آیا ہو۔ (الطلاق:۴) سے معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹی بچی سے نکاح وطلاق کا معاملہ ہو سکتا ہے۔ جنھیں حیض نہ آیا ہو، سے مراد چھوٹی بچیاں ہیں، دیکھئے تفسیر ابن جریر الطبری السُّنی (۹۲/۲۸)

چھ یا سات سال کی عمر میں نکاح اور نو سال کی عمر میں رخصتی والی بات تواتر کے ساتھ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے۔ اسے عروہ بن الزبیر (صحیح بخاری: ۳۸۹۶ وصحیح مسلم: ۱۴۲۲)

اسود بن یزید (صحیح مسلم) یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب (مسند ابی یعلیٰ: ۴۶۷۳ وسندہ حسن) ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف (سنن النسائی ۶ / ۱۳۱ ح ۳۳۸۱ وسندہ حسن) اور عبداللہ بن صفوان رحمہم اللہ (المستدرک للحاکم ۴ / ۱۰ ح ۶۷۳۰ وسندہ صحیح وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی) نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا ہے۔ تابعین کرام میں سے درج ذیل علمائے حق سے اس مفہوم کے اقوال ثابت ہیں:

۱: ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف (مسند احمد ۶ / ۲۱۱ ح ۲۵۷۶۹ وسندہ حسن)

۲: یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب (ایضاً وسندہ حسن)

۳: ابن ابی ملیکہ (المعجم الکبیر للطبرانی ۲۳ / ۲۶ ح ۶۲ وسندہ حسن)

۴: عروۃ بن الزبیر (صحیح بخاری: ۳۸۹۶، طبقات ابن سعد ۸ / ۶۰ وسندہ صحیح)

۵: زہری (طبقات ابن سعد ۸ / ۶۱ وھو حسن)

اور اس مسئلے پر اجماع ہے۔ (دیکھئے البدایہ والنہایہ لابن کثیر ۳ / ۱۲۹)

لہٰذا اس کا انکار کرنا باطل و مردود ہے۔ امام بخاری سے پہلے امام احمد بن حنبل (۶ / ۱۱۸، ۲۸۰) امام حمیدی (المسند: ۲۳۳ بتحقیقی وسندہ صحیح) اور امام شافعی (کتاب الام ۵ / ۱۶۷) وغیرہم نے اس حدیث کو بیان کر رکھا ہے لہٰذا اسے ''بڑا بہتان'' قرار دینا اصل میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر حملہ ہے۔

تنبیہ: اس بات کا ثبوت اخباروں میں مع تصویر موجود ہے کہ نو (۹) سال کی بچی کے ہاں اولاد ہوئی ہے۔ مثلاً دیکھئے روزنامہ جنگ ۱۶ / اپریل ۱۹۸۶ء ص ۵، ۱۴ / جون ۱۹۹۳ء ص ۲

معترض نے چھ سات سال میں نکاح اور نو سال میں رخصتی والی متواتر حدیث کو قرآن سے ٹکرانے کی کوشش کی ہے حالانکہ قرآن مقدس میں یہ کہیں بھی نہیں لکھا ہوا کہ نابالغہ سے نکاح نہیں ہوسکتا یا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا چھ سال کی عمر میں نکاح نہیں ہوا تھا، جب یہ بات قرآن میں موجود ہی نہیں تو کس طرح اسے خلافِ قرآن قرار دیا جا سکتا ہے؟

سورۃ القمر کی ایک آیت: ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ﴾ (۴۶) کے

بارے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مکہ میں نازل ہوئی جب کہ میں کھیلنے والی (بچی) تھی۔ (صحیح بخاری:۴۸۷۶)

یہ آیت مکہ میں کس دور میں نازل ہوئی؟ اس کی کوئی صراحت قرآن، حدیث، اجماع اور آثارِ سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبوت کے پانچویں سال یعنی ۵ نبوی کو پیدا ہوئی تھیں۔ دیکھئے سلیمان ندوی کی کتاب سیرتِ عائشہ (ص۲۰،۲۱)

یکم ہجری کو نو سال کی عمر میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رُخصتی ہوئی تھی، اس لحاظ سے ہجرت سے پہلے والے سال میں آپ آٹھ سال کی تھیں۔ اس حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ آیتِ مذکورہ ۱۲،۱۳،نبوی یا اس سے ایک دو سال پہلے نازل ہوئی تھی۔ منکرینِ حدیث کی تردید کے لئے مفصل بحث پڑھنے کے لئے دیکھئے کتاب: ''عمر عائشہ ؓ کی تحقیق اور کاندھلوی تلبیس کا ازالہ'' ص (۳۱ تا ۳۴) از قلم حافظ ثناء اللہ ضیاء حفظہ اللہ

معترض نے جھوٹ بولتے ہوئے دعویٰ کیا ہے کہ ''قرآن کریم میں نکاح شادی کے لئے بلوغ شرط رکھا گیا ہے'' حالانکہ قرآنِ مقدس میں ایسی کوئی شرط موجود نہیں ہے بلکہ سورۃ الطلاق کی آیت نمبر ۴ سے ثابت ہوتا ہے کہ نکاح شادی کے لئے بلوغ شرط نہیں ہے۔

سورۃ القمر کا پانچویں سال نازل ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ساری سورت ایک دفعہ ہی نازل ہوئی تھی۔ معلوم ہوا کہ آیتِ مذکورہ شق القمر کے موقع پر نہیں بلکہ بعد میں نازل ہوئی تھی۔ یاد رہے کہ اس بات کا کوئی صحیح ثبوت نہیں ہے کہ شق القمر کا واقعہ ۵ نبوی کو ہی ہوا تھا لہٰذا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر پر منکرینِ حدیث کا جمع وتفریق والا اعتراض باطل ہے۔

معترض نے منکرینِ حدیث کی تقلید کرتے ہوئے ''ہوگی'' وغیرہ سے عمرِ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بوقت رخصتی اٹھارہ انیس سال بنا کر ثقہ وصدوق راویوں پر لعن طعن کیا ہے جس کا اسے ان شاء اللہ جواب دینا پڑے گا۔

(۲۸)

﴿۲۸﴾ قرآن مقدس

قرآن پاک میں اہل بیت نبوی کی فضیلت میں کئی آیات نازل ہوئی ہیں اور خاص کر عائشہ صدیقہؓ کے گھر کو تو یہ شرف حاصل ہے کہ نزول قرآن اکے بستر راحت پر ہوا اور ”لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا“ کا مژدہ انکو سنا کر مطمئن کر دیا گیا تاکہ کوئی بادے کے کا ان کے حق کے خلاف بکواس نہ کرے ...

بخاری محدث حجرہ عائشہ کی توہین

کسی شرارتی راوی کی روایت کے پیش نظر امام بخاری باب باندھتے ہیں ”باب ما جاء فی بیوت ازواج النبی ﷺ وما نسب من البیوت الیهن“ بخاری ۱/۴۳۸) تحت الباب ... قال النبی ﷺ خطیبا فاشار نحو مسکن عائشة فقال هنا الفتنة ثلاثا من حیث یطلع قرن الشیطان“

آپ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا اور عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہیں سے فتنہ ہوگا تین مرتبہ فرمایا۔

حالانکہ ”نحو المشرق“ کا جملہ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہوگا لیکن شرارتی اور بد باطن راوی نے ام المومنینؓ کو فتنہ باز ثابت کرنے کیلئے ”نحو مسکن عائشةؓ“ کا جملہ غلط کر دیا جو موجم تو بہر حال واقعہ ہوگا تاکہ فتنہ پرداز اس کے ہاتھ ایک باسند منصوبہ کی بنیاد خود قول نبی ﷺ سے معلوم ہو جائے

افسوس تو امام بخاری پر ہے جس نے بلا تنقیح ہر راوی کے الفاظ کو حرف آخر سمجھ کر بے سوچ حالت میں درج کتاب کر دیا۔

۲۸۔ مشرق یعنی عراق سے شیطان کا سینگ نکلے گا

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ نے عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے گھر کی طرف اشارہ کر کے تین دفعہ فرمایا: فتنہ یہاں سے ہوگا، جہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔ (ح ۳۱۰۴)

اسی حدیث کی دوسری سندوں میں صحیح بخاری میں ہی آیا ہے کہ آپ ﷺ مشرق کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ دیکھئے ح ۳۲۷۹، ۳۵۱۱، ۵۲۹۶، ۷۰۹۳

محدثین کا عموماً اور امام بخاری کا خصوصاً یہ طریقہ ہے کہ ایک حدیث کو ایک جگہ مختصر اور دوسری جگہ مفصل بیان کر دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حدیث حدیث کی تشریح کرتی ہے لہٰذا مطول کو مختصر اور مفصل کو مجمل پر ہمیشہ ترجیح ہوتی ہے۔

اس حدیث میں مشرق سے مراد عراق کا علاقہ ہے جیسا کہ میں نے مفصل اور مدلل طور پر موطأ امام مالک کی شرح (الاتحاف الباسم فی تحقیق الموطأ للامام مالک روایۃ ابن القاسم: ۲۶۷) میں لکھا ہے۔ صحیح بخاری کی درج بالا حدیث درج ذیل کتابوں میں بھی ہے:

صحیح مسلم (۲۹۰۵) مسند احمد (۱۸/۲ ح ۴۶۷۹، ۹۱/۲ ح ۵۶۵۹)

مسند احمد میں آیا ہے کہ آپ (سیدہ) عائشہ کے (گھر کے) دروازے کے پاس کھڑے ہوکر مشرق کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ فرما رہے تھے۔ (ح ۴۶۷۹ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی طرف اشارے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف اشارہ فرما رہے تھے بلکہ یہ منبر سے مشرق: عراق کی طرف اشارہ تھا اور منبر کے سامنے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر تھا۔

معترض نے اپنی جہالت سے اس روایت کو بھی قرآن مقدس کے خلاف قرار دے کر رد کر دیا ہے۔

لطیفہ: صحیح مسلم کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((ولکن یقتله اللّٰه بیده فیریهم دمه في حربته .)) اور لیکن اللہ اسے (دجال کو) آپ (عیسیٰ علیہ السلام) کے ہاتھ سے قتل کرائے گا پھر (عیسیٰ علیہ السلام) لوگوں کو اپنے نیزے پر اس (دجال) کا خون دکھائیں گے۔ (ح ۲۸۹۷، ترقیم دارالسلام: ۷۲۷۸)

اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے ایک منکرِ حدیث ف ح (غازی ضلع ہزارہ، صوبہ سرحد) نے میرے سامنے کہا تھا: "تمھاری حدیث کی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کو قتل کریں گے پھر اس کا خون لوگوں کو دکھائیں گے۔" منکرِ حدیث کے اس خود ساختہ ترجمے پر لوگوں کے سامنے اس کی حقیقت واضح ہوگئی اور بعد میں اسے ذلیل و رسوا کر کے مسجد سے نکال دیا گیا۔ اس منکرِ حدیث کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے معترض اپنے زعمِ باطل میں حدیثِ بخاری کا مصداق سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بنا بیٹھے ہیں حالانکہ اس حدیث کا مصداق سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے مشرق کی طرف عراق کا علاقہ ہے۔

(۲۹)

﴿۲۹﴾ قرآن مقدس

قرآن مقدس شاہد ہے کہ انبیاء کا خواب وحی کی طرح حق ہوتا ہے اور خواب کو اللہ تعالیٰ نبی وحی حق سمجھتا ہے ذرہ برابر تردد نہیں ہوتا اسی لئے اللہ نے خلیل اللہ علیہ السلام کو فرمایا تھا ،،**قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا**،،

بخاری محدث

بخاری کی ایک اور جھوٹی روایت جس میں راویان حدیث کی کی تخریب کاریاں ہیں اور بخاری اپنے قول کے خلاف کر گئے ہیں ،،**عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ أرتيك في المنام مرتين اذرجل يحملك في سرقة حرير فيقول هذه امرء تك فاكشفها فاذا هي انت فاقول ان يكن هذا من عندالله سيفه** (بخاری ۲/۷۶۰)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ دو مرتبہ تو مجھے خواب میں دکھائی گئی ہے کوئی ایک مرد ہے جو تجھے ریشمی ٹکڑے میں اٹھالایا اور کہنے لگا یہ تیری عورت ہے پس میں اسکو کھول کر دیکھتا ہوں تو اچانک تو ہی تھی تو پھر میں نے کہا کہ اگر یہ مرد اس شکل کو اللہ کی طرف سے لایا ہے تو پھر ایسا ہی ہوگا یہ میری بیوی ہی ہوگی ...

اب اس بات کو بھی رہنے ہی دیجئے کہ کوئی مرد غیر محرم صدیقہؓ کی تصویر کو کس طرح اٹھالایا؟ اگر فرشتہ ہوتا تو آپ ﷺ ضرور فرماتے کہ وہ مرد جبریل تھا نہ بلکہ فرمایا کوئی مرد تھا؟ اور اسکو بھی رہنے دیجئے کہ تصویر کشی کرنے والوں پر آپ ﷺ نے لعنت کیوں فرمائی؟ اگر اللہ کیطرف سے تھی تو تصویر کشی جائز ہوتی؟

سر دست دیکھنا یہ ہے کہ نبی کریم کا خواب تو یقیناً وحی ہوتا تھا پھر آپ ﷺ نے وحی کے اندر اگر کی قید کیوں لگائی کہ اگر یہ اللہ کیطرف سے ہے تو پھر یہ ضرور میری بیوی ہوگی کیا پیغمبر کو وحی میں شک پڑ گیا تھا؟ پھر بخاری کو اتنا ذہول ہو گیا کہ اپنا لکھا ہوا بھی یاد نہ رہا جہاں لکھا تھا کہ ،،**رؤيا الانبياء وحي**،، کیا رواۃ کے آگے اتنا بے بس ہو گئے تھے تو پھر بات وہی ثابت ہوئی کہ روایات کے جمع کرنے کے شوق میں محدثین روایت کے پس وپیش کا خیال نہیں کیا کرتے اور قرآن مقدس کو قانونی حیثیت بھی نہیں دیتے

۲۹۔ نبی ﷺ کا خواب اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے تجھے نیند میں دو مرتبہ دیکھا ہے، ایک آدمی تجھے (یعنی تیری تصویر کو) ریشم کے کپڑے میں اُٹھائے ہوئے ہے پھر کہتا ہے: یہ آپ کی بیوی ہے، میں اسے کھولتا ہوں تو وہ تُو ہے پھر میں کہتا ہوں: اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو ہو کر رہے گا۔ (صحیح بخاری: ۵۰۷۸، عن ہشام عن ابیہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا)

یہی حدیث اسی سند کے ساتھ صحیح بخاری میں دوسری جگہ آئی ہے جس میں لکھا ہوا ہے:

تجھے فرشتہ ریشم کے لباس میں لاکر مجھے کہتا ہے: یہ آپ کی بیوی ہے۔ الخ (ح ۵۱۲۵)

معلوم ہوا کہ حدیثِ سابق میں آدمی سے مراد فرشتہ ہے جو کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرتا ہے۔

یہ حدیث صحیح بخاری کے علاوہ درج ذیل کتابوں میں بھی ہے:

صحیح مسلم (۲۴۳۸) مسند احمد (۴۱/۶، ۱۲۸، ۱۶۱) سنن الترمذی (۳۸۸۰ من طریقِ آخر عن ابن ابی ملیکہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا)

اس صحیح حدیث کو کذاب معترض اپنے باطل زعم میں قرآن کے خلاف قرار دے کر کہتا ہے:

''اب اس بات کو بھی رہنے ہی دیجئے کہ کوئی مرد غیر محرم صدیقہؓ کی تصویر کو کس طرح اٹھا لایا؟ اگر فرشتہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور فرماتے کہ وہ مرد جبریل تھا.....'' (...محدث ص ۶۱)

عرض ہے کہ حدیث میں تو صراحت ہے کہ وہ فرشتہ تھا اور ہر فرشتہ جبریل نہیں ہوتا پھر خواب کو ہر وقت حالتِ بیداری پر قیاس کرنا عقلاً ونقلاً دونوں طرح سے غلط ہے۔ جب آپ نے خواب میں گائیں ذبح ہوتی دیکھی تھیں تو کیا اس سے مراد گائیوں کا ہی ذبح ہونا تھا یا یہ صحابۂ کرام کی شہادت تھی؟ دیکھئے صحیح بخاری کتاب التعبیر باب ۳۹ ح ۷۰۳۵

بعض اوقات خواب کا حقیقی معنی مراد نہیں ہوتا جیسے قمیص گھسیٹنے سے مراد دین اور دودھ سے مراد علم ہے۔ آپ خواب سے یہ سمجھے کہ شاید اس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی کا اشارہ ہے اسی وجہ سے آپ نے اگر کے مفہوم والے الفاظ بیان فرمائے۔

سورۃ الصّٰفّٰت کی آیت نمبر ۱۴۷ میں ﴿مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ﴾ میں اَوْ (یا) یعنی بظاہر شک کا لفظ آیا ہے، اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کا صحیح مفہوم اور محمل بیان کیا جائے گا تو حدیث صحیح کا صحیح مفہوم ومحمل بیان کرنے سے کیا چیز مانع ہے؟

(۳۰)

﴿۲۰﴾ قرآن مقدس

قرآن مقدس میں اللہ کریم نے انبیاء علیہم السلام کو عموماً اپنے مقام رفیع پر نبی ﷺ کے امتی لوگوں کیلئے بھی اللہ نے فرمایا ،،أولٰئک هم الصدیقون،، کہ یہ لوگ خطاً بھی جھوٹ نہیں بولتے اور خاص کر خلیل اللہ علیہ السلام کے متعلق تو فرمایا ،،انه کان صدیقاً نبیاً،، کہ وہ بھول کر بھی جھوٹ بولنے والا نبی نہ تھا بلکہ صد سچائی والا نبی تھا

بخاری محدث ابراهیم پر تهمت

لیکن بخاری صاحب خلیل اللہ علیہ السلام کو جھوٹ بولنے والا نبی روایت کرتا ہے ،،لم یکذب ابراهیم الا ثلث کذبات،،

(بخاری ۲/۷۶۱)

حالانکہ جن باتوں کو کذاب راوی نے جھوٹ کہا ہے وہ قطعاً سچ ہیں ایک بھی ان میں نہ توریہ ہے اور نہ جھوٹ ۔ لیکن بد دماغ رواۃ کا چونکہ اپنا وطیرہ ہی جھوٹ ہے اس لئے ایک پاک طینت جد الانبیاء ابو محمد ﷺ ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت کو اپنی ہم سرشتی میں ملانا چاہتے تھے جبکہ قرآن مقدس میں نص قطعی کے طور پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توریہ اور جھوٹ کے عیب سے براءت ذکر فرمائی ہے اور فرمایا ،،واذکر فی الکتاب ابراهیم انه کان صدیقا نبیا صادق نہیں فرمایا بلکہ صدیق فرمایا جس کسی کو بھی اللہ کیطرف سے صدیق کا لقب عطا ہوا ہے تو تاریخ عالم اور سیر عالم میں کوئی ایک مثال نہیں ملتی کہ اس صدیق نے بھول کر بھی کبھی جھوٹ بولا ہو بلکہ یوسف صدیق نے تو خواب کی تعبیر میں بھی توریہ یا جھوٹ سے کام نہیں لیا تھا سچ ہی سچ تھا... الا یہ کہ امام بخاری ہی ہیں جنہوں نے لعنتی راویوں پر اتفاق کر کے صدیق اکبر ابراہیم علیہ السلام کے متھے ایک ہی نہیں بلکہ تین جھوٹ لگاتے ہیں ،،لعنة الله علی الکاذبین،،

رہا ظالم بادشاہ والا افسانہ اور حضرت کا بیوی سارہ کو اختی کہنا تو وہ سرے سے ساری داستان ہی جھوٹی اور بکواس ہے نہ کوئی ایسا واقعہ پیش آیا اور نہ ابراہیم نے ایسا فرمایا وہ بھی ساری شرارت رواۃ کی ہے حقیقت کچھ بھی نہ ہے

03066859380

۳۰۔ سچے نبی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا توریہ اور کذبات

ایک صحیح حدیث میں کذباتِ ابراہیم الخلیل علیہ السلام کا ذکر آیا ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ (صحیح بخاری: ۵۰۸۴)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ یہ روایت درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

صحیح مسلم، مسند احمد، سنن ابی داود، السنن الکبریٰ للنسائی، صحیح ابن حبان، سنن الترمذی، تفسیر ابن جریر الطبری، مسند عبداللہ بن المبارک المروزی (ح ۱۱۰) کتاب التوحید لابن خزیمہ، مصنف ابن ابی شیبہ اور مسند ابی عوانہ، ان کتابوں کے حوالے آگے آرہے ہیں۔ ان شاء اللہ

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ اس حدیث کو سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی بیان کیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک شخص نے راقم الحروف کو خط لکھا تھا، یہ سوال و جواب ماہنامہ الحدیث حضرو شمارہ: ۱۰ ص ۲۵ تا ۲۸ میں چھپا تھا لہٰذا وہی جواب قارئین کے لئے دوبارہ پیشِ خدمت ہے:

” حدیث کذبات اور توریہ

”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم محترم حافظ زبیر علی زئی صاحب السلام علیکم!

گذارش ہے کہ کچھ دنوں سے ہماری سکول کلاس میں (صحیح) بخاری کی حدیث کذبات ابراہیم علیہ السلام کا بہت چرچا ہو رہا ہے۔ لوگ کہتے ہیں قرآن کریم میں آپ کو ”صدیقًا نبیًّا“ کہا گیا ہے اور حدیث میں آپ کی طرف جھوٹ منسوب ہوا ہے، اس لیے یہ اس بخاری کو نہیں مانتے اور اسی وجہ سے یہ کتاب اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا درجہ نہیں رکھتی۔ اس کے متعلق آپ بالوضاحت مضمون لکھیں۔ آپ کی خدمت میں ایک گذارش ہے براہِ کرم اس کام کو جلد سرانجام دیں۔ اللہ آپ کے علم میں اور اضافہ فرمائے۔ (آمین)

والسلام محمد ارسلان ستار طالب علم (کلاس نہم)“

الجواب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کذباتِ ابراہیم علیہ السلام والی حدیث، مختلف الفاظ کے ساتھ درج ذیل صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے مروی ہے:

۱: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

۲: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ

۳: سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث درج ذیل تابعین عظام رحمہم اللہ اجمعین سے مروی ہے:

۱: محمد بن سیرین البصری (ثقہ ثبت عابد کبیر القدر، توفی ۱۱۰ھ/تقریب التہذیب: ۵۹۴۷ ملخصاً)

۲: عبدالرحمٰن بن ہرمز الأعرج (ثقہ ثبت عالم، توفی: ۱۱۷ھ/تقریب: ۴۰۳۳)

۳: ابو زرعہ بن عمرو بن جریر (ثقہ/تقریب: ۸۱۰۳)

محمد بن سیرین سے درج ذیل راویوں نے یہ حدیث بیان کی ہے:

۱: ایوب بن ابی تمیمہ السختیانی (ثقہ ثبت حجۃ، توفی ۱۳۱ھ/تقریب: ۶۰۵)

☆ صحیح بخاری کتاب احادیث الأنبیاء باب ۸ ح ۳۳۵۷ وصحیح مسلم، کتاب الفضائل باب ۴۱ ح (۶۱۴۵) ۲۳۷۱/۱۵۴

۲: ہشام بن حسان البصری

(ثقہ رالخ توفی ۱۴۷، أو ۱۴۸ھ رتقریب: ۷۲۸۹ وانظر طبقات المدلسین: ۳/۱۱۰)

☆ ابوداود فی سننہ (۲۲۱۲) والنسائی فی السنن الکبریٰ (۵/۹۸ ح ۸۳۷۴ والنسخۃ المحققۃ ۷/۳۹۶ ح ۸۳۱۶) وابن حبان فی صحیحہ (الاحسان: ۷/۴۹۵ ح ۵۷۰۷ والنسخۃ المحققۃ ۱۳/۴۵ ـ ۴۷ ح ۵۷۳۷) وابن جریر الطبری فی تفسیرہ (۲۳/۴۵) وابو یعلی فی مسندہ (۶۰۳۹)

عبدالرحمٰن بن ہرمز الأعرج سے درج ذیل راوی نے یہ حدیث بیان کی ہے:

۱: ابوالزناد (عبداللہ بن ذکوان المدنی (ثقہ فقیہ: توفی ۱۳۰ھ أو بعدھا رتقریب: ۳۳۰۲)

☆ أحمد فی مسندہ ۲/۴۰۳ ح ۹۲۳۰ والنسخۃ المحققۃ ۱۵/۱۳۱ ـ ۱۳۴ ح ۹۲۴۱) والترمذی (۳۱۶۶) وقال: ''حسن صحیح''

والطبری فی تفسیرہ (۲۳/۴۵ وسندہ حسن) ورواہ البخاری (۲۲۱۷) مختصراً جداً۔

ابوزرعہ بن عمرو بن جریر سے درج ذیل راوی نے یہ حدیث بیان کی ہے:

۱: ابوحیان التیمی الکوفی (ثقہ عابد، توفی ۱۴۱ھ رتقریب: ۷۵۵۵)

☆ البخاری فی صحیحہ (۳۳۶۱، ۴۷۱۲) ومسلم فی صحیحہ ([۴۸۰] ۱۹۴/۳۲۷) وعبداللہ بن المبارک المروزی فی مسندہ (۱۱۰) وأحمد فی مسندہ (۲/۴۳۵، ۴۳۶ ح ۹۶۲۱ والنسخۃ المحققۃ ۱۵/۳۸۴ ـ ۳۸۷ ح ۹۶۲۳ وسندہ صحیح)

والنسائی فی الکبریٰ (۶/۳۷۸، ۳۷۹ ح ۱۱۲۸۶ والمحققۃ ۱۰/۱۴۸ ـ ۱۵۰ ح ۱۱۲۲۲)

وابن خزیمۃ فی کتاب التوحید (ص ۲۴۲ ـ ۲۴۴ والمحققۃ ۲/۵۹۴ ـ ۵۹۶ ح ۳۴۷)

وابن ابی شیبہ فی المصنف (۱۱/۴۴۴ ح ۳۱۶۶۵) والترمذی (۲۴۳۴ وقال: ھذا حدیث حسن صحیح) وابوعوانہ فی صحیحہ (المستخرج علی صحیح مسلم ۱/۱۷۰ ـ ۱۷۴)

○ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے درج ذیل راوی نے یہ حدیث بیان کی ہے:

۱: قتادہ بن دعامہ البصری (ثقہ ثبت، توفی ۱۱۱تا۱۱۹ھ/ انظر التقریب: ۵۵۱۸)

☆ النسائی فی الکبریٰ (۶/ ۴۴۰، ۴۴۱ ح ۱۱۴۳۳ والمحققۃ ۱۰/ ۲۳۱، ۲۳۲ ح ۱۱۳۶۹)

وسندہ حسن، وقتادۃ صرح بالسماع

○ سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ

☆ الترمذی (۳۱۴۸/۱۸ وقال: حسن) وابو یعلی فی مسندہ (۲/ ۳۱۰ ح ۱۰۴۰)

تنبیہ: یہ روایت علی بن زید بن جدعان کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

○ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

☆ احمد فی مسندہ (۱/ ۲۸۱، ۲۸۲ ح ۲۵۴۶، ۱/ ۲۹۵، ۲۹۶ ح ۲۶۹۲ والمحققۃ ۴/ ۳۳۰۔ ۳۳۲ ح ۲۵۴۶، ۴/ ۴۲۷۔ ۴۲۹ ح ۲۶۹۲) وابو داود الطیالسی فی مسندہ (۲۷۱۱، ومنحۃ المعبود ۲/ ۲۲۶، ۲۲۷ ح ۲۷۹۸)

تنبیہ: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ اس کا ایک راوی علی بن زید بن جدعان: ضعیف ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۴۷۳۴)

موقوف روایات

۱: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

☆ صحیح البخاری (۳۳۵۸) والنسائی فی الکبریٰ (۵/ ۹۸، ۹۹ ح ۸۳۷۵ والمحققۃ ۷/ ۳۹۷ ح ۸۳۱۷ وسندہ صحیح) والطبری فی تفسیرہ (۲۳/ ۴۵)

آثار التابعین

۱: محمد بن سیرین

☆ الطبری فی تفسیرہ (۲۳/ ۴۵) وسندہ صحیح

اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ کذباتِ ابراہیم علیہ السلام والی حدیث، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بذریعہ

دوصحابیوں سیدنا ابوہریرہ اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہما ثابت ہے۔
اسے امام بخاری کے علاوہ امام مسلم، امام ترمذی، امام ابن حبان، امام ابوعوانہ وغیرہم نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔ رحمہم اللہ اجمعین

یہ حدیث امام بخاری (پیدائش: ۱۹۴ھ وفات: ۲۵۶ھ) کی پیدائش سے پہلے امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ (وفات: ۱۸۱ھ) نے بیان کررکھی ہے۔ ان کے علاوہ امام بخاری کے اساتذہ مثلاً امام احمد بن حنبل، امام ابن ابی شیبہ، معاصرین مثلاً امام ابوداود وغیرہ اور بعد والے محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔ [رحمہم اللہ اجمعین]

کسی محدث نے اس حدیث پر جرح نہیں کی اور نہ کسی سے اس کا انکار ثابت ہے۔
رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد، صحابہ وتابعین سے بھی یہی روایت ثابت ہے۔ اس صحیح روایت کا مفہوم صرف یہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تین مقامات پر توریہ فرمایا تھا، جسے تعریض بھی کہتے ہیں۔ اور ایسا کرنا شرعاً جائز ہے۔ اس توریہ کو حدیث میں کذبات کہا گیا ہے۔ اہلِ حجاز کی لغت میں توریہ کو کذب بھی کہتے ہیں۔
دیکھئے فتح الباری (ج۶ص ۳۹۱ تحت ح ۳۳۵۸)
وتفسیر ابن کثیر (۳۴۹/۵ سورۃ الصّٰفّٰت: ۸۹) وشروح احادیث وکتبِ لغت وغیرہ،
والسلام زبیر علی زئی (۳۰ ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ) "

معلوم ہوا کہ حدیث بھی صحیح اور سچی ہے اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام سچے صدیق رسول ہیں۔
توریہ کی وجہ سے انھیں جھوٹا کہنا یا صحیح حدیث کا انکار کر دینا ان لوگوں کا کام ہے جو انکارِ حدیث کے ساتھ قرآن کو بغیر رسول کے خود اپنی عقلوں اور تحریفات کے ساتھ سمجھنا چاہتے ہیں۔ یہاں پر منکرِ حدیث معترض نے اونٹوں کے پیشاب اور دودھ پینے والی روایت کو جھوٹی روایت قرار دیا ہے۔ (...محدث ص ۶۴) اس کا جواب آگے حدیث نمبر ۳۱ کے تحت آ رہا ہے۔ والحمد للہ

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بطورِ توریہ فرمایا تھا:

① میں بیمار ہوں

② انھیں بڑے بت نے توڑا ہے

③ سارہ میری (دینی) بہن ہے۔

ان میں سے دو باتوں کا ذکر قرآن میں اور تیسری بات کا ذکر صحیح حدیث میں ہے۔

(۳۱)

﴿۳۱﴾ قرآن مقدس

قرآن پاک میں مسلمان کیلئے حرام اور پلید چیزوں کے استعمال سے دور رہنے کا حکم ہے اور حلال طیب استعمال کرنے کا حکم ہے ،، **کُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا**،، اور نبی علیہ السلام نے حرام اشیاء سے دور رہنے کا حکم دیا اور اندرونی بیرونی پلیدی سے صحابہ کا تزکیہ فرمایا **یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ**،، نجس اور پلید اشیاء کو ان پر حرام الاستعمال کہا

بخاری محدث نبی ﷺ پر جھوٹ

لیکن بخاری میں ایک اور جھوٹی روایت جس میں اللہ کے رسول ﷺ پر صریح جھوٹ ہے کہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو اونٹوں کے پیشاب پینے کا حکم دیا تھا قبیلہ عقل کے لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے مدینہ عالیہ مقام صفہ میں ٹھرائے گئے آب وہوا کے موافق نہ آنے کی وجہ سے بیمار پڑ گئے تو آپ ﷺ نے انکو حکم دیا کہ صدقہ کے اونٹ جہاں رہتے ہیں وہاں چلے جاؤ اور وہاں اونٹوں کا پیشاب بھی پیو اور دودھ بھی پیو ،، **فامرهم ان یاتوا ابل الصدقة فیشربوا من ابوالها والبانها**،،

(بخاری ۲/۱۰۰۵)

امام بخاری کو اتنا بھی خیال نہیں آیا کہ میں راویوں کی مرض کی تحقیق پہلے کر لوں کہ ایسا روایت کر کے کیا کرنا چاہتے ہیں کسی کو مغالطہ ہوا ہے یا اپنی تیرہ قلبی اور کینے وری کا ثبوت دے رہے ہیں کہ جس حرام میں اللہ نے شفا بھی نہیں رکھی اور جو پیشاب بدن اور کپڑوں کو پلید کر دیتا ہے آپ ﷺ مسلمان انسان کو اسکے پی لینے کا حکم کس طرح دے سکتے ہیں!

یا امام بخاری کی بے نظری اور حلال حرام کی حقیقت سے ناواقفی اور اس سے بے پرواہی کی دلیل تو نہ بنے گی؟ یا روایات جمع کرنے کی دھن میں وہ بیا کر گئے ہیں؟ ورنہ اس روایت کے بعد والی روایت میں خود درج کیا ہے کہ ان لوگوں نے کہا تھا ،، **ابغنا رسلاً یا رسول الله**،، ہمیں دودھ چاہیے تو آپ ﷺ نے فرمایا یہاں دودھ تو نہیں ہے وہاں صدقہ کے اونٹ کے مقام پر چلے جاؤ وہاں دودھ حاصل ہو جائیگا چنانچہ وہ گئے تو از خود پیشاب پینے لگ گئے آپ ﷺ نے کوئی حکم نہ دیا تھا ،، **فاتوها فشربوا من البانها وابوالها**،، تو امام بخاری کو کیا فائدہ ہوا کہ ایسی روایات صرف تکثیر روایات کیلئے جمع کر دیں....

۳۱۔ بیماری کے علاج کے لئے اونٹوں کے دودھ اور پیشاب کا پینا

صحیح بخاری کی ایک روایت میں آیا ہے کہ کچھ لوگ بیمار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پینے کا حکم دیا تھا۔ اس حدیث پر بھی معترض منکرِ حدیث نے اعتراض داغ دیا ہے۔ اس جیسے ایک دوسرے مجرم نے بھی اس حدیث پر اعتراض کیا تھا لہٰذا ''صحیح بخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ'' کتاب سے مجرم کا اعتراض اور پھر اس کا جواب پیشِ خدمت ہے:

'' مجرم (۱٦): ''مدینہ آنے والے کچھ لوگ بیمار ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ اونٹوں کے چرواہے کے پاس چلے جائیں اور اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پیتے رہیں۔ وہ لوگ تندرست ہو گئے تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہانک کر لے گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے

آدمی انھیں پکڑ لائے۔ ان کے ہاتھ پیر کٹوا دیئے گئے اور ان کی آنکھوں میں سلائی پھروا دی گئی۔ ایک حدیث میں ہے کہ ان کی آنکھیں نکلوا دی گئیں پھر ان کو تپتی ریت پر لٹا دیا گیا۔ وہ پیاس کی شدت سے پانی مانگتے تھے اپنی زبان سے زمین چاٹتے تھے لیکن انھیں پانی نہیں دیا جاتا تھا یہاں تک کہ وہ مر گئے۔

(بخاری کتاب الطب۔ صفحہ ۴۲۵)

صاحبو! کیا رحمت للعالمین ﷺ ایسی ایذاء رسانی فرما سکتے تھے! کیا اونٹنی کا پیشاب لوگوں کو پلا سکتے تھے؟ کیا یہ دشمنانِ اسلام کی سازش نہیں ہے؟'' (اسلام کے مجرم ص ۳۶، ۳۷)

الجواب: یہ لوگ جنھیں اس طرح قتل کیا گیا قاتل اور چور تھے، کافر اور دشمنانِ اسلام تھے، انھوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا تھا اور اللہ و رسول سے جنگ کی تھی۔ دیکھئے صحیح بخاری (۲۳۳) انھوں نے صحابۂ کرام کو شہید کیا تھا اور ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر دی تھیں۔ دیکھئے صحیح مسلم (۱۶۷۱ و ترقیم دار السلام: ۴۳۶۰)

معلوم ہوا کہ انھیں قصاص میں قتل کیا گیا تھا۔ سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۳۳ کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ و رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد بپا کرتے ہیں تو انھیں قتل اور سولی کی سزا دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیئے جائیں یا انھیں جلاوطن کر دیا جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ''اور اگر تم سزا دو تو ویسی ہی سزا دو جیسی تمھیں دی گئی تھی۔'' دیکھئے سورۃ النحل: ۱۲۶

مرتدین و مفسدین کے قتل والی اس حدیث کو سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے درج ذیل تابعین نے روایت کیا ہے:

۱: ابو قلابہ (صحیح بخاری و صحیح مسلم و مسند احمد ۳/ ۱۶۱، ۱۸۶، ۱۹۸)

۲: قتادہ (صحیح بخاری و صحیح مسلم و مسند احمد ۳/ ۱۶۳، ۱۷۰، ۱۷۷، ۲۸۷، ۲۹۰)

۳: ثابت البنانی (صحیح بخاری: ۵۶۸۵)

۴: عبدالعزیز بن صہیب (صحیح مسلم: ۱۶۷۱، دار السلام: ۴۳۵۴)

۵: حمید الطویل (صحیح مسلم: ۴۳۵۳ و مسند احمد ۳/ ۱۰۷، ۲۰۵)

۶: معاویہ بن قرہ (صحیح مسلم: ۱۶۷۱/۱۳۵۸)

۷: یحیٰی بن سعید (سنن النسائی ۱۰۰/۷، ۱۶۰۷ ح ۴۰۳۰ وأعلہ بعلۃ غیر قادحۃ، ۹۸/۷ ح ۴۰۴۰)

۸: سلیمان التیمی (صحیح مسلم: ۱۶۷۱ وسنن الترمذی: ۷۳ وقال: غریب)

معلوم ہوا کہ یہ حدیث سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے متواتر ہے۔

سعید بن جبیر تابعی نے بھی اس مفہوم کی روایت بیان کی۔ (تفسیر ابن جریر ۱۳۳/۶، ۱۳۴ وسندہ صحیح)

تنبیہ: روایتِ مذکورہ، حدود کے نزول سے پہلے کی ہے اور منسوخ ہے۔
دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی (۶۹/۹، ۷۰)

رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مظلوم صحابہ کی دردناک شہادت کا انتقام لے لیا تو اس میں ایذا رسانی کی کیا بات ہے؟ رہا بیمار کے لئے اونٹ کے دودھ اور پیشاب کا مسئلہ تو اس کا تعلق طب سے ہے۔ حکیم محمد نجم الغنی رامپوری کی مشہور کتاب خزائن الادویہ میں اونٹ کے باب میں لکھا ہوا ہے کہ ''پیشاب اسکا استسقاء کے لئے نہایت موثر ہے۔'' (ج ۲ ص ۲۱۸)

معلوم ہوا کہ یہ مشہور صحیح حدیث دشمنانِ اسلام کی سازش نہیں ہے بلکہ سازشی تو وہ لوگ ہیں جو دن رات عام مسلمانوں کو قرآن وحدیث سے ہٹا کر اپنے پیچھے چلانا چاہتے ہیں۔''

(۳۲)

﴿۲۲﴾ قرآن مقدس

قرآن پاک میں صحابہ کرامؓ کے **معفو عنھم** اور **مغفور لھم** اور **مرضی عنھم** کے علاوہ ہمیشہ کیلئے پاک صاف ہونے کے لیے اللہ نے بیسیوں آیات نازل کر کے انکو پیغام مسرت فرمایا اور وہ ہمیشہ کیلئے **"اُولٰئک حزب اللہ"، "اُولٰئک ھم المؤمنون حقا"، "اُولٰئک ھم المتقون"، "اُولٰئک ھم الرّاشدون"** کے القاب سے ملقب کئے گئے اور اللہ کے رسول ﷺ انکی طرف سے مطمئن ہو کر وفات یافتہ ہوئے۔۔

بخاری محدث صحابہؓ پر بدعت کا فتویٰ

لیکن بخاری کی کتاب نے صحابہ کرامؓ کو معاف نہیں کیا آپ کی وفات کے بعد انہی صحابہؓ کو دور ارتداد میں داخل کرنے اور قرآن کی صریح بغاوت کیے بخاری صاحب نے روایات کے ذریعہ انکو بری طرح بدنام کرنے کی نامراد کی ہے اور کہا، **"لیردنّ علی ناس من اصحابی الحوض حتی عرفتھم اختلجوا دونی فاقول اصحابی فیقول لا تدری ما احدثوا بعدک"۔ (بخاری ۲/۹۷۴)**

حوض کوثر پر میرے اصحاب کی جماعت میرے پاس آئیگی (جنکو میں نے زندگی میں کہا، **"موعدکم الحوض"**) اور میں انکو پہچان بھی لوں گا تو اچانک وہاں سے اچک لئے جائیں گے تو میں کہوں گا یہ تو میرے صحابہؓ ہیں انکو کیوں مجھ سے دور کیا جا رہا ہے تو مجھے اللہ کہیگا کہ آپ کو پتہ نہیں کہ آپ کی موت کے بعد انہوں نے کیا کیا بدعات وارتداد کے فتنے جاری کیے تھے۔۔ یہ حال ہے امام بخاری کی قرآن فہمی کا اور قرآن کے روایات پر مقدم رکھنے کا اور اتنا بھی نہ سوچا کہ قرآن تو کہہ رہا ہے، **"یدخلون فی دین اللہ افواجا"**۔ کہ آپ کی وفات کے قریب تو لوگ فوج در فوج اور بھی دین میں داخل ہو جائیں گے۔ اور میرے راوی کیا بکواس کر رہے ہیں کہ جنہیں پہلے اور قدیم صحابہؓ کی جماعت بھی بدعت وارتداد میں چلی جائیگی **العیاذ باللہ**۔ یہی بکواس تو روافض کے مذہب کی بنیاد تھی جو زہری [illegible] ایسے حلال خوروں نے امام بخاری کا مذہب بھی یہی ثابت کرنا چاہا ہے روافض کا بھی متفقہ مذہب شیطانی یہ ہے کہ، **"ارتد اصحاب النبی ﷺ بعد وفاتہ الا ثلاثۃ"**۔ کہ علی، سلمان، مقداد، کے علاوہ سب صحابہؓ مرتد ہو گئے تھے۔۔۔

۔۔۔معاذ اللہ من۔۔

۳۲۔ نبی ﷺ کی وفات کے بعد بعض لوگوں کا مرتد ہو جانا

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میرے اُصیحابیوں (اُمتیوں) میں سے کچھ لوگ حوض (کوثر) پر آئیں گے جنھیں میں پہچان لوں گا پھر وہ مجھ سے دور کر دیئے جائیں گے تو میں کہوں گا: یہ میرے ساتھی (اُمتی) ہیں تو کہا جائے گا: آپ کو پتا نہیں کہ انھوں نے کیا نئی چیزیں نکالی تھیں۔ (صحیح بخاری:۶۵۸۲)

صحیح بخاری کے علاوہ یہ روایت درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

صحیح مسلم (۲۳۰۴) مسند احمد (۳/۱۴۰، ۲۸۱) مسند عبد بن حمید (۱۲۱۳)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ اس حدیث کو درج ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی

بیان کیا ہے:

① سہل بن سعد الساعدی (صحیح بخاری:۶۵۸۳،صحیح مسلم:۲۲۹۰،مسند احمد ۳/۲۸۱،۱۴۰)

② ابو ہریرہ (صحیح بخاری: ۶۵۸۵، ۲۳۶۷،صحیح مسلم:۲۳۰۲،مسند احمد ۲/۲۹۸،مسند اسحاق بن راہویہ: ۵۶،۵۷)

③ عبداللہ بن مسعود (صحیح بخاری:۶۵۷۶،صحیح مسلم:۲۲۹۷)

④ اسماء بنت ابی بکر (صحیح بخاری:۶۵۹۳،صحیح مسلم:۲۲۹۳)

⑤ عبداللہ بن عباس (صحیح بخاری:۲۵۲۶،صحیح مسلم:۲۸۶۰،مسند احمد ۱/۲۳۵ح ۲۰۹۶،مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۵۷،۱۳/۲۴۷،صحیح ابن حبان:۷۳۴۷)

⑥ اصحاب النبی ﷺ (صحیح بخاری:۶۵۸۶)

⑦ عائشہ (صحیح مسلم:۲۲۹۴،دارالسلام:۵۹۷۳)

⑧ اُم سلمہ (صحیح مسلم:۲۲۹۵)

⑨ ابو سعید الخدری (صحیح بخاری:۶۵۸۴) رضی اللہ عنہم اجمعین۔

معلوم ہوا کہ حوضِ کوثر سے بعض مرتدین اور مبتدعین کے ہٹائے جانے والی حدیث متواتر ہے۔ یہ کون لوگ ہوں گے؟ اس سے دو گروہ مراد ہیں:

① بعض مرتدین جن سے سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے قتال کیا تھا۔ یاد رہے کہ یہ صحابہ نہیں ہیں۔

② اُمت کے بعض مبتدعین جیسا کہ صحیح بخاری (۶۵۹۳) اور صحیح مسلم (۲۲۹۳) کی روایت سے ثابت ہے۔

مذکورہ حدیث سے معترض کا یہ کشید کرنا کہ صحابۂ کرام کی جماعت میں بدعت وارتداد ثابت ہوتا ہے، صحیح احادیث اور فہم سلف صالحین کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ نیز دیکھئے حدیث نمبر:۳۳

(۳۳)

﴿۳۳﴾ قرآن مقدس

قرآن مقدس سے اگر صحابہؓ کا نام نکال لیا جائے تو قرآن مقدس کا مفہوم سمجھنا آ
سکے کیونکہ قرآن مقدس کا تقدس اصحاب رسول ﷺ کے ساتھ ہی ثابت ہے
یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ کی پاک طینت کا تذکرہ قرآن میں بے شمار ہے انکی
پاکیزگی جس قدر قرآن نے بیان کی ہے اتنی کوئی کتاب نہیں کر سکتی۔ قرآن
نے جس طرح قیامت میں نبی اللہ سے ہر قسم کی ندامت سے پاکیزگی بیان کی
ہے اسی طرح اصحاب رسول ﷺ سے بھی بیان کی ہے ،، **یَوْمَ لَا یُخْزِی**
اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا کا مژدہ صریح ہے

بخاری محدث

لیکن برا ہو عقل راویوں کا جنہوں نے ایسی چابکدستیوں سے امام بخاری کو بھی
صحابہ کرام پر بدظن کر دیا وہ بھی بے سوچے سمجھے روایت نقل کر دیتے ہیں اور
اصحاب النبی ﷺ کی پاک طینت کو عیب ناک کر کے ہی چھوڑا ہے کہ ،، **یرد**
علی یوم القیامۃ رھط من اصحابی فیحلئون عن
الحوض فاقول یا رب اصحابی فیقول انک لا علم
لک بما احدثوا بعدک انھم ارتدوا علی ادبارھم
القھقری،،(بخاری ۲/۹۷۲ کتاب الحوض)
قیامت کے دن حوض کوثر پینے کیلئے میرے اصحاب میں سے ایک گروہ آئیگا تو
انکو حوض سے دھکیل دیا جائیگا تو میں کہوں گا اے رب یہ تو میرے اصحاب ہیں تو
اللہ تعالیٰ فرمائے گا تجھے انکا کوئی علم نہیں جو انہوں نے تیرے بعد فتنہ انگیزی
کی تھی تیرے بعد یہ لوگ دین حق سے برابر الٹے پاؤں پھرتے رہے۔ نہ ہری
راوی نے بخاری کو اتنا اعتماد میں لے رکھا تھا کہ بخاری صاحب کو صحابہؓ کی
حیثیت عربی قرآن سے معلوم کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا.....

۳۳۔ حوضِ کوثر اور بعض اُمتیوں کا اس سے ہٹایا جانا

یہ وہی حدیث ہے جس میں آیا ہے کہ کچھ اُمتیوں کو حوضِ کوثر سے دُور ہٹایا جائے گا۔ اس کی تخریج حدیثِ سابق (۳۲) میں گزر چکی ہے۔ اس میں اصحابی سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب صحیح بخاری و صحیح مسلم کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ یہ (بعض) اُمتی ہیں۔ اگر یہ پوچھا جائے کہ آپ اپنے اُمتیوں کو کس طرح پہچانیں گے؟ تو عرض ہے کہ اعضائے وضو کے چمکنے کی وجہ سے آپ اپنے اُمتیوں کو پہچان لیں گے۔ دیکھئے صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ باب استحباب اطالۃ الغرۃ والتحجیل فی الوضوء (ح ۲۴۶ تا ۲۵۰، دارالسلام: ۵۷۹ تا ۵۸۴)

تنبیہ (۱): صحیح بخاری کی روایت مذکورہ (۶۵۸۵، ۶۵۸۶) امام ابوعوانہ کی کتاب المناقب میں بھی موجود ہے۔ دیکھئے اتحاف الخیرہ (۱۴/۹۲ ح ۱۸۷۳۳)

نیز دیکھئے السنۃ لابن ابی عاصم (۷۶۱) اور التمہید (طبعہ جدیدہ ج ۵ ص ۳۹۳)

تنبیہ(۲): اصحاب سے مراد پیروکار اور متبعین بھی ہوتے ہیں جیسے اصحاب ابی حنیفہ سے مراد انھیں دیکھنے والے اور نہ دیکھنے والے سب متبعین ابی حنیفہ ہیں۔قرائن کے ساتھ عام کی تخصیص ہو سکتی ہے لہٰذا درج بالا روایت میں اہلِ سنت کے تسلیم شدہ صحابۂ کرام مراد نہیں بلکہ مرتدین (جو صحابہ نہیں تھے) اور بعض اہلِ بدعت اُمتی مراد ہیں۔

(۳۴)

﴿۳۴﴾ قرآن مقدس

یاایھا النبی انا احللنا لک ازواجک التی آتیت اجورھن ...... وبنات عمک وبنات عمّاتک وبنات خالک وبنات خالاتک التی ھاجرن معک ...الآیة

یعنی آپ کیلئے موجودہ بیویوں کے علاوہ وہ مہاجرات جن سے چچا یا پھوپھی کی یا ماموں یا خالہ کی بیٹی حلال ہے۔ **لا یحل لک النساء من بعد ولا ان تبدل بھن من ازواج ...الآیة**

اب ان کے علاوہ آپ پر کوئی عورت حلال نہیں ہے اور نہ ہی تبدیل کرنے کی اجازت ہے یہ نص قطعی ہے جو سورت احزاب ۵ ہجری میں نازل فرما کر اللہ نے آپ پہ قانون نافذ فرمایا۔

بخاری محدث

لیکن امام بخاری نے حیار راوی ابو حازم کے ذریعے آپ ﷺ پر یہ الزام آمد روایت ذکر کرتے ہیں جس میں قرآن کی نص قطعی کے خلاف آپ ﷺ کا ایک عیاش عورت سے نکاح کرنے کی کوشش کرنا ثابت ہو رہا ہے جو عورت نہ مہاجرات میں سے نہ واھبہ النفس میں سے اور نہ ہی آپ کی رشتہ دار اور نہ ہی ... آپ ﷺ سے واقف بس ایک آوارگی میں مست ہی تھی

اخبر سعدثنی ابو حازم عن سھل ابن سعد قال ذکر للنبی ﷺ امرءة من العرب فامر ابا اسید الساعدی ان یرسل الیھا فقدمت فنزلت فی اجم بنی ساعدة فخرج النبی ﷺ الیھا حتیٰ جاء ھا فدخل علیھا فاذا امرءة منکسة راسھا فلما کلمھا النبی ﷺ «الخ

(بخاری ۲/۸۴۲ اواخر کتاب الاشربة)

(۱) کسی عورت کا ذکر اللہ کے نبی ﷺ نے سن کر بے تابی سے قاصد کو کہنا کہ اسکو بلوا لو کیا یہ شان نبوت کے مناسب ہے؟ کیا اس عورت کا والی وارث کوئی نہ تھا جس سے آپ ﷺ بات کرتے وہ عورت اتنی خود مختار تھی اور آزاد تو ایسی عورت پر اللہ کا پیغمبر اتنا فریفتہ ہو جائے کیا یہ ہوسکتا ہے؟ کیا وہ عورت اپنے متولی وارث سے بھی سرزور تھی کہ پیغام ملتے ہی دوڑتی چلی آئی اور ایسی آوارہ عورت کی خواہش اللہ کا پیغمبر کر سکتا ہے؟ کسی عورت کیطرف براہ راست خطبہ کیلئے قاصد بھیجنا جبکہ اسکے والی وارث بھی زندہ ہوں ایسا کام تو کوئی چند وباز بھی نہیں کرتا اللہ کے پیغمبر سے یہ کس طرح ممکن تھا؟ پھر اس عورت کا پوچھنے پر یہ جواب دینا کہ میں تو آپ ﷺ کو جانتی بھی نہیں یعنی وہ کافرہ اور کافر کی بیٹی تھی تو ایسی کافرہ مشرکہ کو خطبہ کرنا قرآن کی نص قطعی کے صریح خلاف نہیں تھا؟

سب سے زیادہ دل آزار بات تو یہ ہیکہ اللہ کے منع کرنے کے باوجود آپ ﷺ نے معاذ اللہ اعیانہ ارادہ فرمایا اور خطبہ کرنا شروع کردیا۔

۳۴۔ ایک عورت کا قصہ جس سے نبی کا نکاح ہوا اور وہ اُم المومنین نہ بن سکی

مشہور ثقہ راوی امام ابو حازم سلمہ بن دینار رحمہ اللہ نے سیدنا سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک عورت کو نبی ﷺ کے پاس لایا گیا، جب آپ اس کے پاس تشریف لے گئے تو اس نے کہا: میں آپ سے اللہ کی پناہ چاہتی ہوں۔ الخ (صحیح بخاری: ۵۶۳۷)

یہ عورت کون تھی؟ اور آپ ﷺ کیوں اس کے پاس تشریف لے گئے تھے؟ اس بات کا ذکر صحیح بخاری کے دوسرے مقام پر موجود ہے:

① یہ امیمہ بنت شراحیل (الجونیہ) تھی۔ (صحیح بخاری: ۵۲۵۷)

② اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوا تھا۔ (صحیح بخاری:۵۲۵۴،۵۲۵۷)

③ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر جماع کے اسے واپس بھیج دیا تھا۔ دیکھئے صحیح بخاری (۵۲۵۵)

واپس بھیجنا ہی طلاق سمجھی گئی اور وہ عورت ام المومنین نہ بن سکی۔ یہ ہے اس حدیث کا خلاصہ لیکن بے حیا معترض نے اسے دوسرا رنگ دے کر صحیح بخاری کی حدیث پر اعتراض کر دیا ہے۔

تنبیہ (۱): صحیح بخاری والی روایت صحیح مسلم (۲۰۰۷، دارالسلام:۵۲۳۶) میں بھی موجود ہے۔

تنبیہ (۲): ابو حازم سلمہ بن دینار رحمہ اللہ کے بارے میں محدثین کرام کی بعض گواہیاں درج ذیل ہیں:

ابن سعد نے کہا: ''وکان ثقة کثیر الحدیث'' اور وہ ثقہ (قابلِ اعتماد) کثرت سے حدیثیں بیان کرنے والے تھے۔ ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے فرمایا: ثقہ، ابو حاتم الرازی، نسائی، احمد بن عبداللہ العجلی اور محمد اسحاق بن خزیمہ نے کہا: ثقہ (دیکھئے تہذیب الکمال طبع جدیدہ ج ۳ ص ۲۳۵، ۲۴۶)

ان پر کسی نے بھی کوئی جرح نہیں کی یعنی وہ بالا جماع ثقہ ہیں۔ نیز دیکھئے حدیث سابق:۱۲

ایسے ثقہ بالاتفاق راوی کے بارے میں منکرِ حدیث معترض نے بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بے حیا کا فتویٰ داغ دیا ہے۔

(۳۵)

۲۵۔ قرآن مقدس

قرآن پاک میں [illegible] آپ [illegible] شادی کر سکتے تھے یہ بھی اجازت تھی [illegible] آپ ﷺ کے لیے از خود اپنی جان ہبہ کر دے [illegible] عورت [illegible] آپ ﷺ کے مطالبے [illegible] اپنا نفس ہبہ کر دے ...واٴمرأة مؤمنة ان وهبت نفسها للنبي ان اراد النبي ان يستنكحها... [illegible] اپنا نفس ہبہ کر [illegible] بلکہ عورت از خود ہبہ پہلے کرے بعد میں نبی ارادہ بھی [illegible]

بخاری محدث

[illegible] بخاری صاحب نے [illegible] راویوں پر اعتماد کر کے بڑے وثوق سے روایت [illegible] آپ ﷺ نے [illegible] معاذ اللہ [illegible] کر کے قرآن کے [illegible] خلاف [illegible] عورت [illegible] کر دیا

کرتو مجھے اپنا نفس ہبہ کر دے (نعوذ باللہ عورت پر اتنا فریفتہ ہو گئے کہ اپنی شہرت [illegible] اور بے صبری کیساتھ اللہ کے فرمان کی بھی پرواہ نہ کی) تو اس غیرت زادی نے کتنی [illegible] سے جواب دیا کہ تیرے ایسے بازاری آدمی کو میرے جیسی ملکہ کس طرح اپنا نفس دے سکتی ہے..

فلما دخل عليها النبي ﷺ قال هبي نفسك لي قالت هل تهب الملكة نفسها للسوقة، ۷۹۰ کتاب الطلاق

امام بخاری بھی راویوں کی عجیب گرفت میں آ کے کہ نہ قرآن کو دیکھا نہ آپ ﷺ کی حیثیت عرفی کا پاس کیا [illegible] کر کے روایت ٹانک دی...

۳۵۔ اپنی منکوحہ بیوی کو کہنا کہ اپنا نفس میرے حوالے کر دے:

امام اوزاعی رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے (امام) زہری سے پوچھا: نبی ﷺ کی بیویوں میں سے کس نے آپ سے پناہ مانگی تھی؟ تو انھوں نے الجونیہ (عورت) کا واقعہ بیان کیا۔ (صحیح بخاری:۵۲۵۴)

سیدنا ابو اسید و سیدنا سہل رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ "تزوج النبي ﷺ أميمة بنت شراحيل ..." نبی ﷺ نے اُمیمہ بنت شراحیل (الجونیہ) سے نکاح کیا...

(صحیح بخاری:۵۲۵۶،۵۲۵۷)

اس عورت کے پاس جب رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے تو اس نے آپ سے اللہ کی پناہ مانگی حالانکہ وہ آپ کی بیوی تھی۔ آپ نے حق مہر ادا کرتے ہوئے اسے واپس بھیج دیا اور یہی طلاق ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ عورت ام المومنین نہ بن سکی۔

نیز دیکھئے حدیث سابق:۳۴

صحیح احادیث کو قرآن مقدس اور اپنی عقل کے خلاف ٹکرانے والے معترض نے اس

حدیث کو بھی قرآن کے خلاف سمجھ کر رد کر دیا ہے حالانکہ اس حدیث میں اعتراض کی کوئی بات نہیں ہے۔

اپنی منکوحہ بیوی کے پاس تنہائی میں جانا یا اُسے طلاق دے دینا کوئی جرم نہیں ہے۔

یاد رہے کہ اپنا نفس ہبہ کرنے والی عورت کا واقعہ اور جونیہ کا واقعہ دونوں علیحدہ علیحدہ ہیں۔

تنبیہ: صحیح بخاری کی روایت مذکورہ درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

مسند احمد (۹۸/۳ ح ۱۶۰۶۱، ۳۳۹/۵) مشکل الآثار للطحاوی (۲۶۷/۱ ح ۶۴۲) المنتقیٰ لابن الجارود (۷۵۸) المعجم الکبیر للطبرانی (ج ۱۹ ح ۵۸۳)

فائدہ:

صحیح بخاری (۵۶۳۷) کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ انھوں (لوگوں) نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ آئے ہیں تاکہ تجھے نکاح کا پیغام دیں۔ (کتاب الاشربہ باب: ۳۰)

معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کو اس کا علم نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا اس عورت سے نکاح ہوا ہے لہٰذا انھوں نے اپنے علم کے مطابق بات کہہ دی اور جنھیں علم تھا کہ آپ ﷺ نے اُس سے نکاح کیا ہے تو انھوں نے فرمایا: "تزوج النبي ﷺ أميمة بنت شرحيل" نبی ﷺ نے امیمہ بنت شرحیل سے نکاح کیا ہے۔ (صحیح بخاری: ۵۲۵۶، ۵۲۵۷)

اور ظاہر ہے کہ جس کے پاس علم ہو اُس کی بات راجح ہوتی ہے۔

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زوجہ حفصہ کو (ایک طلاق) دی تھی تو ایک انصاری صحابی نے آکر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا: "طلق رسول اللہ ﷺ نساءہ" رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۲۴۶۸)

حالانکہ آپ نے اپنی (ساری) بیویوں کو طلاق نہیں دی تھی بلکہ صرف حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دی اور میں رجوع کر لیا تھا۔

(۳۶)

﴿۳۶﴾ قرآن مقدس

آپ ﷺ جنگ تبوک کے جہادی سفر پر تھے جب سورۃ براءۃ کا ساتواں، آٹھواں، نواں، دسواں، گیارہواں اور بارہواں رکوع نازل ہوا تھا چنانچہ دسویں رکوع میں آیت "استغفر لهم او لا تستغفر لهم" اور آیت "لا تصل على احد منهم مات ابدا" گیارہویں رکوع میں ہے یہ دونوں آیات جنگ تبوک دوران سفر اتری تھیں یہ آیات بطور پیش بندی اللہ نے اتار کر یہ سبق دیا ہے کہ آپ ﷺ کسی منافق کا فر کیلئے کوئی سفارش یا استغفار نہ کریں اس لئے آپ ﷺ نے ابی ابن سلول کا جنازہ بھی نہ پڑھا اور نہ اسکیلئے کوئی استغفار کی۔

بخاری محدث نبی ﷺ پر جھوٹ

لیکن بخاری صاحب نبی علیہ السلام پر صریح جھوٹ پر مبنی روایت لاتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ابن سلول کا جنازہ پڑھا جب یہ آیات نازل ہوئیں اور دوسرا جھوٹ راویوں کا یہ مان لیا کہ آپ ﷺ کو استغفار کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا اسلئے اسکا جنازہ آپ ﷺ نے پڑھایا۔

انی خیرت فاخترت لو اعلم انی ان ذدت علی السبعین یغفرله لذدت علیها فصلی علیه رسول الله ﷺ ثم انصرف فلم یمکث الا یسیراً حتی نزلت الآیتان من براءۃ ولا تصل علی احد منهم مات ابدا ولا تقم علی قبره انهم کفروا بالله ورسوله وماتوا وهم فاسقون" (بخاری ۱/۱۸۲ جنائز)

تمام مورخین اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ ابن سلول کی موت اس وقت واقع ہوئی تھی جبکہ آپ ﷺ تبوک سے بخیر وعافیت مدینہ عالیہ تشریف لا چکے تھے اب اگر آپ ﷺ کے ذمہ اسکا جنازہ پڑھانا لگایا جائے جیسا کہ کذاب راویوں نے کیا ہے تو پھر اسکا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کے خلاف اللہ کے رسول نے معاذ اللہ بغاوت کرکے باوجود منع کرنے کے جنازہ پڑھایا؟

جب اس مردود کی موت سے بھی پہلے انکے لئے دعا مغفرت طلب کرنے سے منع کر دیا تھا اور "ابداً" کے لفظ سے ہمیشہ کیلئے منع فرمایا گیا تھا تو اللہ کے معصوم نبی ﷺ پر ایسا الزام لگانے والا راوی مسلمان کس طرح ہوگا سب تحقیق بات رسول اللہ ﷺ پر کہہ کر جہنم میں اسکا گھر کیوں نہ ہوگا؟

دوسرا بہتان یہ کہ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اختیار دیا گیا ہے "لا حول ولا قوۃ الا بالله" قرآن کے کس لفظ سے اختیار دیا جانا لکھا ہے کیا "سواء علیهم ءانذرتهم ام لم تنذرهم" میں ام جو معنی او ہے وہاں اختیار یا الٹا نفی ہے......

حالانکہ مطلب آیت کا صاف تھا کہ آپ ﷺ کا انکے لئے دعا کرنا نہ کرنا برابر ہے جب انکو فائدہ ہی کوئی نہ ہوگا پھر نفی کی تاکید بھی ساتھ مذکور ہے تاکہ کوئی بدبخت پیغمبر ﷺ کے متھے اختیار ہی نہ لگا دے "ان تستغفر لهم سبعین مرۃ فلن یغفر الله لهم" پھر نفی کی تاکید کے بعد نفی کی تابید بھی ذکر کر دی گئی ابدا کے ذریعے لیکن برا ہو بدباطن راویوں کا جنہوں نے قرآن کو کچھ سمجھا نہ اللہ کے رسول ﷺ کی پاک حیثیت کا خیال کیا حتی کہ امام بخاری جیسے جلیل محدث کو بھی قرآن کی طرف سے خیرہ چشمی کرنا پڑی انہوں نے بھی نقد ونظر کیا تھا روایت کو نہ پرکھا جو کچھ راویوں نے اگل دیا انہوں نے بھی درج کتاب کر ہی دیا۔

۳۶۔ عبداللہ بن اُبی منافق کی نماز جنازہ

مشہور واقعہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن اُبی بن سلول منافق کی نماز جنازہ پڑھادی پھر بعد میں ممانعت والی آیت نازل ہوئی کہ ان (منافقین) کی نماز جنازہ کبھی نہ پڑھیں۔ دیکھئے صحیح بخاری (۱۳۶۶)

اسے درج ذیل صحابہ نے مختلف الفاظ اور اسی مفہوم کے ساتھ بیان کیا ہے:

① سیدنا عمر رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری: ۱۳۶۶، ۴۶۷۱)

صحیح بخاری کے علاوہ یہ روایت درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:
مسند احمد (۱/۱۶ح ۹۵) مسند عبد بن حمید (۱۹) سنن الترمذی (۳۰۹۷ وقال: ''حسن غریب صحیح'')
صحیح ابن حبان (۳۱۷۶) المستدرک للحاکم (۴/۶۷)

② سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ
(صحیح بخاری: ۵۷۹۶، صحیح مسلم: ۲۷۷۴، سنن الترمذی: ۳۰۹۸ وقال: ''حسن صحیح'' مسند احمد ۲/۱۸ ح ۴۶۸۰)

③ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (مسند احمد ۳/۳۷۱ ح ۱۴۹۸۶، واصلہ عند البخاری: ۱۲۷۰، ومسلم: ۲۷۷۳)

اس صحیح و مشہور حدیث کو بھی معترض نے بغیر کسی دلیل کے قرآن مقدس کے خلاف قرار دے کر رد کر دیا ہے۔!

اضافہ:

کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ ﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا ﴾ والی آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابی منافق کی نماز جنازہ پڑھی تھی بلکہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی حدیث سے ثابت ہے کہ جب آپ جنازہ پڑھا تو پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ صحیح بخاری پر اعتراضات کرنے والے منکرِ حدیث نے بغیر کسی صحیح دلیل کے یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ سورۃ براءۃ کا ساتواں، آٹھواں، نواں، دسواں، گیارواں اور بارھواں رکوع اُس وقت نازل ہوئے جب آپ جنگ تبوک کے جہادی سفر پر تھے۔
دیکھئے.... محدث (ص ۷۲)

(۳۷)

﴿۳۷﴾ قرآن مقدس

قرآن مقدس کا مصداق جتنا صحابہ کرامؓ کی سیرت پاک سے بنتا ہے سوائے آپ ﷺ کے اور کوئی ہو یا نہ ممکن ہے وہ جنکے دلوں کی نگہبانی کرکے کلمہ حق اللہ خود پیوست کردے وہ صحابہ ہی ہیں.. **اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی**.. بلکہ فرمایا.. **اَلْزَمَھُمْ کَلِمَۃَ التَّقْوٰی.** جس کا نکھار میدان قیامت میں ہی انکو بلاحساب مغفرت کے رنگ میں ہوگا.

بخاری محدث

اس کے بالکل برعکس امام بخاری کے رواۃ کے نزدیک صحابہ کرامؓ کی جماعت معاذ اللہ مرتد ہونے کی حالت میں اللہ کے حضور پیش ہوگئے اور امام بخاری زہری ایسے باتونی اور بخاری ایسے فضول راویوں کو حقائق قرآن پر ترجیح دیکر اپنی کتاب میں درج کررہے ہیں....

ان ناسا من اصحابی یؤخذ بھم ذات الشمال فاقول اصیحابی اصیحابی فیقول انھم لم یزالوا مرتدین علیٰ اعقابھم منذ فارقتھم.. (بخاری ۱/۴۷۳)

میرے محبوب اور پیارے صحابہ کی جماعت کو گرفت میں لیا جائیگا تو میں کہوں گا یہ تو میرے پیارے ہیں تو مجھے کہا جائیگا.. تو جب سے ان سے جدا ہو کر دنیا سے چلا آیا تھا یہ برابر مرتد ہی ہو رہے تھے آپ غور فرمایئے..

اصیحابی.. لفظ سے جسطرح ان کا آپ ﷺ سے چھوٹا ہونا ثابت ہوا اسی طرح انکا آپ ﷺ کی نظر میں انکا محبوب ہونا بھی ثابت ہوا جسطرح حضرت عمرؓ سے فرمایا.. **یا اُخَیَّ**.. اے میرا چھوٹا اور پیارا بھائی...

پھر چھوٹا اور پیارا بھائی اول مصداق میں ابوبکر الصدیقؓ اور عمرؓ پھر عثمانؓ وعلیؓ علم جرا.... یہ سارے تو ہو جائیں بقول لعنتی رواۃ بخاری مرتد تو نبوت کے پلے باقی کیا بچیگا..

اللہ معاف فرمائے اللہ کرے امام بخاری ایسے الزام میں شامل نہ ہوں لیکن کیا کہا جائے کہ اکثر محدثین کا مقصد حیات چونکہ روایات جمع کرنا تھا اس لئے روایت کے پس وپیش دیکھ کر روایت کرنا ہر کسی کا کام نہیں ہوتا...

03006690390

۳۷۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بعض اُمتیوں کا مرتد ہونا

صحیح اور متواتر حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد بعض اُمتی مرتد وگمراہ ہو جائیں گے جنھیں حوضِ کوثر سے دور ہٹا دیا جائے گا۔

دیکھئے صحیح بخاری (۳۳۴۹، ۳۴۴۷، ۴۶۲۵، ۴۶۲۶، ۴۷۴۰، ۶۵۲۶)

یہ حدیث درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

مسند حمید (۴۸۳) مسند احمد (۱/۲۲۰ ح ۱۹۱۳، ۱/۲۲۳ ح ۱۹۵۰، ۱/۲۲۹، ۲۳۰، ۲۵۳)

صحیح مسلم (۲۸۶۰) سنن النسائی (۴/۱۱۴، ۱۱۷) سنن الدارمی (۲۸۰۵)

سنن الترمذی (۲۴۲۳، ۳۱۶۷)

اس حدیث سے دو گروہ مراد ہیں:

۱: بدعتِ مکفرہ والے مبتدعین

۲: وہ مرتدین جو صحابہ نہیں تھے اور ان سے سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے جنگ کی تھی۔

معترض نے اپنے خبثِ باطن کا مظاہرہ کرتے ہوئے حوضِ کوثر سے ہٹائے جانے والے

لوگوں کو صحابہ قرار دے کر اس حدیث کو قرآن مقدس کے خلاف پیش کر دیا ہے حالانکہ اس حدیث سے مراد صحابہ نہیں ہیں۔ صحابۂ کرام کے فضائل تو دوسری صحیح احادیث سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں مثلاً دیکھئے صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ اور صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ۔

قارئین کرام! معترض کا یہ وہی اعتراض ہے جو وہ بار بار دہرا رہا ہے اور اس کا مفصل و مدلل جواب گزر چکا ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۳۲

تنبیہ: معترض نے لکھا ہے کہ ''آپ ﷺ کی نظر میں انکا محبوب ہونا بھی ثابت ہوا جسطرح حضرت عمرؓ سے فرمایا ''یا اخیّ'' اے میرا چھوٹا اور پیارا بھائی'' (...محدث ص ۷۶)

عرض ہے کہ قرآن میں تو کہیں بھی یہ موجود نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے خاص طور پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ''یــا أخــيّ'''' فرمایا تھا۔ سنن ترمذی (۳۵۶۲) اور سنن ابن ماجہ (۲۸۹۴) وغیرہما کی جس روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (سیدنا) عمر (رضی اللہ عنہ) سے فرمایا: ''اے میرے بھائی! مجھے اپنی دعا میں شریک کرنا اور نہ بھلانا'' عاصم بن عبیداللہ (ضعیف) کی وجہ سے ضعیف ہے لہٰذا امام ترمذی کا اس روایت کو حسن صحیح کہنا صحیح نہیں ہے۔ عاصم بن عبیداللہ کو امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین اور جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

دیکھئے تہذیب الکمال (۱۲،۱۱/۴)

(۳۸)

﴿۳۸﴾ قرآن مقدس

قرآن مقدس جس شان سے نازل کیا گیا اسی شان سے جمع ہوا حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمرؓ کی نگرانی میں جمع ہونے والا قرآن وہی ہے جو اسوقت پوری دنیا میں موجود ہے قطعی قراءت والا قرآن موجود اور محفوظ ہے

کوئی دوسری قراءت اس میں موجود نہیں ہے۔

اور دوسری قراءت والا قرآن اس سرزمین پر بھی معدوم ہے باقی اور دوسری قراءتیں کوفہ کے قاریوں کی اختراع کی ہوئی ہیں رسول اللہ ﷺ سے قطعاً ثابت نہیں ہیں ورنہ ہی رسول اللہ ﷺ نے کسی صحابیؓ کو مختلف قراءتیں بتا کر مغالطہ میں ڈالا تھا

بخاری محدث

لیکن امام بخاری اپنی کتاب میں صحابہ کرامؓ کے نام پر ایسی روایات لاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہؓ کو کچھ قراءت سکھائی اور بعض کو اسکے خلاف سکھائی اور یوں ان میں اختلاف کا سبب خود آپ ﷺ بنے معاذ اللہ بخاری نے اپنی کتاب میں تین جگہ یہ روایت ذکر کی ہے ۳۲۵،۴۹۲،۷۵۷۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن مسعودؓ نے فرمایا میں نے ایک آدمی کو سنا آیت پڑھ رہا تھا اور مجھے رسول اللہ نے اسکے خلاف بتائی تھی تو میں اسکو گھسیٹ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا اس نے بھی آیت سنائی اور میں نے اس کے خلاف سنائی تو آپ ﷺ نے فرمایا دونوں صحیح ہو

حالانکہ دو میں سے ایک ہی نازل ہونیوالی صحیح تھی ورنہ یہ لازم آیا کہ آپ ﷺ

۳۸۔ قرآن کی سات قراءتوں کا متواتر ہونا

متواتر حدیث سے ثابت ہے کہ قرآن مجید سات قراءتوں پر نازل ہوا ہے۔ تفصیل کے لئے مطولات (بڑی کتابوں) کی طرف رجوع فرمائیں مثلاً دیکھئے بدرالدین الزرکشی (متوفی ۷۹۴ھ) کی البرھان فی علوم القرآن وغیرہ۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک آدمی کو ایک آیت پڑھتے ہوئے سنا جسے میں نے نبی ﷺ سے دوسرے طریقے سے سنا تھا تو میں اسے پکڑے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گیا۔ آپ نے فرمایا: ((کلا کما محسن)) تم دونوں نے اچھا کیا ہے یعنی تم دونوں صحیح ہو۔ (صحیح بخاری: ۲۴۱۰، ۳۴۷۶، ۵۰۶۲)

یہ حدیث درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

مسند احمد (۱/۴۵۶ ح ۴۳۶۴، ۱/۳۹۳ ح ۳۷۲۴) مسند الشاشی (۷۷۰، ۷۷۱)

السنن الکبریٰ للنسائی (۳۳/۵ ح ۸۰۹۵) مسند الطیالسی (۳۸۷) مصنف ابن ابی شیبہ (۵۲۹/۱۰) مسند ابی یعلیٰ (۵۲۶۲، ۵۳۴۱) شرح السنۃ للبغوی (۱۲۲۹، وقال: ھذا حدیث صحیح)

اس حدیث کے بہت سے شواہد اور مؤید روایات بھی ہیں مثلاً:

① حدیث عمر رضی اللہ عنہ (الموطأ للامام مالک ۲۰۱/۱ ح ۴۷۴، صحیح بخاری: ۲۴۱۹، صحیح مسلم: ۸۱۸)

② حدیث اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ (صحیح مسلم: ۸۲۰، مسند احمد ۱۲۷/۵)

③ حدیث ابی جہیم الانصاری رضی اللہ عنہ (مسند احمد ۱۶۹/۴، ۱۷۰ ح ۱۷۵۴۲، وسندہ صحیح)

④ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری: ۳۲۱۹، ۴۹۹۱، صحیح مسلم: ۸۱۹) وغیرہ

ہمارے پاس قالون اور ورش کی روایت والے قرآن مجید موجود ہیں جن میں مالک یوم الدین کے بجائے مَلِکِ یوم الدین لکھا ہوا ہے۔ یہی اختلافِ قراءت ہے۔

اس صحیح و متواتر روایت کو قرآنِ مجید کے خلاف پیش کرنا انھی لوگوں کا کام ہے جو فتنۂ انکارِ حدیث اور الحاد و بے دینی میں سرگرم ہیں۔

(۳۹)

﴿۲۹﴾ قرآن مقدس

قرآن مقدس ایک ہی حرف پر نازل ہوا جس حرف پر نازل ہوا اسی حرف کیساتھ موجود ہے نہ اللہ نے مختلف قرائتوں میں نازل کیا اور نہ رسول اللہ ﷺ نے کسی صحابیؓ کو کچھ اور کسی اور صحابیؓ کو کچھ پڑھایا نہ کسی صحابیؓ نے موجودہ حرف کے خلاف پڑھا جس قدر دوسری قرائتیں ہیں وہ کوفہ کے بعض قراء کی اختراع کی ہوئی ہیں اگر دوسری قراءتیں نازل ہوتیں تو ہر قراءت کیلئے قرآن علیحدہ ہوتا یا اسی قرآن میں وہ درج ہوتیں حالانکہ ایسا قطعاً نہیں ہے۔

بخاری محدث

لیکن امام بخاری کہتے ہیں کہ اس موجودہ حرف کے علاوہ دوسری قرائتیں بھی نازل ہوئی ہیں سبعہ قراءت پر قرآن نازل ہوا ہے اور رسول اللہ ﷺ کسی کو کوئی قراءت پڑھاتے تھے اور کسی کو کوئی اور قراءت پڑھاتے تھے

(لاحول ولا قوۃ)

جس سے صحابہؓ کے اندر خانہ جنگی کی حد تک اختلاف ہو جاتا تھا حتی کہ ایکدوسرے کے گلے میں پھندا ڈال کر اور گھسیٹ کر دربار نبوی میں لے جاتے تھے گویا یہ اختلاف انکے درمیان خود اللہ کے رسول ﷺ نے ڈال دیا تھا کسی کو کچھ بتاتے اور کسی کو کچھ اور حرف بتاتے ،،**معاذ اللہ**،، حتی کہ حضرت عمرؓ نے ہشام ابن حکیمؓ کے گلے میں پھندا ڈالا اور گھسیٹ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے اللہ کے رسول ﷺ نے ہشام کو سورت فرقان اور طرح پڑھائی تھی اور حضرت عمرؓ کو اسکے خلاف پڑھائی تھی جس سے یہ لازم آیا کہ اصحاب کو غلط فہمی میں خود رسول اللہ نے ڈال دیا تھا اور اللہ کے اتارے ہوئے قرآن کو رسول اللہ ﷺ نے ٹکڑے کر کے کسی کو کوئی ٹکڑا پڑھایا اور دوسرے کو کوئی اور ٹکڑا پڑھا دیا۔۔**لاحول ولا قوۃ الا باللہ**۔۔۔۔ یہ روایت جو امام بخاری نے اپنے با اعتماد استاذ حدیث جناب زہری سے نقل کی ہے جو شیعوں میں شیعہ اور سنیوں میں اہل سنت تھا اس پر امام بخاری کو اتنا اعتماد ہے کہ انکی بات کو قرآن کی طرح حرف آخر سمجھتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ یہ کیا بک رہا ہے اس سے قرآن کی صداقت پر کتنا حرف آتا ہے اور آپ ﷺ کی ذات کتنا عدالت سے دور بھی جائیگی۔۔صحیح بخاری ۳۲۴۔۔۷۴۷۔۔۷۵۴۔۔۱۰۳۵۔۔۱۱۲۶،،متقارب الفاظ کیساتھ پانچ جگہ ذکر کی ہے کسی ایک جگہ بھی قرآن کی حیثیت کو خاطر میں نہیں لائے۔۔۔

03066659390

۳۹۔ قرآن مجید کی سات قراءتیں

سابقہ حدیث کی بحث میں عرض کیا گیا ہے کہ قرآنِ مجید سات قراءتوں پر نازل ہوا ہے اور یہ قراءتیں متواتر ہیں۔ تواتر کے لئے دیکھئے نظم المتناثر من الحدیث المتواتر (ص ۱۸۶ ح ۱۹۷) قطف الازہار المتناثرہ فی الاخبار المتواترہ (ح ۶۰) اور فضائل القرآن للامام ابی عبید (ص ۲۰۳ ح ۱۱۔۵۲ باب لغات القرآن)

اس حدیث کو درج ذیل صحابۂ کرام نے بیان کیا ہے:

① سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری: ۳۲۱۹، ۴۹۹۱، صحیح مسلم: ۸۱۹، مسند احمد ۱/۲۶۳ ح ۲۳۷۵، ۱/۲۹۹ ح ۲۷۱۷، ۱/۳۱۳ ح ۲۸۶۰، شرح مشکل الآثار للطحاوی نسخہ قدیمہ ۴/۱۹۰، نسخہ جدیدہ محققہ ۸/۱۲۴ ح ۳۱۱۶، شرح السنۃ للبغوی ۴/۵۰۱ ح ۱۲۲۵، وقال: ھذا حدیث متفق علیٰ صحتہ")

② سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ (مسند احمد ۵/۳۹۱ ح ۲۳۳۲۶ وسندہ حسن)

③ سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ (صحیح مسلم: ۸۲۰، مسند احمد بسند آخر ۵/۱۳۲ ح ۲۱۲۰۴ وسندہ حسن)

④ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (الموطأ للامام مالک مع التمہید ۲۷۲/۸، صحیح بخاری: ۲۴۱۹، صحیح مسلم: ۸۱۸، مسند الشافعی ص ۲۳۷، الرسالۃ: ۷۵۲، مسند الامام احمد ۴۰/۱ ح ۲۷۷)

⑤ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (مسند احمد ۳۳۲/۲ ح ۸۳۹۰ وسندہ حسن وللحدیث شواہد وہو بہا صحیح)

⑥ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

(فضائل القرآن للامام ابی عبید القاسم بن سلام ص ۲۰۲ ح ۹_۵۲ وسندہ حسن، مسند الامام احمد ۲۰۴/۴ ح ۱۷۸۱۹)

⑦ سیدہ ام ایوب رضی اللہ عنہا (مسند الحمیدی بتحقیقی: ۳۴۱ وسندہ حسن، مسند احمد ۴۳۳/۶، ۴۶۳، مصنف ابن ابی شیبہ ۵۱۵/۱۰، ۵۱۶، مشکل الآثار للطحاوی نسخہ قدیمہ ۱۸۳/۴، نسخہ جدیدہ ۱۱۲/۸ ح ۳۱۰۰)

⑧ سیدنا ابو جہیم رضی اللہ عنہ (مسند احمد ۱۶۹/۴، ۱۷۰، وسندہ صحیح)

⑨ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (مسند احمد ۴۴۵/۱ ح ۴۲۵۲ وسندہ صحیح، عثمان بن حسان ھو القاسم بن حسان وفلفلۃ الجعفی وثقہما ابن حبان والعجلی وغیرہما وہما ثقتان والحمد للہ، مشکل الآثار للطحاوی نسخہ جدیدہ ۱۰۸/۸ ح ۳۰۹۴)

⑩ سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ

(مسند احمد ۲۹۱/۵، مشکل الآثار للطحاوی نسخہ جدیدہ ۱۱۰/۸ ح ۳۰۹۷ من حدیث حمید الطویل عن أنس عن عبادہ بہ)

اتنی عظیم الشان متواتر حدیث کو معترض نے لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہتے ہوئے رد کر دیا ہے لیکن اس نے یہ بالکل نہیں سوچا کہ اس کے اپنے دماغ میں جو شیطان گھسا بیٹھا ہے، وہ منکرِ حدیث بن کر کیوں اس شیطان کے نقشِ قدم پر سرپٹ دوڑے جا رہا ہے؟

سات قراءتوں والی روایت کا دارومدار امام زہری ہی پر نہیں بلکہ بہت سے دوسرے ثقہ راویوں نے بھی ان احادیث کو بیان کر رکھا ہے مثلاً سیدہ ام ایوب رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ روایت مسند حمیدی سے پیشِ خدمت ہے:

"ثنا سفيان قال: ثنا عبيد الله بن أبي يزيد قال: سمعت أبي يقول: نزلت على أم أيوب الأنصارية فأخبرتني أن رسول الله ﷺ قال: نزل القرآن على سبعة أحرف، أيها قرأت أصبت" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے، ان میں سے جو بھی پڑھو گے صحیح ہے۔

(نسخہ ظاہریہ تحقیقی ح ۳۴۱ نسخہ دیوبندیہ: ۳۴۰ نسخہ حسین سلیم اسد ۱/۳۳۵ ح ۳۴۲)

اس سند کے راویوں کی توثیق درج ذیل ہے:

① سفیان بن عیینہ الکوفی المکی رحمہ اللہ

ان کے بارے میں امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ثقہ (الجرح والتعدیل ۴/۲۲۷ وسندہ صحیح)

ابوحاتم الرازی نے کہا: امام ثقہ (ایضاً)

انھیں ابن سعد، عجلی اور ابن حبان وغیرہم نے ثقہ قرار دیا ہے۔

وقال الذہبی: "ثقة ثبت حافظ إمام" (الکاشف ۱/۳۰۱ ت ۲۰۲۱)

فائدہ نمبر ۱: امام حمیدی وغیرہ نے امام سفیان بن عیینہ کے اختلاط سے پہلے احادیث سنی ہیں۔ دیکھئے الکواکب النیرات (ص ۲۳۱ والہامش ص ۲۳۴)

بشرطیکہ صحیح سند کے ساتھ اختلاط کا ثبوت پیش کر دیا جائے یا بطورِ الزام اسے تسلیم کر بھی لیا جائے۔!

فائدہ نمبر ۲: امام سفیان بن عیینہ نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔

② عبیداللہ بن ابی یزید المکی: **ثقة كثير الحديث** (تقریب التہذیب: ۴۳۵۳)

③ ابو یزید المکی: **مكي تابعي ثقة**

(التاریخ للعجلی / معرفۃ الثقات ۲/۴۳۷ ت ۲۲۸۷، ووثقہ ابن حبان)

④ ام ایوب الانصاریہ زوجہ ابی ایوب رضی اللہ عنہما: **صحابية مشهورة .**

معترض کو عینک لگا کر دیکھنا چاہئے کہ اس سند میں امام زہری کہاں ہیں؟

(۴۰)

﴿۴۰﴾ قرآن مقدس

قرآن پاک میں مسلمانوں کے دو گروہوں میں اگر لڑائی ہو جائے تو حکم ہے کہ ان کے درمیان صلح کرادو... سورۃ الحجرات... وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما... الآیۃ

اور سورت حجرات کی یہ آیت با اتفاق علماء فتح خیبر کے بعد نازل ہوئی تھی...

بخاری محدث

لیکن امام بخاری مذکورہ روایات جمع کرتے وقت قرآن کے مفہوم سوچنے کی فرصت ہی نہیں ملی اور نظر اگر پارہ اسناد جوڑنے تک محدود رہتی ہے خواہ وہ روایت سنداً منقطع ہی کیوں نہ ہو جیسے کہ روایت جو یہاں ٹانک دی ہے کہ عبداللہ ابن ابی جو کہ ابھی کافر ہی تھا... اسکی پارٹی اور جو رسول اللہ ﷺ کیساتھ صحابہ کی جماعت تھی باتوں باتوں میں انکے درمیان آپ ﷺ کی موجودگی میں لاٹھیوں اور جوتوں کیساتھ لڑائی ہو گئی... (بخاری ۲۶۹۱ کتاب الصلح)

تو امام بخاری غور وفکر کے بغیر راوی پر اعتماد کر کے لکھتے ہیں کہ آیت مولیٰ وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا... انہی دو گروہوں کے حق میں اتاری گئی تھی حالانکہ قرآن میں لفظ مؤمنین بھی انکو نظر نہیں آیا جبکہ لڑائی مؤمنوں اور کافروں کے درمیان تھی... ابن ابی اس لڑائی کے وقت کٹر کافر تھا ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا وہ تو مسلمانوں کی فتح اور شان وشوکت غزوہ بدر میں دیکھ کر بعد میں منافقانہ اسلام لایا تھا...

۴۰۔ مومنین کے دو گروہوں میں جنگ

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ عبداللہ بن اُبی کے پاس نبی ﷺ تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ صحابہ بھی تھے تو عبداللہ بن اُبی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: آپ مجھ سے دور رہیں، آپ کے گدھے کی بدبو سے مجھے تکلیف ہوئی ہے۔ ایک انصاری نے عبداللہ بن اُبی سے کہا: رسول اللہ ﷺ کے گدھے کی بُو تجھ سے زیادہ اچھی ہے۔ پھر مسلمانوں کے دونوں گروہوں میں ہاتھا پائی اور مارکٹائی شروع ہوگئی۔ ہمیں پتا چلا ہے کہ سورۃ الحجرات کی آیت: ۹ (اور مومنوں کے دو گروہ باہم لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ) اس کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (صحیح بخاری: ۲۶۹۱)

یہ واقعہ جنگِ بدر سے پہلے کا ہے۔ (دیکھئے صحیح مسلم: ۱۷۹۸، مسند احمد ۲۰۳/۵، اور سنن الترمذی: ۲۷۰۲)

تنبیہ: یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب عبداللہ بن اُبی کا منافق ہونا ظاہر نہیں ہوا تھا، بس اُسے اپنے بادشاہ نہ ہونے کا غم تھا اور اس کے گروہ میں مسلمان موجود تھے مثلاً اس کے بیٹے

عبداللہ مشہور مسلمان بلکہ مومن صحابی تھے۔رضی اللہ عنہ

معترض نے اپنی جہالت سے اس حدیث پر بھی اعتراض کر دیا ہے حالانکہ یہ حدیث صحیح بخاری کے علاوہ درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

مسند احمد (۳/۱۵۷ ح ۱۲۶۰۷، وسندہ صحیح ،۳/۲۱۹) صحیح مسلم (۱۷۹۹، دارالسلام:۴۶۶۱)

مسند ابی یعلیٰ (۴۰۸۳) مسند ابی عوانہ (۴/۳۴۵، ۳۴۶)

اس صحیح روایت کے شواہد کے لئے دیکھئے تفسیر ابن جریر الطبری (ج ۲۶ ص ۸۱) وغیرہ

(٤١)

﴿٤١﴾ قرآن مقدس

قرآن مقدس میں یہ بیان ہوا ہے کہ جو شے مسلمانوں کیلئے ضرر رساں ہو اور اس سے کبھی نفع کی توقع نہ ہو تو اسکو مٹا دیا جانا چاہیے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے پانچ جانوروں کو بھی قتل کر دینے کا حکم دے دیا اور فرمایا.. **اقتلوا الخمس الفویسقہ** ،، جن سے فائدہ کی توقع کی بجائے نقصان ہی کی امید ہوتی ہے خاص طور پر قرآن نے انبیآء علیہ السلام کا یہ خاص کردار ذکر کیا ہے وہ اللہ کی رحمت کا عملی نمونہ ہوتے ہیں بلند اخلاق کر خود تکالیف برداشت کر لیتے ہیں لیکن کسی کو دکھاتے نہیں ہیں..

بخاری محدث

لیکن امام بخاری ایک قصہ نقل کرتے ہیں جو غالبا کسی یہودی النسل کا بتایا ہوا ہے جس میں ایک پیغمبر کا اللہ کی تسبیح کرنے والے جانداروں کو قتل کرنا ثابت ہوتا ہے حالانکہ ایسا فعل انبیآء کی سیرت سے قطعا میل نہیں کھاتا... کہ اللہ کے ایک نبی کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا تو انہوں نے چیونٹیوں کا پورا استھان جلوا دیا حالانکہ وہ چیونٹیوں کا پورا استھان اللہ کی تسبیح کر رہا تھا تو اللہ نے فرمایا کہ اے پیغمبر ایک چیونٹی نے تمکو کاٹا مگر تو نے پورا استھان جلا دیا حالانکہ وہ تو اللہ کی تسبیح و تقدیس میں مشغول تھیں... **قرصت نملة نبیاً من الانبیآء فامر بقریة النمل فأحرقت فاوحی اللہ الیہ ان قرصتک نملة فاحرقت امة من الامم تسبح اللہ...(بخاری ۴۲۲ کتاب الجہاد)**

یہودیوں کی اڑائی ہوئی خالص گپ امام بخاری نے قبول کر لی..

0306669390

۴۱۔ چیونٹیوں کا قتل اور ایک پیغمبر

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک چیونٹی نے نبیوں میں سے کسی نبی کو کاٹا تو انھوں نے حکم دیا پھر چیونٹیوں کا گاؤں (چھتہ) جلا دیا گیا۔ اللہ نے ان کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تجھے تو ایک چیونٹی نے کاٹا تھا، تم نے اُمتوں میں سے ایک اُمت کو جلا دیا جو اللہ کی تسبیح کرتی تھی؟ (صحیح بخاری:۳۰۱۹)

یہ حدیث درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

صحیح مسلم (۲۲۴۱) مسند احمد (۲/۴۰۳ ح ۹۲۳۰) مسند عبداللہ بن المبارک (۱۹۷) مسند ابی یعلیٰ (۵۸۵۱) سنن ابی داود (۵۲۶۶) سنن ابن ماجہ (۳۲۲۵) سنن النسائی (۷/۲۱۰، ۲۱۱) شرح مشکل الآثار للطحاوی (۸۷۴) صحیح ابن حبان (۵۶۱۴) اور السنن الکبریٰ للبیہقی (۵/۲۱۳)

اس حدیث کی کئی سندیں ہیں، اسے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے درج ذیل تابعین نے بیان کیا ہے:

① سعید بن المسیب (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

② ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن (ایضاً)

③ ہمام بن منبہ (الصحیفۃ الصحیحۃ عرف صحیفہ ہمام: ۱۷، صحیح مسلم: ۱۵۰/ ۲۲۴۱، دارالسلام: ۵۸۵۱، مسند احمد ۲/ ۳۱۳ ح ۸۱۳۰، مصنف عبدالرزاق: ۸۴۱۲ وغیرہ)

④ عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج (صحیح بخاری: ۳۳۱۹، صحیح مسلم: ۱۴۹/ ۲۲۴۱، دارالسلام: ۵۸۵۰، مسند احمد ۲/ ۴۴۹ ح ۹۸۰۱، ابوداود: ۵۲۶۵) وغیرہ

⑤ محمد بن سیرین (سنن النسائی ۷/ ۲۱۱ ح ۴۳۶۴ ب وسندہ صحیح، السنن الکبریٰ للنسائی: ۴۸۷۱، ۴۸۷۲)

اتنے جلیل القدر تابعین (کو یہودی النسل قرار دے کر ان) کی بیان کردہ اس مشہور وصحیح روایت کو منکرِ حدیث معترض نے قرآن کے خلاف قرار دے کر رد کر دیا ہے حالانکہ اس معترض کی پیدائش سے صدیوں پہلے حسن بصری رحمہ اللہ بھی ایسی روایت بطورِ جزم بیان کرتے تھے۔ دیکھئے السنن الصغریٰ للنسائی (۷/ ۲۱۱ ح ۴۳۶۴ وسندہ صحیح)

تنبیہ: سنن ابی داود (۵۲۶۷) وغیرہ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار جانداروں: چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور ایک چڑیا (صرد) کے قتل سے منع فرمایا ہے۔

اس روایت کی سند امام زہری کی تدلیس (عن) کی وجہ سے ضعیف ہے اور اس کے تمام شواہد بھی ضعیف ہیں لہٰذا یہ روایت نا قابلِ حجت اور مردود ہے۔

فائدہ:

چیونٹی نے پیغمبر کو تکلیف دی تھی لہٰذا انھوں نے اسے قتل کر دیا اور اجتہاد کرتے ہوئے چیونٹیوں کے چھتے کو ہی جلا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس فعل پر رد کر کے انھیں معاف فرما دیا اور ہم پر یہ فرض ہے کہ سارے انبیاء اور رسولوں پر ایمان لائیں، اُن کا احترام کریں اور ہر قسم کی گستاخی سے کروڑوں اربوں میل دُور رہیں۔

(٤٢)

﴿٤١﴾ قرآن مقدس

قرآن مقدس میں یہ بیان ہوا ہے کہ جو شئے مسلمانوں کیلئے ضرر رساں ہو اور اس سے کبھی نفع کی توقع نہ ہو تو اسکو مٹا دیا جانا چاہیے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے پانچ جانوروں کو بھی قتل کر دینے کا حکم دے دیا اور فرمایا.. **اقتلوا الخمس الفویسقه**.. جن سے فائدہ کی توقع کی بجائے نقصان ہی کی امید ہوتی ہے خاص طور پر قرآن نے انبیآء علیہ السلام کا یہ خاص کردار ذکر کیا ہے وہ اللہ کی رحمت کا عملی نمونہ ہوتے ہیں بلند اخلاق کے ضور تکالیف برداشت کر لیتے ہیں لیکن کسی کو دکھاتے نہیں ہیں..

بخاری محدث

لیکن امام بخاری ایک قصہ نقل کرتے ہیں جو غالباً کسی یہودی النسل کا بنایا ہوا ہے جس میں ایک پیغمبر کا اللہ کی تسبیح کرنیوالے جانداروں کو قتل کرنا ثابت ہوتا ہے حالانکہ ایسا فعل انبیآء کی سیرت سے قطعاً میل نہیں کھاتا... کہ اللہ کے ایک نبی کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا تو انہوں نے چیونٹیوں کا پورا استھان جلوا دیا حالانکہ وہ چیونٹیوں کا پورا استھان اللہ کی تسبیح کر رہا تھا تو اللہ نے فرمایا کہ اے پیغمبر ایک چیونٹی نے تمکو کاٹا مگر تو نے پورا استھان جلا دیا حالانکہ وہ تو اللہ کی تسبیح و تقدیس میں مشغول تھیں... **قرصت نملة نبياً من الانبياء**

فامر بقرية النمل فأحرقت فاوحى الله اليه ان قرصتک نملة فاحرقت امة من الامم تسبح الله... (بخاری ۴۲۲ کتاب الجهاد)

یہودیوں کی اڑائی ہوئی ظالمانہ گپ امام بخاری نے قبول کر لی۔

03066659390

۴۲۔ سوت کاتنے والی خرقاء نامی ایک عورت کا قصہ

(سورۃ النحل کی آیت نمبر ۹۲ کی تشریح میں) امام بخاری نے سفیان بن عیینہ سے انھوں نے صدقہ سے نقل کیا کہ وہ خرقاء ہے، وہ جب سوت کات لیتی تو اسے توڑ دیتی تھی۔

(صحیح بخاری قبل ح ۴۷۰۷ تعلیقاً)

یہ نہ تو نبی ﷺ کی حدیث ہے اور نہ کسی صحابی کی بات ہے، لہٰذا یہ صحیح بخاری کے موضوع سے خارج ہے۔ اس معلق روایت کو امام ابن ابی حاتم اور طبری نے سفیان بن عیینہ عن صدقہ عن السدی کی سند سے بیان کیا ہے۔ دیکھئے فتح الباری (۳۸۷/۸) تغلیق التعلیق (۴/ ۲۳۷) اور تفسیر طبری (۱۱۱/۱۴)

اس روایت کی سند ضعیف ہے اور اگر امام اسماعیل بن عبدالرحمٰن السدی الکبیر تک ثابت بھی ہو تو قرآن مجید کی کسی آیت کے خلاف نہیں ہے لہٰذا معترض کا اعتراض فضول ہے۔

تنبیہ: سدی لقب کے دو آدمی ہیں: ① سدی صغیر واسمہ محمد بن مروان
② سدی کبیر واسمہ اسماعیل بن عبدالرحمٰن

محمد بن مروان عرف سدی صغیر کذاب ہے اور اسماعیل بن عبدالرحمٰن السدی الکبیر صدوق حسن الحدیث راوی ہیں، جمہور محدثین نے ان کی توثیق کر رکھی ہے۔ جو جرح سدی صغیر پر ہے بعض متاخرین کی غلطی سے اسے سدی کبیر پر فٹ کر دیا گیا ہے حالانکہ وہ اس جرح سے بری ہیں۔ امام یحییٰ بن سعید القطان نے فرمایا: اس کے ساتھ کوئی حرج نہیں ہے، میں نے دیکھا ہے کہ ہر شخص اسے خیر کے ساتھ ہی یاد کرتا تھا اور کسی نے بھی اسے ترک نہیں کیا۔ (الجرح والتعدیل ۲/۱۸۴، وسندہ صحیح)

[تنبیہ: طبع اوّل میں غلطی کی وجہ سے صغیر کی جگہ کبیر اور کبیر کی جگہ صغیر چھپ گیا تھا۔]

امام احمد بن حنبل وغیرہ نے ان کی تعریف کی ہے بلکہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا: وہ میرے نزدیک ثقہ ہیں۔ (سوالات المروزی: ۶۳ بحوالہ موسوعۃ اقوال الامام احمد بن حنبل ۱/۱۰۸)

ایسے صدوق امام کو کذاب معترض نے کذاب لکھ دیا ہے۔ صدقہ بن ابی عمران الکوفی قاضی الاہواز کے بارے میں حافظ ابن حجر نے کہا: صدوق (التقریب: ۲۹۱۶)

ابن حبان نے ثقہ قرار دیا اور ابو حاتم الرازی نے صدوق.... کہا۔ ان کی روایت صحیح مسلم میں موجود ہے۔ ان پر یحییٰ بن معین کی طرف منسوب جرح ابو عبید الآجری (مجہول) کی وجہ سے ضعیف ہے۔

زمانۂ خیر القرون کے اس سچے راوی کو احمق معترض نے احمق لکھ دیا ہے۔ (...محدث ص ۸۴)!

(۴۳)

«۴۳ قرآن مقدس»

قرآن مقدس کے نزول سے قبل تو شیاطین الجن کو کوئی آسمانی خبر فرشتوں کی آپس میں گفتگو کے ذریعہ آدھی پونی سن لی جاسکتی تھی مگر نزول قرآن کے بعد انکے لئے اللہ نے شہاب انکو بھسم کرنے والے مقرر کردیئے جنکی وجہ سے وہ کوئی سی بات سننے سے بھی محروم کردیئے گئے خود جنات بھی اس کے اقراری ذکر کیے ہیں قرآن میں ،،**وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَن يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَّصَدًا**،،اور ہم آسمان کے قریب کچھ ٹھکانوں میں سننے کیلئے جا بیٹھتے تھے پس اب جو وہاں سننے کیلئے پہنچے تو اپنے لئے ایک شعلہ جلا دینے والا تیار پاتا ہے یعنی اب کسی جن کا پہلے کی طرح سننا ممکن نہیں رہا۔

بخاری مقدس

لیکن امام بخاری کی قرآن میں بصیرت کی داد دیجیے کہ وہ نزول قرآن کے بعد بھی اسکے قائل ہیں کہ جن شیاطین اب بھی کوئی نہ کوئی فرشتوں کی بات سن کر اپنے کاہن مریدوں کو بتادیتے ہیں اسلئے کاہنوں کی وہ بات سچی ثابت ہوتی ہے اور کاہن اس سچی بات میں اور جھوٹ بھی ملا لیتے ہیں ۔

،ان الملئكة تنزل فى العنان وهو السحاب فتذكر الامر قضى فى السماء فتسترق الشياطين السمع فتسمعه فتوحيه الى الكهان فيكذبون معها مائة كذبة الحديث،(بخاری ۴۵٦ بدء الخلق باب ذكر الملائكة)

بخاری صاحب کا شغل چونکہ روایات میں لگن ہی تھا اس لئے انکی توجہ سورۃ الجن ،،سورۃ الحجر،،الصافات،،کی طرف نہ ہوئی ورنہ رسول اللہ ﷺ کی طرف اس جھوٹ کی نسبت نہ کرتے ۔

۴۳۔ آسمان کی خبریں اور شیاطین کا سُن گُن لینا

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: فرشتے بادلوں میں اُترتے ہیں پھر اس بات کا ذکر کرتے ہیں جس کا آسمان میں فیصلہ کیا گیا ہے تو شیاطین کان لگا کر سُن گُن لینے کی کوشش کرتے ہیں پھر وہ اسے کاہنوں (نجومیوں وغیرہ) کو بتا دیتے ہیں پھر وہ اپنی طرف سے اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا لیتے ہیں۔ (صحیح بخاری: ۳۲۱۰ واللفظ لہ، ۳۲۸۸، ۵۷٦۲، ٦۲۱۳، ۷۵٦۱)

یہ حدیث درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

صحیح مسلم (۲۲۲۸) مسند احمد (٦/۸۷ ح ۲۴۵۷ وسندہ صحیح) مصنف عبدالرزاق (۲۰۳۴۷) مشکل الآثار للطحاوی (۲۳۳۵، ۲۳۳٦) صحیح ابن حبان (٦۱۳٦) شرح السنۃ للبغوی (۱۲/۱۸۰ ح ۳۲۵۸ وقال: ھذا حدیث متفق علیٰ صحتہ) السنن الکبریٰ للبیہقی (۱۳۸/۸)

اس حدیث کو عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ سے دو ثقہ اماموں نے بیان کیا ہے:

① محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل ابو الاسود یتیم عروۃ: ثقہ (صحیح بخاری: ۳۲۱۰)

② یحییٰ بن عروہ بن الزبیر: ثقہ (صحیح بخاری: ۵۷٦۲)

ایسی صحیح حدیث کو معترض نے بغیر کسی صریح دلیل کے قرآن کے خلاف کہہ کر رد کر دیا ہے۔!

تنبیہ:

یہ حدیث کسی آیت کے خلاف نہیں بلکہ ﴿ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ ﴾ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ خَطِفَ اچکنے، جھپٹا مارنے اور چھین لینے کو کہتے ہیں۔

دیکھئے القاموس الوحید (ص ۴۵۵)

(۴۴)

﴿۴۴﴾ قرآن مقدس

قرآن پاک جن حروف جن الفاظ جن کلمات کے ساتھ اترا تھا اور جس قرائت کیساتھ نازل کیا گیا تھا اسی ہیئت وکیفیت اور اقدار کیساتھ پوری دنیا میں موجود ہے کوئی حرف وقرائت ایسی نہیں ہے جو اس موجودہ قرآن کے علاوہ ہو یہی قرآن ہی اپنی ہیئت وکیفیت کیساتھ نبی ﷺ نے پڑھایا اور یہی شیخین رضی اللہ عنہ نے اپنی نگرانی میں جمع کروایا اور یہی پوری دنیا آج تک پڑھ رہی ہے اسی پر اعراب امیر حجاج نے ستر علماء کی موجودگی میں لگوائے اور اسی قرآن کے متعلق اللہ نے فرمایا، **ولقد یسرنا القرآن للذکر،** اگر کوئی اور قرائت وحروف ہوتے تو یُسر نہ ہوتا عسر اور تکلیف ہی ہوتی... صرف یہی قرائت ہی ہے جو آج تک قرآن کی شکل میں پڑھایا، یاد کیا اور چھاپا جاتا ہے لا غیرہ.....

بخاری محدث

لیکن امام بخاری ہی وہ امیر المحدثین مشہور ہیں جو نقل کر رہے ہیں کہ سات قرائتوں اور حرفوں والا قرآن ہے مگر یہ نہیں بتاتے کہ وہ سات قرآن اور سات حروف کہاں غائب میں ہیں کہاں چھاپے گئے اور کہاں موجود ہیں موجودہ قرآن اپنی ہیئت قضائی کیساتھ تو موجود ہے اسکے علاوہ وہ قرآن کہاں ہے جسکی روایت ذہن بند کر کے امام بخاری نے فرمادیا ہے، **ان رسول اللہ ﷺ قال اقرانی جبریل علی حرف فلم ازل استزید فیزیدنی حتی انتھی الی سبعۃ احرف،**
(بدء الخلق ۴۲۷)

جبریل نے مجھے قرآن پڑھایا ایک حرف پر تو میں برابر ایک سے زائد حرف پر پڑھنے کی خواہش کرتا رہا آخر میں سات حروف پر پڑھنے کی اجازت دی... اگر اتنی قرائتیں ہوتیں تو ہر عام وخاص پر سب کا پڑھنا فرض ہوتا جسطرح اس موجودہ قرآن کی تلاوت فرض ہے تو پھر **،ولقد یسرنا القرآن،** کا جملہ تو جھوٹ بنتا... یہ ہے محدثین کا حال جو قرآن میں بھی اختلاف ڈالنے سے بھی گریز نہیں کرتے.

۴۴۔ قرآن کی سات قراءتیں متواتر ہیں

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید سات حرفوں یعنی سات قراءتوں پر نازل ہوا ہے۔ (صحیح بخاری: ۴۹۹۱، ۳۲۱۹)

یہ صحیح حدیث صحیح مسلم (۸۱۹، دارالسلام: ۱۹۰۲) مسند احمد (۲۶۳/۱ ح ۲۳۷۵، ۲۹۹/۱ ح ۲۷۱۷، ۳۱۳/۱ ح ۲۸۶۰) میں بھی ہے۔

معترض نے اس حدیث پر اعتراض کر دیا ہے جس کا مفصل و دندان شکن جواب حدیث نمبر ۳۹ کے تحت گزر چکا ہے۔ دوبارہ ملاحظہ فرمالیں۔

یاد رہے کہ معترض نے ایک آیت بھی پیش نہیں کی جس میں یہ لکھا ہوا ہو کہ قرآن کی صرف ایک قراءت ہے۔

(٤٥)

﴿٤٥﴾ قرآن مقدس

(۱) قرآن کے آداب میں سے ہے کہ ایک پڑھے تو دوسرا سنے اللہ کا قاری مقری جبریل پڑھے تو محمد ﷺ سنے اور اللہ کا قاری مقری محمد ﷺ پڑھے تو آپ ﷺ کے مقتدی سنیں جس طرح جبریل نے پڑھا تو آپ ﷺ نے سنا اور آپ ﷺ نے پڑھا تو جنات نے خاموش ہو کر سنا اسی طرح صحابہؓ نے خاموش ہو کر سنا...

(۲) قرآن کی بے ادبی میں سے ہے کہ پڑھنے والا پڑھ رہا ہو اور اسکے سامنے بجائے سننے کے پڑھا جائے خواہ کچھ بھی پڑھا جائے خواہ حدیث ہی کیوں نہ پڑھی جائے کیونکہ اس سے قرآن کی پڑھائی میں لوٹھ اور تخلیط وتخریب کاری ہوگی جسکو خود قرآن نے بیان کر دیا ہے کہ یہ وطیرہ کافروں کا ہے

رابطہ/ جامع مسجد علی جامعہ معارف القرآن عقب گورنمنٹ ہائی سکول کمیالی ایجاس گوجرانوالہ 03066659390

سلسلہ انہی کا ہے، وقال الذين كفروا لا تسمعوا لهذا القرآن والغوا فيه لعلكم تغلبون... کہ قرآن نہیں سنا اور سننے کی بجائے پڑھنا ہے خواہ کچھ بھی پڑھو ایسا پڑھو کہ قرآن سننے میں نہ آئے اصل مقصود کافر کا یہ تھا کہ قرآن نہ سنو حالانکہ پڑھنے والے پر پڑھنا فرض تھا اور ان پر سننا فرض تھا لیکن انہوں نے بھی پڑھائی شروع کر دی اور لوٹھ مچا دیا...

(۳) کافروں کا قدیم زمانے سے پیشہ چلا آ رہا ہے پڑھنے والا اپنا فریضہ ادا کر رہا ہو اور پڑھ رہا ہو خواہ تبلیغ کیلئے خواہ عبادت کیلئے تو کافر چونکہ قرآن کی آواز سننا نہیں چاہتا لہذا اسکے عین مقابلہ میں نعت خوانی، دوہڑا بازی شروع کر دیگا یا قال قال رسول اللہ... کی لوٹھ مچا دیگا یا کسی تو بے کو تلاوت قرآن شروع کروا دیگا... بہر کیف اصل مقصود اسکا چونکہ قرآن نہ سننا ہوتا ہے پڑھنے والے کی زبان سے اسلئے وہ کوئی سی پڑھائی شروع کر دیتا ہے تا کہ لوٹھ مچا دیا جائے اور قرآن نہ سنا جاسکے...

(۴) سننے والا اپنا دل اور کان پڑھائی کی طرف لگا دیتا ہے لیکن پڑھنے والا سن نہیں سکتا ہاں سننے والا پڑھنے والے کی پڑھائی دل میں پڑھ بھی سکتا ہے کیونکہ اصل پڑھائی تو دل کی ہوتی ہے خاموش زبان نہیں تو اس لئے کہا گیا ہے ،،ان الكلام لفي الفواد،، اسی لیے اللہ نے حکم دیا ہے کہ پڑھنے

والے کی پڑھائی سنو اور پڑھو نہیں کیونکہ اگر زبان سے پڑھو گے تو لوٹھ بھی ہو گی اور سن بھی نہ سکو گے ہاں سنو تا کہ دل سے پڑھ بھی سکو اور پڑھنے والے کی پڑھائی کا مقابلہ معارضہ بھی نہ ہو وہ زبان سے پڑھے تم دل سے پڑھو...

(۵) جس پر قرآن سنانا فرض ہوگا دوسرے کا قرآن سننا بھی فرض ہوگا جس پر سنانا فرض نہ ہوگا اسکی پڑھائی کا سننا بھی فرض نہ ہوگا سننا اسوقت فرض ہوگا جب پڑھنے والے پر سنانا فرض ہوگا جسطرح جبریل پر آپ ﷺ کو سنانا فرض تھا تو آپ ﷺ پر سننا فرض تھا اس لئے اللہ نے منع فرما دیا کہ آپ ﷺ سنیں اور زبان کو پڑھنے کیلئے حرکت بھی نہ دیں ،،لا تحرك به لسانك،، یعنی پڑھائی کیساتھ زبان سے خود نہ پڑھیں کیونکہ آپ ﷺ پر پڑھنے کی بجائے صرف سننا فرض ہے چونکہ جبریل پر آپکو سنانا فرض ہے یعنی اگر آپ ﷺ بھی ساتھ ساتھ پڑھیں گے ایک تو آپ ﷺ اپنے وظیفے کیخلاف کریں گے کیونکہ آپ ﷺ کا وظیفہ سننا ہے دوسرا جبریل کی پڑھائی سے معارضہ ہو جائیگا جو فائدہ مطلوب تھا وہ حاصل نہ ہوگا تیسرا آپ ﷺ میں جو لاوری کا اندھیرا تھا وہ تو جبریل کی پڑھائی سے دور ہو رہا ہے اور وہ تب ہوگا اگر آپ ہمہ تن متوجہ ہو کر سنیں چوتھا اگر آپ سنیں گے تو دل میں پڑھ بھی سکتے ہیں نیز فرمایا ،،فاتبع قرآنه،، جبریل کی پڑھائی کے پیچھے خوش رہو اگر

ساتھ ساتھ پڑھو گے تو پیچھے نہیں رہو گے پیچھے رہنے کیلئے سننا ہی فرض ہوگا وغیرہ کیونکہ پیچھے رہنا وہی ہوگا جو گوش ہوش سے سنیگا تو دل میں پڑھائی جبریل کی اترتی جائیگی جسطرح آپ ﷺ نے پڑھا تو «اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ» گوش ہوش سے جنات نے سنا تو آپ کی پڑھائی ان کے دل میں اترتی گئی اور یہ فائدہ خود ساتھ ساتھ پڑھنے سے نہیں ہوگا

نیز یہ قانون مسلم ہے کہ ایک آن میں نفس دو مستقل چیزوں کیطرف متوجہ نہیں ہوسکتا اپنی پڑھائی بھی کرے اور دوسرے کی پڑھائی پر کان بھی دھرے یہ نہیں ہوسکتا ایک کا ہوگا یا پڑھے یا سنے ہر ایک اپنا اپنا وظیفہ ادا کرے پڑھنے والا اپنا وظیفہ پڑھائی والا ادا کرے اور دوسرا اپنا وظیفہ سننے والا ادا کرے تب فائدہ ہوگا پڑھائی سے جو فائدہ مطلوب ہوتا ہے۔۔

ہاں پڑھنے والا اپنی زبان استعمال کررہا ہو تو سننے والا اپنا دل استعمال کرے زبان کیساتھ پڑھیگا تو دل سے کچھ نہیں پائیگا۔۔

(۶) قرآن پاک میں جہاں حرف اذا ظرف کیلئے ہو کر شرط کے معنی کو متضمن ہو وہاں اسکے مدخول کا معین اور محدود وقت میں پایا جانا یقینی ہوتا ہے اور وہاں ایسی عبادت مقصود ہوتی ہے جس کیلئے وقت اور زمانہ ظرف بن رہا ہو اور مدخول اذا کا پایا جانا متعین ہو تو وہاں شرط کے بعد اسکی جزاء کا ہونا بھی ضروری ہوتا ہے ایسی عبادت صرف نمازی ہے جس میں یہ تمام شرائط پائی جاتی ہیں تو ایسی شرط میں سنانے والے اور پڑھنے والے کا ذکر ہوتا ہے اور جزاء کے جملہ میں سننے والوں کا ذکر ہوتا ہے

چنانچہ اللہ نے فرمایا کہ سنو تو جب ہمارا قاری محمد ﷺ پڑھائی کا فریضہ اور وظیفہ ادا کر کے تمکو سنا رہا ہو تو تم پر سننا فرض ہوگا اور زبان کو حرکت دینے کی تمکو اجازت نہ ہوگی کیونکہ ایسے مقام پر انکا وظیفہ سنانا ہوگا اور تمہارا وظیفہ سننا ہوگا «لَا تُحَرِّكُوا بِهِ أَلْسِنَتَكُمْ» بلکہ «اسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا» اپنے کان اسکی پڑھائی کی طرف لگادو اور زبان سے خاموش رہو «وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ»

فاستمعوا له وانصتوا کا معنی ہے «فَاتَّبِعُوا قُرْآنَهُ» یعنی محمد ﷺ کی پڑھائی کے پیچھے پیچھے رہو اور وہ تب ہوگا کہ تم اپنی زبانوں کو حرکت نہ دو اور گوش ہوش سے صرف سنو اور یہی معنی غیر شعوری حالت میں امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں بدء الوحی کے باب میں ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے فرمایا «فاذا قراناه فاتبع قرآنه قال فاستمع له وانصت» تو معلوم ہوا کہ استمعوا وانصتوا سے مقصود ہوا کہ «لا تحركوا بالقراءة السنتكم واستمعوا له وانصتوا» کہ جب میرا قاری محمد ﷺ پڑھائی کررہا ہو تو اپنی زبانوں کو مت ہلاؤ بلکہ کان اسکی طرف لگاؤ اور خاموشی اختیار کرو اور یہی معنی ہے پیچھے رہنے کا۔۔

پس جب امام بخاری نے خود ہی فاستمعوا وانصتوا کا معنی لا تحرک اور اتباع کیساتھ کردیا کہ قاری کی قراءۃ کے ساتھ زبان مت ہلاؤ بلکہ اسکی قراءۃ کے پیچھے رہو یعنی کان لگا کے سنو اور زبان ہلانے سے خاموش رہو تو امام بخاری کو چاہیے کہ اپنے لکھے ہوئے کے خلاف نہ کرے۔۔۔

(۷) قرآن مقدس کے انہی قواعد وآداب ہی کیوجہ سے کہ امام قاری کا وظیفہ سنانا ہے اور مقتدیوں کا وظیفہ سننا ہی ہے امام کا وظیفہ پڑھائی کیساتھ آگے نکل جانا ہے اور مقتدی کا وظیفہ اسکی پڑھائی کی اتباع کرنا یعنی پیچھے پیچھے رہنا اور خاموش رہنا ہے۔۔

آپ ناظرین دیکھیں گے کہ خلفاء راشدینؓ جنکی سنت کو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی سنت فرمایا ہے اور جنکو آپ ﷺ نے مھدیین فرمایا ہے اور جنکی سنت کو مضبوط کر کے اتباع کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے «علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ» قطعاً امام کے پیچھے قرات کرنے یعنی پڑھنے کے قائل نہیں تھے اور نہ ان میں سے کوئی تو بھی کہتا کہ «سمعت النبی ﷺ... قال النبی ﷺ... اخبرنی فلان عن النبی ﷺ...» کہ اللہ کے پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ «لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب خلف الامام» مگر ما شاء وکلا کہ کسی ضعیف حدیث میں بھی ایسا آیا ہو۔۔۔

جب ان اسلاف سے یہ ثابت نہ ہوا تو پھر سنت یہی ماننا پڑیگی کہ امام کے پیچھے قرآن نہ پڑھنے کی سنت خلفاء راشدینؓ کی ہے اور جب انکی سنت یہی ہو گی تو لامحالہ آپ ﷺ کی سنت بھی یہی ہوگی کہ امام کے خلف نہ پڑھا جائے کیونکہ «فعله وترکه سنة» پر علماء کا اتفاق ہے اور آپ ﷺ نے انکی سنت کو اپنی سنت فرمایا

قرآن کے قانون ہی کی وجہ سے اور جلیل القدر صحابہؓ بھی مثل جابرؓ اور زید بن ثابتؓ کے خلف الامام پڑھنے کے قائل نہیں ہوئے۔۔۔ بہرکیف قرآن مقدس میں اسکی تصریح ہوئی کہ پڑھنے والے کی اتباع کرنی ضروری ہے اور بقول امام بخاری اتباع کا معنی کان لگا کر سننا اور زبان کو حرکت نہ دینا ہی ہوا اور یہی قانون ایک نہیں کئی آیات میں ذکر ہوا ہے سالم الحواس عالم کو انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہ ہوگی۔۔۔

بخاری محدث

لیکن امام بخاری قانون اور قاعدہ قرآن کے صریح خلاف اور اپنے لکھے
ہوئے اتباع کے معنی کے خلاف، روایت میں تکثیر کے شوق میں رواۃ پرکلی
اعتماد کر کے فرماتے ہیں کہ جو امام کی پڑھائی کیساتھ ساتھ پڑھائی نہ کرے
صرف سننے پر اکتفا کرے اسکی نماز نہیں ہوتی بلکہ اپنی کتاب جزء القراءت
میں پرزور تعصب کا رنگ دکھاتے ہوئے فرماتے ہیں اور اخبار واحدہ کے
متعلق ہی فرماتے ہیں ،،قد تواتر الخبر عن رسول اللہ ﷺ،،
یعنی امام کی پڑھائی کیساتھ پڑھائی کرنے کی حدیث متواتر ہے حالانکہ متواتر
اللفظ حدیث کوئی ایک ہی حدیث ،،انما الاعمال بالنیات،، ہے
متعلق ہی علماء حدیث نے کہا ہے اور کوئی حدیث اس صفت کیساتھ پورے
ذخیرہ میں نہیں پائی گئی.. باب قائم کرتے ہیں

باب وجوب القراءۃ للامام والماموم (۱/۱۰۴)

اور تحت الباب حدیث ،،لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ
الکتاب،، لاتے ہیں ماموم یعنی مقتدی پر بھی پڑھائی فرض کہتے ہیں جو
صریحاً آداب اور قوانین کے خلاف ہے جبکہ قراءۃ صرف امام یا منفرد پر فرض
ہوتی ہے اور مقتدی پر صرف سننا فرض ہوتا ہے اور پھر حدیث کے الفاظ عام

ہیں سینہ زوری سے مقتدی کو بھی اس میں داخل کرتے ہیں
باب باندھنا تو چاہیے تھا باب وجوب القراءۃ للامام
والمنفرد، لیکن تعجب ہے امام بخاری کے صنیع پر کہ جس منفرد پر قراءت
کرنا فرض تھا اسکا ذکر نہیں کیا اور جس مقتدی پر قراءت فرض کیا مسنون بھی
نہیں تھی اسکو دھاندلی سے قراءت کرنے والا ذکر کر دیا ہے حالانکہ بعد میں
،،مسیء الصلوۃ،، والی حدیث ذکر کی ہے اور اس پر قراءت فرض بتائی
ہے جبکہ باب میں اسکا ذکر تک نہیں کیا..
اب ہم بخاری صاحب کے باب اور حدیث دونوں پر کچھ عرض کرتے ہیں یہ
جو کہا جاتا ہے کہ نماز میں قراءت فرض ہے تو قراءت فی الصلوۃ سے بالاتفاق
سورت فاتحہ اور اسکے ساتھ کوئی دوسری سورت کا پڑھنا مراد ہوتا ہے اگر واقعی
قراءت فی الصلوۃ سے یہی مراد ہوتا ہے تو پھر معلوم ہوا کہ امام بخاری کا
مذہب صرف فاتحہ خلف الامام نہ ہوا بلکہ مقتدی پر بھی اسی طرح قراءت فرض
ہوئی جسطرح امام پر فرض ہوتی ہے حالانکہ اسکا قائل کوئی محدث بھی نہیں.
اور اگر قراءت مطلقہ امام اور منفرد پر ہی فرض ہے اور مقتدی پر نہیں اس پر صرف
فاتحہ ہی کا پڑھنا فرض ہے تو پھر امام بخاری کا باب باندھنا ہی صاف جھوٹ ہوا
کیونکہ باب تو باندھا ہے مطلق قراءت فی الصلوۃ کا حالانکہ وہ تو فرض ہے

امام اور منفرد پر ماموم کو اس میں تکلم کیساتھ کیوں ذکر کر دیا
نیز حدیث کے الفاظ امام اور منفرد کو تو شامل ہو سکتے ہیں جن پر قراءت مطلقہ
کرنا فرض ہوتا ہے لیکن مقتدی کی طرف تو حدیث میں اشارہ تک ذکر نہیں
ہے اور نہ خلف الامام کا لفظ ہی موجود ہے تو پھر خواہ مخواہ مقتدی کو اس میں
شامل سمجھنے کیلئے کیا امام بخاری پر وحی نازل ہوگئی تھی کہ یہ حدیث مقتدی کو بھی
شامل ہے؟
اب سمجھئے کہ تحت الباب حدیث کا مطلب تو باب باندھے ہوئے کے مطابق
ہی ہوگا تو پھر حدیث میں بھی قراءت مطلقہ یعنی قراءت فی الصلوۃ کا ذکر ہونا
ضروری ہوگا اور معنی حدیث کا باب کے مطابق یوں ہوگا کہ ،،لا صلوۃ
لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب،، نہیں جائز نماز اسکی جو نہ قراءت
کرے ساتھ فاتحۃ الکتاب کے. یعنی جو شخص نماز میں قراءت فاتحہ کے بغیر
دوسری سورت یا آیات کیساتھ قراءت کرے اور سورت فاتحہ نہ پڑھے تو اسکی
نماز جائز نہیں ہوتی. تو اس اعتبار سے بھی مقتدی خارج ہوگا اور حدیث ...
اور منفرد کو ہی شامل کرے گی. آخر قراءۃ الکتاب اور قراءۃ بالکتاب میں ...
میں کافی فرق ہے..
اب یہ معنی باب کے مطابق بھی ہوا یعنی قراءت مطلقہ ... ہوتی ...

حدیث کی ترکیب کے بھی مطابق ہوا کیونکہ جب کہا جائے قراءت الکتاب
تو مراد ہوتا ہے صرف کتاب ہی کو میں نے پڑھا اور جب کہا جائے قراءت
بالکتاب تو مطلب ہوتا ہے کسی دوسری چیز کے ساتھ کتاب کو پڑھا..
اور یہاں دوسری چیز قرآن کی سورت یا آیات ہوگی اور مطلب یہ ہوگا کہ جو
شخص قراءت کر رہا ہو اور سورت فاتحہ کے بغیر کسی دوسری سورت کیساتھ
قراءت کرے اسکی نماز جائز نہ ہوگی اسکی قراءت مطلقہ سورت فاتحہ کے بغیر
نہیں ہوگی..
ثابت ہو گیا باب قراءۃ کا مسئلہ جہاں سجادہ ہوگی وہاں منع کے معنی ظاہر ہوں گے
اس لحاظ سے حدیث ،،کل صلوۃ لم یقرء فیھا بام القرآن،،
حدیث میں سجادہ معنی منع ہوگی کہ ہر وہ نماز جس میں فاتحہ سمیت قراءت نہ کی
جائے گی وہ ناقص یا باطل ہوگی تو اس سے مقتدی خود بخود خارج تصور ہوگا کیونکہ
مقتدی پر قراءت مطلقہ ہے ہی نہیں.

امام بخاری کی خیانت یا بھول چوک

(۱) اسی باب میں امام بخاری مسیء الصلوۃ والی حدیث ذکر کرتے ہیں اس
میں رسول اللہ ﷺ مسیء الصلوۃ آدمی کو نماز کی حقیقت بیان فرماتے
ہوئے ،،ثم اقرأ ما تیسر معک من القرآن،، فرماتے ہیں

حالانکہ امام بخاری نے باب باندھا ہے امام و ماموم کا اور سری و الصلوٰۃ ... امام ہے نہ ماموم بلکہ منفرد ہے

(۲) "ثم اقرأ ما تیسر من القرآن" سے مراد اگر بخاری صرف فاتحہ لیتے ہیں تو بڑی خیانت ہے جبکہ نبی کریم ﷺ نے قطعاً قرائت مطلقہ کا حکم دیا جس طرح اللہ نے نماز تہجد کیلئے قرائت مطلقہ کا حکم اباحت دیتے ہوئے فرمایا "فاقرأوا ما تیسر من القرآن" "فاقرأوا ما تیسر منہ" فرمایا کیونکہ تہجد کی نماز میں لمبی قرائت سے مراد سورت فاتحہ تو نہ تھی بلکہ فاتحہ مع سورت طویلہ تھی لہذا چند آیات پڑھ لینے کی اجازت دی تاکہ نماز تہجد بھی ہو جائے اور قرائت مطلقہ بھی ہو جائے۔

(۳) امام بخاری نے عطاء ابن یسار سے ایک حدیث ذکر کی ہے کہ اس نے بیان کیا کہ میں نے زید بن ثابت سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے سورت نجم آپ ﷺ کو پڑھ کر سنائی تو آپ ﷺ نے نہ خود سجدہ کیا نہ مجھ کو سجدہ کا حکم دیا "انہ قرء علی النبی ﷺ والنجم فلم یسجد فیہا" ۱/۱۴۱ ابواب سجود القرآن۔

حالانکہ اس روایت میں خیانت نہیں تو چوک ضرور گئے ہیں کیونکہ اسی اسناد کیساتھ عطاء بن یسارؒ نے "سأل زید ابن ثابت عن القراءۃ مع الامام فقال لا قراءۃ مع الامام فی شئی" زید بن ثابتؓ سے قرائت خلف الامام سے متعلق ابن یسار نے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا قطعاً جائز نہیں ہے اس کے بعد زید بن ثابتؓ نے از خود ہی یہ کہہ دیا کہ میں نے سورت نجم آپ ﷺ کو سنائی تو اس میں نہ آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور نہ مجھے حکم دیا "وزعم انہ قرأ علی النبی ﷺ والنجم فلم یسجد فیہا" (مسلم ۱/۲۱۵ و نسائی ۱/۱۵۲)

ابن یسار نے سجدہ کے متعلق نہیں پوچھا تھا سجدہ نہ کرنے کا ذکر تو از خود زید بن ثابت نے ہی کر دیا۔ ابن یسار نے زید بن ثابتؓ سے قرآت خلف الامام کے متعلق پوچھا تھا جس کا جواب انہوں نے دیا کہ "لا قراءۃ مع الامام فی شئی"، لیکن امام بخاری چونکہ خلف الامام قرائت کا قائل تھا اسلئے عمداً اس سوال و جواب کا ذکر اس حدیث سے اڑا دیا اور صرف کچھ بیان کر کے پڑھنے والوں کو یہ باور کرایا کہ ابن یسار نے زید بن ثابت سے سجدہ نجم کے متعلق سوال کیا تھا مسلکی تعصب یہاں تک ایک محدث جلیل کو لے گیا کہ حدیث کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا...

۴۵۔ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی

سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب .))

جو (شخص) سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (صحیح بخاری:۷۵۶)

یہ حدیث درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

صحیح مسلم (۳۹۴) مسند الحمیدی (بتحقیقی:۳۸۸، نسخہ دیوبندیہ:۳۸۶) مسند احمد (۳۱۴/۵، ۳۲۱، ۳۲۲) سنن ابی داود (۸۲۲) سنن ابن ماجہ (۸۳۷) سنن الترمذی (۲۴۷ وقال: ''حدیث حسن صحیح'') سنن النسائی (۱۳۷/۲ ح ۹۱۱) صحیح ابن خزیمہ (۴۸۸) سنن الدارمی (۱۲۴۵)

اس حدیث کے راوی سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے قائل و فاعل تھے۔ دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۳۷۵/۱ ح ۳۷۷۰ وسندہ صحیح)

امام بیہقی نے حسن لذاتہ سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ صبح کی نماز میں (سیدنا) عبادہ (رضی اللہ عنہ) نے امام کے پیچھے قراءت کی۔

(کتاب القراءت للبیہقی ص ۶۴ ح ۱۲۱، وقال: ''وھذا إسنادہ صحیح ورواتہ ثقات'')

اس کے راوی ثقہ ہیں۔ نافع بن محمود کو امام دارقطنی، ابن حبان، بیہقی اور ابن حزم وغیرہم نے ثقہ قرار دیا ہے لہٰذا انھیں مجہول کہنا غلط ہے۔ حرام بن حکیم ثقہ ہیں اور مکحول ثقہ نے ان کی متابعت کر رکھی ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب الکواکب الدریہ فی وجوب الفاتحۃ خلف الامام فی الجہریہ (طبعہ جدیدہ ص ۴۹ تا ۵۵)

صحیح بخاری کی مرفوع حدیث جسے اس باب کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے، کے بارے میں محدّث خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کا عموم ہر اس نماز کو شامل ہے جو کوئی ایک شخص اکیلے پڑھتا ہے یا امام کے پیچھے ہوتا ہے، اس کا امام قراءت بالسر کر رہا ہو یا قراءت بالجہر کرے۔ (اعلام الحدیث فی شرح البخاری ج ۱ ص ۵۰۰، الکواکب الدریہ ص ۳۴)

حدیثِ مذکور کے جلیل القدر راوی سیدنا عبادہ البدری رضی اللہ عنہ کے قول و عمل سے معلوم ہوا کہ اس حدیث کے مفہوم میں مقتدی بھی شامل ہے۔ حنفی اصولِ فقہ کا یہ مسئلہ ہے کہ صحابی کا فہم بالخصوص جو حدیث کا راوی ہو وہ دوسروں کے مفہوم سے زیادہ راجح ہوتا ہے اور اس کا قول اس کی روایت کی تفسیر میں زیادہ قابل اعتبار ہوتا ہے۔ (دیکھئے امام الکلام ص ۲۵۵)

سرفراز خان صفدر گکھڑوی دیوبندی لکھتے ہیں:

''یہ بالکل صحیح بات ہے کہ حضرت عبادہ بن الصامتؓ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور ان کی یہی تحقیق اور یہی مسلک و مذہب تھا...'' (احسن الکلام طبع دوم ج ۲ ص ۱۴۲)

سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ مرفوع حدیث کو درج ذیل صحابہ نے بھی مختلف الفاظ کے ساتھ اس مفہوم میں بیان کیا ہے:

① ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (صحیح مسلم: ۳۹۵، ۳۹۶، صحیح ابن حبان الموارد: ۴۵۷)

② عائشہ رضی اللہ عنہا (مسند احمد ۶/ ۲۷۵ وسندہ حسن، ابن ماجہ: ۸۴۰)

③ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (جزء القراءۃ للبخاری: ۱۴، سنن ابن ماجہ: ۸۴۱ وسندہ حسن)

④ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (کتاب القراءت للبیہقی: ۱۰۰، وسندہ صحیح)

اتنے جلیل القدر صحابہ کی جماعت یہ حدیث بیان کرے اور پھر بھی یہ متواتر نہ ہو؟ عجیب انصاف ہے۔!

مسئ الصلوٰۃ والی حدیث میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إذا أقيمت الصلوٰة فكبّر ثم اقرأ بفاتحة الكتاب و ما تيسر.))

جب نماز کی اقامت ہو جائے تو تکبیر کہو پھر سورۂ فاتحہ پڑھو اور جو میسر ہو۔

(شرح السنہ للبغوی ۳/۱۰ ح ۵۵۴ وقال: ''ھذا حدیث حسن'' وسندہ حسن، مسند احمد ۴/۳۴۰، ابوداود: ۸۵۹، صحیح ابن خزیمہ: ۶۳۸، صحیح ابن حبان، الموارد: ۴۸۴)

معلوم ہوا کہ امام بخاری پر خیانت کا الزام لگانے والا خود خائن ہے۔

معترض نے خلفائے راشدین کے بارے میں لکھا ہے: ''وہ قطعاً امام کے پیچھے قراءت کرنے یعنی پڑھنے کے قائل نہیں تھے...'' (...محدث ص ۹۱، ۹۲)

عرض ہے کہ ابوابراہیم یزید بن شریک التیمی رحمہ اللہ تابعی سے روایت ہے کہ میں نے عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) سے امام کے پیچھے قراءت کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: پڑھ الخ

(مصنف ابن ابی شیبہ نسخہ محققہ مضبوطہ ج ۲ ص ۳۰۴ ح ۳۷۶۵ وسندہ صحیح، نسخہ قدیمہ ج ۱ ص ۳۷۳ ح ۳۷۴۸)

اس قراءت سے مراد فاتحہ الکتاب ہے۔ دیکھئے المستدرک للحاکم (۱/۲۳۰ ح ۸۷۳)

اسے حاکم، ذہبی اور دارقطنی نے صحیح کہا ہے۔ صحابۂ کرام کے تفصیلی آثار کے لئے میری کتاب الکواکب الدریہ دیکھیں تاہم معترض کی خدمت میں عرض ہے کہ کیا اس کے نزدیک سیدنا امیر المومنین خلیفہ راشد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین سے خارج ہیں؟ اگر نہیں تو پھر معترض نے جھوٹ کیوں بولا ہے؟

معترض کا اسی عبارت میں دوسرا جھوٹ: معترض نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ''خلف الامام پڑھنے کے قائل نہیں ہوئے'' (...محدث ص ۹۲)

سیدنا جابر الانصاری رضی اللہ عنہ ظہر اور عصر کی نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کے قائل وفاعل تھے۔
دیکھئے سنن ابن ماجہ (ج ۱ ص ۶۱ ح ۸۴۳ وسندہ صحیح) اور الکواکب الدریہ (ص ۹۳، ۹۴)

(۴٦)

(بخاری ۴۰ کتاب فضائل القرآن)	﴿۴٦﴾قرآن مقدس
	قرآن مقدس کی ایک سورت ہے جو اخلاص کے نام سے مشہور ہے یعنی قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ اللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ اس سورت کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ سورت اخلاص ہے تعدل ثلث القرآن یعنی کہ سورت اخلاص پورے قرآن کی تہائی کے برابر ہے...
	بخاری محدث
	لیکن امام بخاری جن کا شغل روایات جمع کرنا اور اپنی کتاب کو مسند اور صحیح ثابت کرنا تھا انہوں نے راویوں کی روایت کا عمل و نقل دیکھے بغیر اور قرآن کے تناظر میں روایت کو پرکھنے کی بجائے صرف درج کتاب کرنے کری بھر سمجھا سورۃ اخلاص کا حلیہ بگاڑ دیتے ہیں
	قال النبی ﷺ ایعجز احدکم ان یقرء ثلث القرآن فی لیلۃ فشق ذلک علیھم قالوا اینا یطیق ذلک یا رسول اللہ فقال اللہ الواحد الصمد ثلث القرآن۔ یعنی قل ھو اللہ احد اللہ الصمد کی بجائے سورت اخلاص یوں ہے اللہ الواحد الصمد۔ اور یہی ثلث القرآن ہے لاحول ولا قوۃ

۴٦۔ سورۂ اخلاص کو مختصراً اللہ الواحد الصمد کہنا

سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی آدمی ایک تہائی قرآن ہر رات میں پڑھنے سے عاجز ہے؟ جب یہ بات ان پر گراں گزری تو پوچھا: یارسول اللہ! ہم میں سے کون اس کی طاقت رکھتا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ الواحد الصمد تہائی قرآن ہے۔ (صحیح بخاری: ۵۰۱۵، شعب الایمان للبیہقی ۲/۵۰۳ ح ۲۵۳۳)

اس حدیث میں اللہ الواحد الصمد سے قل ھو اللہ احد یعنی سورۂ اخلاص مراد ہے۔

عینی حنفی کہتے ہیں: ''قوله اللّٰه الواحد الصمد كناية عن قل هو اللّٰه أحد فيها ذكر الالهية والوحدة والصمدية'' ان کا قول: اللہ الواحد الصمد کنایہ ہے قل هو اللّٰه أحد کا، اس میں الٰہیت، وحدت اور صمدیت کا ذکر ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴)

نیز دیکھئے فتح الباری (ج ۹ ص ٦۰)

روایت کو مختصر یا بالمعنیٰ بیان کرنا جرم نہیں ہے بشرطیکہ مفہوم نہ بدلے۔ روایتِ مذکورہ میں

مفہوم ایک ہی یعنی سورۂ اخلاص ہے لہٰذا معترض کا اعتراض باطل ہے۔

تنبیہ: روایتِ مذکورہ درج ذیل کتابوں میں بھی ہے:

مسند احمد (۳/ ۸ ح ۱۱۰۵۳) مسند ابی یعلیٰ (۱۰۱۷، ۱۰۱۸) فضائل القرآن لابن الضریس (۲۵۶) سورۃ الاخلاص کے لئے اللہ الواحد الصمد کے الفاظ حدیث کی بہت سی کتابوں میں آئے ہیں جن میں سے بعض کے حوالے درج ذیل ہیں:

سنن الترمذی (۲۸۹۶ وقال: ھذا حدیث حسن) مسند الامام احمد (۴/ ۱۲۲ ح ۱۷۱۰۹) السنن الکبریٰ للنسائی (۶/ ۱۷۵ ح ۱۰۵۳۰) فضائل القرآن لابی عبید (ص ۱۴۳ ح ۳۔ ۴۶) مسند عبد بن حمید (المنتخب ج ۱ ص ۲۲۳ ح ۲۲۲) شرح مشکل الآثار للطحاوی (۳/ ۲۵۰ ح ۱۲۱۴) المعجم الکبیر للطبرانی (۴/ ۱۶۷ ح ۴۰۲۶) معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم الاصبہانی (۴/ ۲۱۵۰ ح ۵۴۰۳)

معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس اعتراض سے بری ہیں کہ انھوں نے سورۂ اخلاص کا حلیہ بگاڑا ہے۔

تنبیہ: امام بخاری جیسی روایت امام بیہقی نے ابو القاسم عبدالرحمٰن بن عبید اللہ الحرفی البغدادی سے انھوں نے ابو بکر محمد بن عبداللہ بن ابراہیم الشافعی سے انھوں نے جعفر بن محمد بن شاکر سے انھوں نے عمر بن حفص بن غیاث سے بیان کر رکھی ہے۔ (شعب الایمان: ۲۵۳۳)

(۴۷)

(بخاری ۶۰، کتاب فضائل القرآن)

﴿۱۷﴾ قرآن مقدس

قرآن پاک کی سورۃ نساء میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ وَاللَّهُ أَرْكَسَهُم بِمَا كَسَبُوا ۔۔۔ یہ آیت ان لوگوں کے خلاف نازل کی گئی جو مدینے سے باہر مختلف قبائل میں سے مسلمان ہو گئے تھے ان سے کہا گیا تھا کہ وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ آ جاؤ تا کہ اسلام کو اچھی طرح سمجھ لو اور صحیح معنوں میں اسلامی زندگی جان جاؤ مگر ان نومسلم لوگوں نے اس حکم کی تعمیل نہ کی اور سیاسی اور جنگی ضرورت کے تحت ان قبائل کو سزا دینے کی ضرورت بھی تھی جن میں یا کا دکا نام نہاد مسلمان رہ رہے تھے تو ان مسلمانوں کیساتھ کیا معاملہ کیا جائے اس میں اختلاف ہو گیا کہ ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے انکو بھی پورے قبیلے کی طرح قتل کر دیا جائے یا نہ؟ بعض صحابہ کا خیال تھا کہ آخر وہ مسلمان تو ہیں نا اسلئے انکو قتل نہ کیا جانا چاہیے اس اختلاف کو دور کرنے کیلئے آیات نازل فرمائیں کہ اللہ نے فرمایا اے مسلمانو تمکو کیا ہوا کہ منافقین کے متعلق تم دو گروہ بن گئے ہو حالانکہ اللہ نے انکی بدعملی کی وجہ سے انہیں اوندھے منہ گمراہی میں گرا دیا ہے یعنی اللہ نے فیصلہ فرما دیا کہ ایسے نام نہاد مسلمان دراصل منافق ہیں جن کا نفاق ظاہر ہو گیا ہے کہ ہجرت کرنے کا حکم بھی انہوں نے نہیں مانا۔۔۔اس آیت کے متصل بعد اللہ نے انہی منافقوں کے بارے فرمایا وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّى يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ یعنی ان منافقین کی آرزو ہے کہ تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہو گئے اسطرح تم سب برابر ہو جاؤ (اور سب کے سب تم گمراہی کی غار میں جا گرو بس یہ منافقین تمہارے بدخواہ ہیں) لہٰذا تم اہل ایمان ان میں سے دوست نہ بناؤ یہاں تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کریں۔۔۔

مطلب یہ تھا کہ ان قبائل کیساتھ قتل و قتال ہو تو ان نام نہاد مسلمان منافقوں کا بھی صفایا کر دیا کیونکہ انہوں نے اسلام ظاہری کے باوجود اللہ کے رسول کا فرمان کہ ہجرت کر کے مدینہ آ جاؤ نہیں مانا اسی لئے سماعتی یہاجروا۔۔ کی قید لگائی تھی۔۔۔

بخاری محقق

لیکن اخباری آدمی کا مطمع نظر چونکہ روایات جمع کرنا ہوتا ہے قرآن پاک کی بصیرت حاصل کرنا ان کا شغل نہیں ہوتا اسی لئے امام بخاری نے بڑے وثوق کیساتھ ایک روایت درج کتاب کر کے قرآن کے صریح خلاف ہدی ہیں ثابت کر کے اپنی پر اعتماد کر لیا ہے اور فرمایا کہ یہ آیات منافقین مدینہ عبداللہ ابن ابی ابن سلول کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔ امام بخاری نے قرآن کو سمجھنے کی زحمت گوارا نہیں کی ورنہ سماعتی یہاجروا فی سبیل اللہ۔ کا مطلب کیا ہے کہ یہ کس طرف ہجرت کر کے آنے والے باہر کے لوگ ہوں گے خود مدینے کے منافق کا ہجرت کرنا کیا تک بنتا تھا ابن ابی وغیرہ تو مدینے کے رہنے والے تھے وہ کہاں ہجرت کرتے۔۔

خود مدینے کے منافقین کے متعلق تو مسلمان ایک ہی رائے رکھتے تھے ان کا اختلاف تھا ہی نہیں۔

لما خرج النبي ﷺ الى احد رجع ناس ممن خرج معه وكان اصحاب النبي ﷺ فرقتين فرقة تقول نقاتلهم وفرقة تقول لا نقاتلهم فنزلت فما لكم في المنافقين فئتين ۔۔۔ الاية (۶۴ غزوه احد)

حالانکہ یہ ساری داستان ہی جھوٹی بنائی ہے بعض راویوں نے امام بخاری بھی کیا تھا قرآن کی بجائے ان پر اعتماد کر بیٹھے ابن ابی جو تمام اپنے ساتھیوں سمیت راستے سے ہی واپس مدینہ لوٹ آئے تھے ان کے متعلق تو صحابہ کرام ایک ہی رائے رکھتے تھے اختلاف کا کیا معنی نیز انکو ہجرت کا حکم کہاں سے اور کس شہر کیلئے ہونا تھا جبکہ وہ تو خود مدینہ میں سکونت رکھتے تھے۔۔۔

۴۷۔ غزوۂ احد کے وقت صحابۂ کرام کا اختلاف

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ غزوۂ احد کے لئے (مدینے سے باہر) نکلے۔ کچھ لوگ جو آپ کے ساتھ نکلے تھے واپس چلے گئے اور نبی ﷺ

کے صحابہ کے دو فرقے (دو گروہ) بن گئے۔ ایک گروہ کہتا تھا کہ ہم ان (کافروں) سے جنگ کریں گے اور دوسرا گروہ کہتا تھا: ہم ان سے جنگ نہیں کریں گے تو یہ آیت یعنی سورة النساء کی آیت نمبر ۸۸ نازل ہوئی الخ (صحیح بخاری: ۴۰۵۰ نیز دیکھئے ح ۱۸۸۴، ۴۵۸۹)

صحیح بخاری کے علاوہ یہ حدیث درج ذیل کتابوں میں بھی ہے:

مسند احمد (۱۸۴/۵، ۱۸۷، ۱۸۸، ۲۸۷) مسند عبد بن حمید (۲۴۲) سنن الترمذی (۳۰۲۸) اور صحیح مسلم (۱۳۸۴، مختصراً) یہ حدیث اور بھی بہت سی کتابوں میں ہے مثلاً دیکھئے موسوعة حدیثیہ تحقیق مسند الامام احمد (ج ۳۵ ص ۴۷۸ ح ۲۱۵۹۹) والحمد للہ

اس حدیث کو امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی اور امام ابوعوانہ وغیرہم نے صحیح قرار دیا ہے مگر معترض نے اس حدیث پر بھی اعتراض داغ دیا ہے۔ معترض نے عدی بن ثابت کو کٹر رافضی لکھ دیا ہے۔ (....محدث ص ۱۰۲)

عدی بن ثابت کے بارے میں امام اہلِ سنت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا:

''ثقة إلا أنه كان يتشيع'' وہ ثقہ ہیں لیکن ان میں تشیع ہے۔

(کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ۲/۴۹۱ فقرہ: ۳۲۳۳)

امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا: وہ سچے ہیں اور وہ شیعہ کی مسجد کے امام اور واعظ تھے۔

(الجرح والتعدیل ج ۷ ص ۲)

انھیں عجلی وغیرہ جمہور محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے۔

شیعہ کی دو قسمیں ہیں: ① رافضی جو تحریفِ قرآن کا عقیدہ رکھتے ہیں یا صحابہ کرام کو گالیاں دیتے ہیں وغیرہ ② جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھتے ہیں۔

امام احمد وغیرہ کی توثیق سے ثابت ہوتا ہے کہ عدی بن ثابت رافضی نہیں بلکہ صرف شیعہ تھے جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھتے تھے اور اسی طرح کے تفضیلی شیعوں کے امام تھے۔ ایسا راوی ثقہ عندالجمہور ہو تو اس کی روایت صحیح لذاتہ یا حسن ہوتی ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے میزان الاعتدال (۵/۱، ٦)

(۴۸)

﴿۴۸﴾ قرآن مقدس

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ
هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا
وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن
يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ»

یہ پوری آیت سابقہ آیت پر معطوف ہے اور دونوں آیتوں میں مال فئی کے مصرف کا بیان ہے کہ ضرورت مند مہاجرین اور ضرورت مند انصار اس مال کا مصرف ہیں اور یہ دونوں آیات سورت حشر کے پہلے رکوع میں سے ہیں ان دونوں آیتوں کا نزول بھی سابقہ آیات کے ساتھ ۴ھ میں یہودی قبیلہ کو جلا وطن کر دینے کے یکبارگی ہوا تھا ان میں سے کسی آیت کے ٹکڑے کے ساتھ اور کسی قصہ کا تعلق نہ ہے اور نہ ہی کوئی قصہ ان آیات میں سے کسی کا پس منظر اور شان نزول ہے...

بخاری محدث

لیکن ذرا دیکھئے امام بخاری کی قرآن دانی کی کہ وہ اپنی صحیح میں ابو حازم اشجعی جو ساتھ ایسے افسانہ گو راویوں پر اعتماد کر کے بلا کان ایک قصہ کو آیت کے ایک ٹکڑے "ویؤثرون علی انفسہم" کا شان نزول قرار دیتے ہیں قرآن کا کس ہو چش دیکھیے سب پر بغیر روایت پرستی کا طیرہ ہی پورا کرتے ہیں حالانکہ "یؤثرون علی انفسہم" مستقل آیت نہیں آیت کا ایک حصہ ہے جیسا آپ دیکھ چکے ہیں اور جس آیت کا ٹکڑا ہے وہ آیت بھی پہلی آیت پر معطوف ہے اور یہ ٹکڑا خود "یحبون من ہاجر" پر معطوف ہے اور صرف معطوف حصہ کا نزول جبکہ معطوف علیہ میں زمانہ کا بعد ہو کس طرح ہو سکتا ہے...

متصل آیات کا کچھ تھا لیکن امام بخاری نے آیت کی تقطیع کر کے ہر ٹکڑے کو الگ کر کے مضمون قرآن کو منتشر کر دیا ہے...

صحیح بخاری ۵۳۵ کتاب المناقب میں وہ قصہ ذکر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ کے ایک مہمان کو ایک صحابی میزبان بن کر لے گیا وہ میاں بیوی دونوں چراغ بجھا کر خالی چبکارے مارتے رہے کہ گویا وہ بھی کھا رہے ہیں اس طرح مہمان نے سیر ہو کر کھا لیا صبح کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رات کو جو تم نے کیا ہے اس پر اللہ نے "ویؤثرون علی انفسہم" آیت کا ٹکڑا نازل فرما دیا ہے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ

۴۸۔ مہمان کی مہمان نوازی میں میزبان کا بھوکا سونا

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا تو آپ کے پاس (میزبانی کے لئے) پانی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا تو آپ نے فرمایا: اس کی کون میزبانی کرتا ہے؟ ایک انصاری آدمی نے کہا: میں، پھر وہ انصاری صحابی اپنی بیوی کے پاس گئے اور کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان کی تکریم کرنا۔ اس نے کہا: ہمارے پاس تو صرف بچوں کا کھانا ہے۔ انھوں نے کہا: کھانا لے آؤ، چراغ جلا لو اور بچے اگر رات کا کھانا مانگیں تو انھیں سُلا دو۔ وہ کھانا تیار کر کے لے آئیں، چراغ جلا لیا اور بچوں کو سلا دیا پھر وہ چراغ ٹھیک کرنے کے لئے اٹھیں تو اسے بجھا دیا پھر وہ مہمان کو کھانا کھلاتے ہوئے یہ دکھاتے رہے کہ گویا وہ بھی کھا رہے ہیں، انھوں نے یہ رات بھوکے گزاری پھر جب صبح ہوئی تو وہ انصاری صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا: آج رات تمھارے عمل سے اللہ تعالیٰ ہنسا ہے (کما یلیق بجلالہ) پھر اللہ نے سورۃ الحشر کی آیت نمبر ۹ نازل فرمائی۔

(صحیح بخاری: ۳۷۹۸، ۴۸۸۹)

یہ حدیث درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:
صحیح مسلم (۲۰۵۴) سنن الترمذی (۳۳۰۴ وقال: حسن صحیح) السنن الکبریٰ للبیہقی (۱۸۵/۴) السنن الکبریٰ للنسائی (۱۱۵۸۲) صحیح ابن حبان (الاحسان: ۵۲۶۲، دوسرا نسخہ: ۵۲۸۶) مسند ابی یعلیٰ (۲۹/۱۱، ۳۰ ح ۶۱۶۸، ۶۱۸۲، و ۶۱۹۴) المستدرک للحاکم (۱۳۰/۴ ح ۷۱۷۶ وصححہ علیٰ شرط مسلم ووافقہ الذہبی) مسند ابی عوانہ (نسخہ قدیمہ ۴۱۳/۵، ۴۱۴) وغیرہ

اس حدیث کے راوی ابو حازم سلمان الاشجعی الکوفی ثقہ ہیں۔ (تقریب التہذیب: ۲۴۷۹)

ابو حازم الاشجعی کو درج ذیل محدثین نے ثقہ کہا ہے:
احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، العجلی، ابن حبان اور ابن سعد وغیرہم۔ دیکھئے تہذیب الکمال مع الہامش (نسخہ جدیدہ ۲۴۲/۳)

کسی نے بھی امام ابو حازم تابعی پر کوئی جرح نہیں کی مگر منکر حدیث معترض نے اس حدیث کو بھی قرآنِ مقدس کے خلاف کہہ کر رد کر دیا ہے اور پھر لاحول ولاقوۃ بھی کہہ رہا ہے۔!

(۴۹)

105

﴿۴۹﴾ قرآن مقدس

اللہ تعالی نے قرآن میں تصریح فرمائی ہے کہ اللہ تعالی کی وحی نے رسول اللہ ﷺ کو مطلع کیا تھا کہ جنات کے ایک گروہ نے بڑی توجہ کیساتھ قرآن سنا ہے اور وحی حق نے یہ بھی بتایا اس گروہ نے جا کر اپنی قوم سے یہ ذکر بھی کیا اور یہ تصریح سورۃ الجن کے پہلے رکوع میں اور سورت احقاف کے چوتھے رکوع میں ہے ﴿قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا......

بخاری محدث

لیکن امام بخاری راویوں کے چکر میں پھنس کر فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کو جنات کے آ کر قرآن سننے کی اطلاع ایک درخت نے دی تھی.

قال وانوه حدثنی ابوک یعنی عبد اللہ انه اذنت بهم شجرة۔ (۵۴۴ کتاب المناقب)

حالانکہ بخاری نے باب ذکر الجن وقول اللہ تعالیٰ قل اوحی الی انه استمع نفر من الجن، غیر شعوری حالت میں لکھ بھی دیا ہے لیکن پھر بھی توجہ درخت والی روایت پر مرکوز رکھی اور اسکی تردید نہ کی بلکہ دوسری روایات کی طرح اسکو بھی کتاب کی زینت بنادیا....

0308665_390

۴۹۔ درخت کا اطلاع دینا کہ جنات نے قرآن سُنا ہے

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنوں والی روایت جنوں کے بارے میں ایک درخت نے آپ ﷺ کو اطلاع دی تھی۔ (صحیح بخاری:۳۸۵۹)

اس روایت میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے راوی مسروق بن الاجدع ثقہ فقیہ عابد مخضرم ہیں۔ (تقریب التہذیب:۶۶۰۱)

ان کے شاگرد عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود ثقہ ہیں۔ (التقریب:۳۹۲۵)

ان کے شاگرد معن بن عبدالرحمٰن ثقہ ہیں۔ (التقریب:۶۸۱۹)

ان سے مسعر بن کِدام راوی ہیں جو ثقہ ثبت فاضل ہیں۔ (التقریب: ٦٦٠٥)

مسعر رحمہ اللہ سے اس حدیث کو ابو اسامہ حماد بن اسامہ نے بیان کیا ہے جو ثقہ ہیں۔

(قالہ یحییٰ بن معین، انظر تاریخ عثمان بن سعید الدارمی: ۲۴۲)

امام احمد بن حنبل نے فرمایا: ابو اسامہ صحیح کتاب والے، حدیث یاد کرنے والے، اچھے (اور) سچے تھے۔ (الجرح والتعدیل ۱۳۳/۳، وسندہ صحیح)

ابو اسامہ نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔ ابو اسامہ کی سند سے یہ حدیث درج ذیل کتابوں میں بھی ہے:

صحیح مسلم (۴۵۰/۱۵۳، دارالسلام: ۱۰۱۱) البحر الزخار للبزار (۳۵۲/۵ ح ۱۹۸۴)

دلائل النبوہ للبیہقی (۲۲۹/۲)

ابو اسامہ اصل حدیث میں منفرد نہیں ہیں، بلکہ ان کے علاوہ سفیان بن عیینہ نے اسے مسعر سے انھوں نے عمرو بن مرہ سے انھوں نے ابو عبیدہ بن عبداللہ بن مسعود سے انھوں نے مسروق سے انھوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی روایت کو بیان کیا ہے۔ دیکھئے مسند الحمیدی (بتحقیقی: ۱۲۴، نسخہ دیوبندیہ: ۱۲۳) مسند الہیثم بن کلیب الشاشی (ج ۱ ص ۴۰۲، ۴۰۳ ح ۴۰۵) البحر الزخار (۳۵۲/۵ ح ۱۹۸۴، تعلیقاً)

اس صحیح حدیث کو بھی معترض نے کتاب مقدس کے خلاف قرار دے دیا ہے۔ سبحان اللہ!

اگر درخت بَن طرف سے موسیٰ علیہ السلام کی طرف آواز آسکتی ہے تو کیا اللہ کی وحی اور حکم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو درخت یہ اطلاع نہیں دے سکتا کہ جن آپ کی تلاوت سن رہے ہیں؟

(۵۰)

﴿۵۰﴾ قرآن مقدس

اللہ تعالیٰ نے معذور لوگوں کے علاوہ جہاد نہ کرنے والوں پر جہاد کرنیوالوں کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا: **لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ۔**

"یعنی آیت میں غیر اولی الضرر بھی نازل ہوا تھا جو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو پڑھ کر سنایا تھا تو معذور بھی سمجھ گئے اور انکو تسلی بھی ہوگی...

بخاری محدث رب کی شان میں گستاخی

لیکن بخاری صاحب قرآن کی عبارت سے سخت بے اعتنائی کرتے ہوئے کئی مرتبہ اپنی کتاب میں لکھ دیتے ہیں کہ آیت میں "غیر اولی الضرر" پہلے نازل نہیں ہوا تھا ابن ام مکتوم کے کہنے پر اللہ کے رسول ﷺ نے از خود آیت میں لکھوا دیا **لا حول ولا قوۃ**

زید بن ثابتؓ "**لایستوی القاعدون من المومنین** لکھ چکے تھے تو ابن ام مکتوم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں معذور ہوں ورنہ جہاد کیلئے تو دل چاہتا ہے کیا کروں تو اسوقت اللہ کے رسول ﷺ نے "**غیر اولی الضرر**" خود لکھوا دیا اور فرمایا اللہ نے اب یہ نازل کر دیا ہے

لما نزلت لا یستوی القاعدون من المومنین، فدعا رسول اللہ ﷺ زیدا فجاء بکتف فکتبها وشکی ابن ام مکتوم ضرارته فنزلت لا یستوی القاعدون من المومنین غیر اولی الضرر (۲۹۷... کتاب الجهاد)

یہ حال ہے بخاری کا کہ اللہ سے متعلق وہ فعل منسوب کیا ہے جو بندوں سے ہی ہوسکتا ہے کہ پہلے بھول جاتے ہیں بعد میں یاد آ جاتا ہے یا نظر ثانی کرنے سے غلطی ظاہر ہو جاتی ہے.. یا اللہ سے کسطرح ہوسکتا ہے کہ پہلے اپنے نبی ﷺ پر کچھ اتارے پھر بعد میں رہا ہوا لفظ اتار دے.. لا حول ولا قوۃ الا باللہ

03006650390

۵۰۔ سیدنا ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اور نابینا مجاہد

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت: ﴿بیٹھنے والے مومنین برابر نہیں ہیں﴾ (النساء: ۹۵) نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید (بن ثابت رضی اللہ عنہ) کو بلایا، وہ لکھنے کے لئے ایک چوڑی ہڈی لے آئے۔ ابن ام مکتوم (رضی اللہ عنہ) نے نابینا ہونے کی شکایت کی تو یہ آیت: ﴿غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ﴾ یعنی بیمار کے علاوہ، نازل ہوئی۔

(صحیح بخاری: ۲۸۳۱، نیز دیکھئے ۴۵۹۳، ۴۵۹۴، ۴۹۹۰)

یہ حدیث درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے اور بالکل صحیح ہے:

صحیح مسلم (۱۸۹۸) مسند احمد (۴/۲۸۲، ۲۸۴، ۲۹۰، ۲۹۹، ۳۰۱) سنن الترمذی (۳۰۳۱، وقال: حسن صحیح، ۱۶۷۰) سنن الدارمی (۱۷۲۵) سنن النسائی (۶/۱۰ ح ۳۱۰۳، ۳۱۰۴) مصنف ابن ابی شیبہ (۵/۳۴۲) مسند ابی یعلیٰ (۱۷۲۵) مسند طیالسی (۷۰۵) طبقات ابن سعد

(۲۱۰/۴) صحیح ابی عوانہ (۷۴،۷۳/۵) صحیح ابن حبان (الاحسان: ۴۲) شرح مشکل الآثار للطحاوی (۱۵۰۰) وغیرہ

سیدنا براء رضی اللہ عنہ کے علاوہ یہ حدیث سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی ثابت ہے۔

صحیح مسلم (۱۸۹۸، دارالسلام: ۴۹۱۱) صحیح بخاری (۲۸۳۲) مسند احمد (۱۸۴/۵) سنن الترمذی (۳۰۳۳ وقال: حسن صحیح) سنن النسائی (۹/۶ ح ۳۱۰۱، ۳۱۰۲)

اس حدیث کے مزید شواہد کے لئے دیکھئے مسند عبد بن حمید (۲۴۱) مسند احمد (۱۹۰/۵، ۱۹۱ ح ۲۱۶۶۴) سنن ابی داود (۲۵۰۷، ۳۹۷۵) سنن سعید بن منصور (۲۳۱۴، التفسیر: ۶۸۱) شرح مشکل الآثار للطحاوی (۱۴۹۹) المستدرک للحاکم (۸۱/۲۔۸۲) وغیرہ

ایسی زبردست صحیح روایت کو معترض نے ''رب کی شان میں گستاخی'' کہتے ہوئے قرآن مجید سے ٹکرا دیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے جب وہ چاہے اپنے نبی پر اپنا کلام نازل کرے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ ﴾

اور جب ہم ایک آیت کو دوسری آیت کی جگہ تبدیل کرتے ہیں اور اللہ زیادہ جانتا ہے جو وہ نازل کرتا ہے وہ کہتے ہیں: تم تو مفتری ہو۔ (النحل: ۱۰۱)

نیز دیکھئے سورۃ البقرۃ (۱۰۶)

معلوم ہوا کہ گستاخی کا تو نام ونشان تک نہیں مگر مفتری معترض نے مخالفینِ رسالت کی تقلید کرتے ہوئے گستاخی کا اعتراض جڑ دیا ہے۔

(۵۱)

﴿۵۱﴾ قرآن مقدس

قرآن مقدس کا اصل موضوع اللہ کی سورہ پکار ہے اللہ سے دعا کرنا اور اللہ کو چلا نا ہی مومن کا ہتھیار ہے اللہ سے دعا کرتے ہوئے اور اسکا ذکر کرتے ہوئے چیخنا چلانا اور جہر کرنا یہ شان الوہیت میں سخت بے ادبی ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔۔ لاتدعون اصم ولا غائب جب زور زور سے تکبیر کہی اصحابؓ نے اور اللہ کریم نے دعا کیلئے تاکید کیساتھ فرمایا۔۔ **اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً...وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا** ۔۔ پوری خشیت اور خوف کیساتھ اسکو بلاؤ اور پوری زاری اور آہستہ اسکو پکارو اور صبح وشام اسکو بلاؤ تو دون الجہر بلاؤ یا اللہ پر صحیح ایمان کی علامت ہے...

بخاری محدث

لیکن بخاری محدث نہ تو قرآن مقدس کی نصوص کی پرواہ کرتے ہیں کہ اونچی آمین یہ آیت کے نزول سے پہلے کہی گئی ہے یا نزول آیت کے بعد بھی آمین بالجہر کی اجازت ہے یا نہ حالانکہ اپنے لکھے ہوئے کی پرواہ بھی نہیں کرتے کہ میں خود تو لکھ آیا ہوں کہ ۔۔ **قال عطاء آمین دعاء** ۔۔ (۱۰۷) جب آمین دعا ہے اور اس پر تمام علماء حدیث کا اتفاق ہے تو پھر جہر سے دعا کرنا کیا قرآن کی آیت کے خلاف نہیں ہے؟

حالانکہ باب تو باندھتے ہیں **جہر بالتامین** کا لیکن تحت الباب حدیث سے آمین کا جہر ثابت ہی نہیں ہوتا مطلق آمین کہنا اور وہ بھی امام سے ثابت ہوتا ہے...

۵۱۔ عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ آمین دعا ہے

امام بخاری رحمہ اللہ نے بغیر سند کے تعلیقاً مشہور ثقہ تابعی امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ آمین دعا ہے، ابن الزبیر (رضی اللہ عنہ) نے اور ان کے مقتدیوں نے آمین کہی حتیٰ کہ مسجد میں آوازیں بلند ہوئیں۔ (قبل ح ۷۸۰ باب جہر الامام بالتامین)

یہ روایت متصل سندوں کے ساتھ درج ذیل کتابوں میں موجود ہے:

مصنف عبدالرزاق (۲۶۴۰) المحلی لابن حزم (۲۶۴/۳) مصنف ابن ابی شیبہ (۴۲۷/۲) مسند الشافعی بترتیب محمد عابد السندھی (۸۲/۱ ح ۲۳۰، ۲۳۱) کتاب الثقات لابن حبان (۲۶۵/۶) السنن الکبریٰ للبیہقی (۵۹/۲) تغلیق التعلیق (۳۱۸/۲)

نیز دیکھئے میری کتاب القول المتین فی الجہر بالتامین (ص ۴۷)

قرآن مجید سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہمیشہ ہر دعا خفیہ (سراً) ہی کہنی چاہئے بلکہ متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ کئی مواقع پر جہری دعا بھی جائز ہے۔ اسی میں سے جہری نماز میں سورۂ فاتحہ کا جہراً (اونچی آواز سے) پڑھنا بھی ہے۔ معترض کو تو شاید پتا نہ ہو لیکن

عام لوگوں کو معلوم ہے کہ سورۂ فاتحہ کا آدھا حصہ دعا پر مشتمل ہے لہٰذا معترض کو چاہئے کہ اپنے خودساختہ اصول کی وجہ سے جہری نماز میں سورۂ فاتحہ کا اھدنا الصراط المستقیم سے لے کر آخر تک حصہ جہراً نہ پڑھے بلکہ سراً پڑھے تاکہ عام لوگوں کے سامنے اس کا الحاد وگمراہی اور زیادہ واضح ہوجائے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو پھر اپنے اس دعویٰ میں جھوٹا ہے کہ ہمیشہ ہر دعا ہر وقت خفیہ (سراً) ہی پڑھنی چاہئے اور اگر وہ اس دعوے سے انکاری ہے تو پھر قولِ عطاء پر اس کا اعتراض سرے سے ختم ہوجاتا ہے۔

قارئین کرام! دیوبندی و بریلوی دونوں حضرات کئی مواقع پر اونچی دعائیں کرتے رہتے ہیں اور بعض تو قنوتِ نازلہ میں رورو کر اونچی دعائیں مانگتے ہیں۔ رائے ونڈ میں دیوبندی تبلیغی اجتماع کے آخری دن میں جو خصوصی دعا لاؤڈ سپیکر پر جہراً مانگی جاتی ہے تو اس میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ شریک ہوتے اور آمین آمین کہتے رہتے ہیں۔

آمین بالجہر کے چند صریح دلائل درج ذیل ہیں:

① سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ مرفوع حدیث (صحیح ابن حبان، الاحسان ۳/۱۴۷ ح ۱۸۰۳، وسندہ حسن، صحیح ابن خزیمہ ۱/۲۸۷) نیز دیکھئے القول المتین (ص ۲۶، ۲۷)

② سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ مرفوع حدیث (سنن ابی داود: ۹۳۳ وسندہ حسن)

لہٰذا یہ کہنا کہ آمین بالجہر قرآن مجید کے خلاف ہے، باطل و مردود ہے۔

www.KitaboSunnat.com

(۵۲)

﴿۵۲﴾قرآن مقدس

قرآن مقدس کا بیان ہے کہ نماز میں خشوع وخضوع اگر نہ ہو تو نماز نہیں ہوتی اور جو خشوع کرے وہ نہ تو اپنے بدن اور کپڑے پر نظر رکھ سکتا ہے اور نہ دائیں

یا بائیں التفات فی الصلوۃ کر سکتا ہے۔ ”الذین هم فی صلوتهم خاشعون“ ان متقین کی صفت ہے اور خشوع قلبی کا علم بھی سوائے اللہ کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔۔۔

دوسرا مسئلہ قرآن یہ بیان کرتا ہے کہ پس پردہ غیب جاننے والا صرف اللہ کی ذات ہے ”لاتدرکه الابصار وهو یدرک الابصار وهو اللطیف الخبیر“ صرف اللہ کی ذات ہے اور خود نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”انما اعلم ما وراء جداری“ جبکہ آپ ﷺ کی اونٹنی پس پردہ ہو گئی تھی۔۔۔ بہر کیف قرآن کی نصوص کثیرہ ہیں کہ غائبانہ دیکھنے جاننے والی ذات باری تعالیٰ ہی ہے۔۔

بخاری محدث

لیکن امام بخاری راویوں پر کلی اعتماد کر کے کہتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنی پیٹھ مبارک کے پیچھے اپنے مقتدیوں کے خشوع کو بھی انکے دلوں میں دیکھ لیتے تھے اور انکے رکوع اور سجود کو بھی اچھی طرح دیکھا کرتے تھے حالانکہ آپ ﷺ قبلہ رخ ہوا کرتے تھے انکے باوجود اپنی پیٹھ پیچھے کے حالات اقتدا کرنے والوں کو خوب دیکھا کرتے تھے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔۔

”هل ترون قبلتی ههنا والله ما یخفی علی رکوعکم

ولا خشوعکم وانی لا اراکم وراء ظهری ——— فوالله انی لاراکم من بعدی ——— وربما قال من بعد ظهری اذا رکعتم وسجدتم“ (۱/۱۰۲)

اگر پیچھے مڑ کر دیکھتے تو التفات فی الصلوۃ حرام تھا اور اگر پس پردہ دیکھتے تھے تو پھر عالم الغیب ماننا پڑا ورنہ کیا مطلب ہوگا؟

۵۲۔ نبی کریم ﷺ کا حالتِ نماز میں پیٹھ پیچھے دیکھنا

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم یہاں میرا قبلہ دیکھتے ہو؟ اللہ کی قسم! تمھارے رکوع اور خشوع مجھ پر مخفی نہیں ہیں اور میں تمھیں پیٹھ پیچھے سے (بھی) دیکھتا ہوں۔ (صحیح بخاری: ۴۱۸،۷۴۱)

یہ حدیث درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

موطأ امام مالک (۱/۱۶۷ ح ۴۰۰، روایۃ ابن القاسم بتحقیقی: ۳۲۸) صحیح مسلم (۴۲۴) مسند احمد (۲/۳۰۳ ح ۸۰۲۴، ۲/۳۶۵ ح ۸۷۷۱) دلائل النبوہ للبیہقی (۶/۷۳) مسند ابی عوانہ (۲/۱۳۸) مسند الحمیدی (بتحقیقی: ۹۶۷، نسخہ دیوبندیہ: ۹۶۱) شرح السنۃ للبغوی (۱۳/۲۸۹

ح ۲۱۷۲ وقال: ھذا حدیث متفق علیٰ صحتہ) وغیرہ، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی دوسری سندیں بھی ہیں۔ دیکھئے صحیح مسلم (۴۲۳) وغیرہ

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بھی اسی مفہوم کی حدیث بیان کی ہے جس کی مختصر تخریج درج ذیل ہے:

صحیح بخاری (۴۱۹، ۷۴۲، ۶۶۴۴) صحیح مسلم (۴۲۵، دارالسلام: ۹۵۹، ۹۶۰) مسند احمد (۱۱۵/۳، ۱۳۰، ۱۷۰، ۲۳۴، ۲۷۴، ۲۷۹ زوائد) مسند عبد بن حمید (۱۱۷۰) سنن النسائی (۲۱۶/۲ ح ۱۱۱۸) مسند ابی یعلیٰ (۲۹۷۱) شرح السنۃ للبغوی (۹۶/۳ ح ۶۱۵ وقال: ھذا حدیث متفق علیٰ صحتہ)

معلوم ہوا کہ یہ نبی ﷺ کا معجزہ تھا کہ حالتِ نماز میں آپ کو پیٹھ پیچھے سے بھی ویسے ہی نظر آتا تھا جیسے سامنے سے نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، اس کی مرضی ہے اپنے نبی کو جیسے اطلاع دے دے، اس پر اعتراض کی کیا بات ہے؟

معترض کا بہت بڑا جھوٹ: معترض نے لکھا ہے کہ ''اور خود نبی ﷺ نے فرمایا'' **ما اعلم ماوراء جداری**'' (...محدث ص۱۰۹)

عربی عبارت کا ترجمہ: میں دیوار کے پیچھے نہیں جانتا ہوں۔

عرض ہے کہ اس قسم کی کوئی حدیث کسی حدیث کی کتاب میں نہیں ہے بلکہ اسے معترض نے خود بنایا ہے یا اپنے جیسے کسی کذاب سے سُن کر بطورِ جزم بیان کر دیا ہے۔

اس مفہوم کی ایک روایت کے بارے میں ملا علی قاری حنفی نے حافظ ابن حجر العسقلانی سے نقل کیا ہے: ''**لا أصل له**'' اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

(الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ ص ۲۹۲ ح ۳۹۴)

معترض نے نبی کریم ﷺ پر جھوٹ بول کر اس حدیث کا مصداق بننے کی کوشش کی ہے جس میں آیا ہے: جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔ یہ ایسی مشہور و متواتر حدیث ہے جس کے لئے کسی حوالے کی ضرورت نہیں ہے لیکن پھر بھی صحیح بخاری (۱۰۷) و صحیح مسلم (۳) دیکھ لیں۔

(۵۳)

﴿۵۲﴾ قرآن مقدس

قرآن مقدس میں صاف لکھا ہوا ہے کہ آپ ﷺ کی کوشش اور محنت کے باوجود ابوطالب کفر پر اڑا رہا اور کفر پر ہی مرا اور اللہ نے سلاتک لا تھدی من احببت۔ آیت بھی اسی کے کفر پر نص فرمائی اور پھر آئندہ کیلئے آپ ﷺ کو کسی بھی قریبی کیلئے سفارش سے منع کر دیا سما کان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربیٰ۔ اور سلاتک لا تھدی ، ، آیت میں اللہ نے ہر کافر سے ہر قسم کے نفع دینے سے آپ ﷺ کو مایوس فرما دیا......

بخاری محدث

لیکن امام بخاری کہتے ہیں کہ ابوطالب جو کفر ہی پر مرا تھا وہ آپ ﷺ کی وجہ سے اگرچہ ایمان نہیں لایا تھا لیکن آپ ﷺ ہی کی وجہ سے عذاب کبیر سے بچا لیا گیا ۔.. لا حول ولا قوة الا باللہ جس کیساتھ ایمان لانے کی وجہ سے بچایا جانا تھا اسی کیساتھ کفر کرنے کی وجہ سے بھی بچا لیا گیا سما اغنیت من عمک فانه کان یحوطک ویغضب لک قال هو فی ضحضاح من نار ولولا انا لکان فی الدرک الاسفل من النار۔ ۵۲ کتاب المناقب۔

فرمایا میری وجہ سے وہ آگ کے چشمہ میں ٹخنوں تک ہے ورنہ درک الاسفل میں ہوتا ابوسعیدؓ کی طرف منسوب روایت میں تو یہ تھا کہ دن قیامت میں اسکی شفاعت کروں گا مگر اس میں یہ کہ اسکی عذاب کبیر سے نجات ہو چکی ہے ۔.. لا حول ولا قوة الا باللہ..

حالانکہ جتنے احسانات آپ ﷺ نے ابوطالب پر کیے تھے انکا عشر عشیر بھی ابوطالب نے نہ کیے تھے حتیٰ کہ ابوطالب نے تو آپ ﷺ کو اپنی بیٹی کا رشتہ دینے سے بھی انکار کر دیا تھا کہ آپ ﷺ نے اس پر اپنا کمایا ہوا مال بھی بے دریغ خرچ کیا تھا حتی کہ بکریاں چرا چرا کر بھی ابوطالب کی خدمت کی مگر اس سب کے باوجود کفر پر اڑا مر گیا...

۵۳۔ ابوطالب اور عذاب میں تخفیف

سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: آپ نے اپنے چچا کو کیا فائدہ پہنچایا ہے؟ وہ آپ کا دفاع کرتے تھے اور آپ کے لئے (لوگوں سے) ناراض ہوتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ آگ کے گڑھے میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ آگ کے سب سے نچلے درجے میں ہوتا۔ (صحیح بخاری: ۳۸۸۳، ۶۲۰۸، ۶۵۷۲)

یہ روایت درج ذیل کتابوں میں بھی ہے:

صحیح مسلم (۲۰۹) مسند الحمیدی (بتحقیقی: ۴۶۱، نسخہ دیوبندیہ: ۴۶۰) مسند احمد (۲۰۶/۱ ح ۱۷۶۳، ۱۷۶۸، ۲۰۷/۱ ح ۱۷۷۴، ۲۱۰/۱ ح ۱۷۸۹) مسند ابی یعلیٰ (۶۶۹۵) کتاب الایمان لابن مندہ (۹۵۷، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱) مصنف ابن ابی شیبہ (۱۶۵/۱۳)

اس روایت کے شواہد بھی ہیں مثلاً:

① سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی روایت۔ دیکھئے صحیح بخاری (۳۸۸۵) وصحیح مسلم (۲۱۰)

② حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ (صحیح مسلم: ۲۱۲)

جاہل معترض نے حدیثِ بالا کو بھی قرآن کے خلاف کہہ کر رد کر دیا ہے حالانکہ قرآن مجید میں کہیں بھی ابوطالب کے کافر یا مشرک ہونے کا کوئی ذکر بھی موجود نہیں ہے۔

اگر احادیث کو نہیں مانتے اور راویوں کو گالیاں دیتے ہو تو پھر شیعہ اور بریلویوں کی طرح ابوطالب کا دفاع کرو۔ یہ کیسی دوغلی پالیسی ہے کہ ابوطالب کی مخالفت بھی کرتے ہو اور صحیح احادیث کو قرآن مقدس کے خلاف کہہ کر رد بھی کرتے ہو۔!

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''باب البيان من سنن النبي ﷺ على تثبيت السمع و البصر لله موافقًا لما يكون من كتاب ربنا إذ سننه ﷺ إذا ثبتت بنقل العدل عن العدل موصولاً إليه لا تكون أبدًا إلا موافقة لكتاب الله، حاشا لله أن يكون شيئ منها أبدًا مخالفًا لكتاب الله أو لشيئ منه فمن الدعي من الجهلة أن شيئًا من سنن النبي ﷺ إذا ثبت من جهة النقل مخالف لشيئ من كتاب الله فأنا الضامن من تثبيت صحة مذهبنا على ما أبوح به منذ أكثر من أربعين سنة .''

اللہ کی (صفتوں) سمع اور بصر کے اثبات کے لئے نبی ﷺ کی سنتوں کے بیان کا باب، ہمارے رب کی کتاب کی موافقت کرتے ہوئے آپ ﷺ کی سنتیں جب عادل راویوں کی متصل سند سے ثابت ہو جائیں تو ہمیشہ کتاب اللہ کے موافق ہی ہوتی ہیں۔ اللہ کی قسم! یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ کبھی کتاب اللہ یا اس کی کسی آیت کے خلاف ہوں لہٰذا جاہلوں میں سے جو نبی ﷺ کی ثابت شدہ حدیث کے بارے میں دعویٰ کرتا ہے کہ وہ کتاب اللہ کے خلاف ہے (تو یہ دعویٰ غلط ہے) میں جو چالیس سال سے منہج بیان کر رہا ہوں اس (کے دفاع) کا ضامن ہوں۔ (کتاب التوحید ص ۴۷، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۱۴۰)

(۵٤)

﴿٥٤﴾ قرآن مقدس

سورت ہود میں پارہ ۱۱ کی آخری آیت ہے الا انھم یثنون صدورھم لیستخفوا منه الا حین یستغشون ثیابھم یعلم ما یسرون وما یعلنون واللّٰہ علیم بذات الصدور ۔ جب رسول اللہ نے مکہ میں اعلان رسالت فرمایا اور لوگوں کو دعوت حق دی تو اہل مکہ پر لازم تھا کہ آپ ﷺ سے فکر دین حق کو سمجھنے کی کوشش کرتے لیکن بجائے اسکے انہوں نے فرار کا راستہ اختیار کیا چند لوگ بیٹھے ہوئے اگر محسوس کر لیتے کہ محمد ﷺ ہماری طرف آ رہے ہیں تو وہاں سے منتشر ہو جاتے کسی گلی راستے میں آپکو دیکھتے تو کترا جاتے اس ڈر سے کہ آپ ﷺ قرآن سنانے لگیں گے ان کے متعلق فرمایا کہ یہ چیخے مونڈ کر اللہ کے رسول ﷺ سے کترا جاتے ہیں اور آپ کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں اللہ کی نظر سے تو اوجھل نہیں ہو سکتے ہو سکے تو اللہ سے چھپ کر دکھائیں وہ تو ہر حال میں انکو دیکھ رہا ہے اگر ہر مخفی چیز سے آگاہ ہے جو بات سینوں کے زندان میں محبوس ہو جو زبان پر نہ آئی ہو اسکو بھی خوب جانتا ہے یہ ہے آیت کا مطلب جس میں سلیستخفوا سامرغائب کا صیغہ ہے۔

بخاری محدث

اب آپ یہ دیکھیں کہ امام بخاری نے ابن جریج کے طریق سے آیت کی جو درگت بنائی ہے ملاحظہ کریں اور قرآن کی آیت سیثنون صدورھم کو ۔ یثنونی صدورھم ۔ روایت کرنا بھی دیکھیں کہ امام بخاری کی قرآن کی طرف کس قدر توجہ تھی فرماتے ہیں سانا س کانوا یستحیون ان یتخلوا فیفضوا الی السماء وان یجامعوا نساء ھم فیفضوا الی السماء فنزل ذلک فیھم ۔ (۴۷۷ سورۃ ھود) یعنی کچھ لوگ پاخانہ کرنے یا بیویوں سے جماع کرتے ہوئے ستر کھولنے کی وجہ سے شرماتے تھے کہ آسمان سے اللہ انکو دیکھ رہا ہے ۔ ایک شرم و حیا کے سبب سے انکے سینے بل کھاتے تھے یہ آیت انکے بارے نازل ہوئی ہے ۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ ۔۔

دیکھیے آیت میں تحریف لفظی کے علاوہ تحریف معنوی کتنی بے دردی سے کی گئی ہے اور منسوب کی گئی ہے ابن عباس کی طرف ۔۔ حالانکہ بخاری کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ قرآن کا لفظ یثنون ہے نہ کہ یثنونی ہے اور امام بخاری کے ہاتھ کیا آیا سوائے اسکے کہ قرآن فہمی کی راہ میں رکاوٹ کا دروازہ کھول دیا ۔۔۔

خاتمہ احتزاز

جز اول یہاں ختم ہوتی ہے انشاء اللہ العزیز جز دوم بھی ہدیہ ناظرین کرینگے بتوفیق ذی الجلال والاکرام ۔ اس میں شک نہیں کہ امام بخاری کی کتاب صحیح البخاری کو جو عوام و خواص میں پذیرائی حاصل ہے اور جو دقائق حدیث انہوں نے ذکر کیے ہیں وہ من جملہ واقعی بشرط تصدیق علماء حدیث آفرین کے حق ہیں اور وہ دین کی خدمات کی ایک عظیم کڑی ہیں انکا انکار حدیث رسول اللہ ﷺ کے انکار کے مترادف ہے اگرچہ من کل الوجوہ بخاری کو اصح قرار دینا کتاب صحیح کہنا بھی مشکل ہے جس کا قدرے نمونہ آپ دیکھ رہے ہیں ۔

ہمارے خیال میں امام بخاری کی قدر و جلالت کو برقرار رکھنے کیلئے مسائل ختم کے متعلق راویوں نے یہ ساری تخریب کاری کی ہے اور معصوم عن الخطاء تو امام بخاری بھی نہ تھے لہذا امام بخاری کو مطعون کرنے کی بجائے یہ سارا طعن رواۃ پر آتا ہے جو اکثر قرآن فہمی سے کورے تھے یا بدباطن ہونگے جس سے امام صاحب کی قدر و قیمت میں خسارہ کے باعث بنے ورنہ فی نفسہ بخاری صاحب جلیل القدر اور بڑے پائے کے محدث اور متدین عالم تھے اللہ کریم ہم سب کو قرآن فہمی اور قرآن عمل پر قائم رکھے آمین

۵۴۔ ایک آیت کی تفسیر اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ

سورۂ ھود کی آیت نمبر ۵ کے بارے میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

کہ کچھ لوگ کھلی جگہ میں قضائے حاجت سے شرم کرتے تھے تاکہ آسمان کی طرف ان کا ستر نہ کھل جائے اور اسی طرح اپنی بیویوں سے جماع کے وقت شرماتے تھے کہ کہیں آسمان کی طرف ان کا ستر نہ کھل جائے تو یہ آیت اس کے بارے میں نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری:۴۶۸۱)
یہ موقوف روایت ہے جو آیت کی تفسیر کے بارے میں بیان کی گئی ہے۔ اسے دوسرے محدثین نے بھی روایت کیا ہے مثلاً: ابن جریر الطبری (تفسیر ابن جریر ۱۱/۱۲۶)
تفسیر ابن ابی حاتم (۱۹۹۸/۶ ح ۱۰۶۵۴، ۱۹۹۹/۶ ح ۱۰۶۶۳)

ایک آیت کے مفہوم میں کئی باتیں مراد ہوسکتی ہیں مثلاً اس حدیث میں بیان کردہ بات بھی صحیح ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ بعض کفار و مشرکین کا طریقہ کار یہ بھی تھا کہ وہ آپ ﷺ کی بات سننا نہیں چاہتے تھے۔

معترض نے صحیح بخاری وغیرہ کی اس موقوف روایت کے غلط ہونے کے لئے قرآن مجید سے کوئی دلیل پیش نہیں کی لہٰذا اس کا اعتراض مردود ہے۔

تنبیہ:

تثنوني یاینثنوني بطورِ مبالغہ باب افعوعل یفعوعل میں سے ہے جسے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یثنون کی تفسیر وتشریح میں بیان کیا تھا۔

خاتمہ: قارئین کرام! معترض نے صحیح بخاری کی چون (۵۴) مرفوع، موقوف اور مقطوع روایات پر اپنی خودساختہ جرح کے تیر چلائے تھے جن کا جواب اس کتاب میں مفصل ومختصر دے دیا گیا ہے۔ والحمدللہ

آخر میں معترض نے جرح کا خاتمہ کرتے ہوئے ''خاتمہ اعتزار'' کا باب باندھ کر اپنا عذر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس عذرنامے میں بھی اس نے صحیح بخاری کے ثقہ راویوں کو ''منافق قسم کے لعنتی راویوں'' قرار دیا ہے۔ دیکھئے اس کی کتاب ''....محدث ص ۱۱۴''
حالانکہ یہ راوی یا تو بالاجماع ثقہ اور سچے تھے یا جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق تھے۔
اس مضمون کے شروع میں معترض کا کذاب ہونا بھی ثابت کردیا گیا ہے۔

ہماری اس جوابی کتاب کا مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے اور عام سادہ لوح مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ صحیح بخاری کی تمام مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں اور ان پر منکرینِ حدیث کی ہر قسم کی جرح باطل ہے۔ وما علینا إلا البلاغ (۱۸/اپریل ۲۰۰۸ء)

حدیث کو قرآن پر پیش کرنے والی روایت موضوع ہے

سوال روایت ''إذا روي عني حديثًا فأعرضوه على كتاب الله فإن وافق فاقبلوه '' مندرجہ بالا روایت جو کہ مصنف (ایک منکرِ حدیث) نے بطور اصول پیش کی ہے اور یہ اصول بیان کیا ہے کہ جو حدیث قرآن کے ظاہر کے خلاف ہو اس کو قبول نہ کیا جائے اور بطور دلیل کہ یہ اصول کہاں سے لیا گیا ہے؟ تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا استدلال کہ جب ان کے سامنے فرمانِ رسول ﷺ رکھا گیا کہ میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے تو انہوں نے اس کا رد کر دیا اور جواب میں قرآن کی آیت: ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى ﴾ پڑھی۔ تو مصنف کا دعویٰ ہے کہ یہ اصول ہم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے لیا ہے، تو براہِ کرم اس اصول کی بھی وضاحت فرمائیں اور مندرجہ بالا روایت کی تحقیق پیش کریں کہ یہ صحیح ہے کہ ضعیف ہے؟

الجواب روایتِ مذکورہ ''فأعرضوه على كتاب الله '' میرے علم کے مطابق حدیث کی کسی معتبر کتاب میں نہیں ہے۔ اس مفہوم کی ایک بے سند اور موضوع روایت درج ذیل کتابوں میں مذکور ہے:

تذکرۃ الموضوعات (۲۸) الفوائد المجموعہ (۹۲۱) موضوعات الصاغانی (۱۳۵) اور موسوعۃ الاحادیث والآثار الضعیفۃ والموضوعۃ (ج ۱ ص ۴۹۲)

منکرینِ حدیث کا طریقۂ واردات یہ ہے کہ صحیح و ثابت احادیث کا انکار کرتے ہیں اور ضعیف، بے اصل اور موضوع روایات سے علانیہ استدلال کرتے ہیں۔

منکرینِ حدیث کا دوسرا اصول یہ ہے کہ اُن کے نزدیک جو صحیح حدیث قرآن کے ظاہر اور عموم کے خلاف ہو تو یہ اُسے قبول نہیں کرتے۔ یہ اصول باطل ہے جیسا کہ توفیق الباری (طبع دوم) کے آخر میں بادلائل ثابت کر دیا گیا ہے۔

تنبیہ: قرآن کے عموم اور ظاہر سے صحیح حدیث کو ٹکرا کر رد کرنے کا اصول، منکرینِ حدیث نے خوارج اور معتزلہ وغیرہ سے لیا ہے۔ احیاء العلوم کے مصنف ابو حامد الغزالی (متوفی ۵۰۵ھ) نے لکھا ہے کہ معتزلہ نے کہا: خبرِ واحد کے ساتھ عمومِ قرآن کی تخصیص نہیں کی جائے گی کیونکہ قرآن کے برخلاف خبر قطعی نہیں ہے۔ دیکھئے المنخول (ص ۲۵۲)

شادی شدہ زانی کے لئے رجم کا حکم حدیث سے ثابت ہے جس کا سب سے پہلے انکار خوارج اور بعض معتزلہ نے کیا تھا۔ دیکھئے فتح الباری (۱۲/ ۱۱۸ تحت ح ۶۸۱۲۔ ۶۸۱۴)

اس گمراہ کن نظریئے میں ان کے ساتھ صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور سلف صالحین میں سے کوئی بھی متفق نہیں ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ثقہ راوی پر جرح کر کے اُس کی روایت پر کلام کرنا انکارِ حدیث کے باب سے نہیں بلکہ زمانۂ تدوینِ حدیث میں روایت کے بارے میں تثبت کے باب میں سے تھا۔ خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سینکڑوں بلکہ ہزاروں حدیثیں بیان کی تھیں جیسا کہ مسند احمد وغیرہ سے ثابت ہے۔ ایک دفعہ اُن سے پوچھا گیا کہ کیا حائضہ عورت پاک ہونے کے بعد اپنی فوت شدہ نمازوں کی قضا ادا کرے گی؟ تو انھوں نے پوچھنے والی عورت سے کہا: ''أحروریة أنت؟'' کیا تو خارجی مذہب سے تعلق رکھتی ہے؟

(دیکھئے صحیح بخاری: ۳۲۱، صحیح مسلم: ۳۳۵)

یعنی حائضہ عورت پاک ہونے کے بعد نمازوں کی قضا نہیں کرے گی بلکہ صرف قضا شدہ روزے دوبارہ رکھے گی۔ حالتِ حیض کی نمازوں کی قضا نہ کرنا قرآن سے نہیں بلکہ حدیث سے ثابت ہے جیسا کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حائضہ ہوتی تھیں (اور نماز نہیں پڑھتی تھیں) پھر آپ ہمیں نماز کی قضا کا حکم نہیں دیتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۳۲۱)

تنبیہ: زمانۂ تدوینِ حدیث مثلاً عہدِ صحابہ، عہد تابعین، عہدِ تبع تابعین اور عہدِ کتابت حدیث میں اگر کسی امام یا محدث نے کسی راوی یا روایت پر طعن کیا، جو کہ جمہور کے نزدیک

ثقہ تھے یا حدیث صحیح تھی تو اسے زمانۂ تدوینِ حدیث کی وجہ سے معذور سمجھ کر اُس جارح کے قول کو رد کر دیا جائے گا لیکن کتبِ احادیث کے مدوّن ہو جانے کے بعد اب کسی کے لئے کوئی عذر نہیں کہ وہ احادیثِ صحیحہ متفق علیہا کو رد کرتا پھرے۔

عہدِ صحابہ وتابعین میں قراءت کے اختلافات کے بعد اب مصحفِ عثمانی سے اختلاف کی کسی کو بھی اجازت نہیں ہے۔

سوال صحیح البخاری کے بارے میں محدثین کا اجماع ہے کہ ''أصح الکتب بعد کتاب اللّٰہ صحیح البخاري '' اس پر مصنف کا اعتراض ہے کہ کتاب اللہ کا بعد کوئی نہیں ہے جس طرح اللہ کا بعد کوئی نہیں بلکہ یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کا بعد مانتا ہے تو وہ قرآن کی آیت: ﴿ هو الاول والآخر ﴾ [سورۃ الحدید] کی مخالفت کرتا ہوا شرک کا مرتکب ہوتا ہے اور ساتھ کتاب اللہ کے بارے میں مصنف نے لکھا ہے:

﴿ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴾ تو براہ کرم لفظ کتاب اللہ کی مکمل تشریح فرمائیں نیز حدیث قرطاس میں جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے جملے: ''وعندکم القرآن حسبنا کتاب اللّٰہ '' اس کی بھی وضاحت فرمائیں؟ اور آیت: ﴿ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴾ کی تفسیر کریں؟

الجواب بعد کا معنی کبھی ''ابھی تک، تا ایں دم'' ہوتا ہے اور کبھی ''آئندہ، اب سے'' دیکھئے القاموس الوحید (ص ۱۷۲)

سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے پوچھا تھا: میرے بعد تم کس کی عبارت کرو گے؟ دیکھئے سورۃ البقرہ (۱۳۳)

یہاں بُعدت زمانی مراد ہے اور قرآن کے بعد حدیثِ صحیح (مثلاً صحیح بخاری) میں بُعدتِ مکانی مراد ہے مثلاً صحیح بخاری کے بعد صحیح مسلم کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ اب صحیح بخاری رد ہو گئی اور صرف صحیح مسلم پر عمل ہوگا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ صحیح بخاری کے ساتھ صحیح مسلم بھی صحیح ہے۔ اسی طرح بعد کتاب اللہ کا مطلب یہ ہے کہ کتاب اللہ کے ساتھ دوسرے نمبر پر

صحیح بخاری اور تیسرے پر صحیح مسلم حجت ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد رسول پر ایمان لانا فرض ہے اور اس بات کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ رسول پر ایمان لانے سے اللہ کا انکار ہو گیا ہے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ صحابہ کے بعد تابعین کا درجہ اور مقام ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ صحابہ کے مقام اور فضیلت کا انکار ہو گیا۔

الاول والآخر تو اللہ تعالیٰ ہے اور حدیث قرآن کی شرح ہے۔

جو لوگ قرآن کے منکر تھے، انھیں کہا گیا: ﴿ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴾ [الاعراف: ۱۸۵] اس کے بعد وہ کون سی حدیث پر ایمان لائیں گے؟

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ کو حسبنا (ہمارے لئے کافی ہے) فرمایا اور یہ معلوم ہے کہ حدیث کا حجت ہونا کتاب اللہ سے ثابت ہے لہٰذا حدیث پر ایمان بھی کتاب اللہ پر ایمان میں سے ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سینکڑوں حدیثیں بیان کیں اور آپ حدیث کو حجت سمجھتے تھے مثلاً جب سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اُن کی حدیث کی وجہ سے میدانِ جہاد سے واپس لوٹ آئے تھے۔

دیکھئے صحیح بخاری (کتاب الحیل باب ۱۳ ح ۶۹۷۳)

سوال امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں جو بات مصنف نے لکھی ہے کہ سراج الامت ہیں اور تابعی صغیر کی پیشین گوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ براہ کرم اس کی بھی وضاحت فرمائیں کہ واقع میں یہ پیشین گوئی ہے کہ نہیں؟

الجواب امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ کا سراجِ اُمت ہونا کسی صحیح یا حسن حدیث سے ثابت نہیں بلکہ اس سلسلے کی تمام روایات موضوع اور باطل مردود ہیں مثلاً احمد الجویباری اور مامون السلمی دونوں نے یا اُن میں سے ایک نے یہ حدیث بنائی کہ ''أبو حنيفة هو سراج أمتي'' [ابوحنیفہ میری امت کا چراغ ہیں۔] دیکھئے تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاحادیث الشنیعۃ الموضوعۃ لابن عراق الکنانی (ج ۲ ص ۳۰) اور عام کتب الموضوعات

امام ابوحنیفہ کا تابعی ہونا بھی کسی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ایک سائل کا سوال اور میرا جواب پیشِ خدمت ہے جو کہ ماہنامہ الحدیث حضرو میں شائع ہوا تھا:

کیا امام ابوحنیفہ تابعی تھے؟

سوال کیا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تابعی تھے؟ اور کیا کسی صحابی سے ان کی ملاقات صحیح سند سے ثابت ہے؟ (صفدر نذیر ولد منظور الٰہی دکاندار، بھکر)

الجواب اس مسئلے میں علمائے کرام کے درمیان سخت اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تابعی تھے اور بعض کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تابعی نہیں تھے۔ ان دونوں گروہوں کے نظریات پر تبصرہ کرنے سے پہلے دو اہم ترین بنیادی باتیں پیشِ خدمت ہیں:

اول: جس کتاب سے جو قول یا روایت بطورِ دلیل نقل کی جائے، اُس کی سند صحیح لذاتہ یا حسن لذاتہ ہو، ورنہ استدلال مردود ہوتا ہے۔

دوم: صحیح دلیل کے مقابلے میں تمام ضعیف اور غیر ثابت دلائل مردود ہوتے ہیں اگرچہ ان کی تعداد ہزاروں میں ہی کیوں نہ ہو۔

اس تمہید کے بعد فریقین کے نظریات پیشِ خدمت ہیں:

فریق اول: خطیب بغدادی رحمہ اللہ (متوفی ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

"النعمان بن ثابت أبو حنيفة التيمي إمام أصحاب الرأي وفقيه أهل العراق، رأى أنس بن مالك وسمع عطاء بن أبي رباح ...."

یعنی: نعمان بن ثابت، ابوحنیفہ التیمی، اہل الرائے کے امام اور عراقیوں کے فقیہ، آپ نے انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا ہے اور عطاء بن ابی رباح سے (روایات وغیرہ کو) سنا ہے۔

(تاریخ بغداد ۱۳/۳۲۳، ۳۲۴ ت ۷۲۹۷)

بعد والے بہت سے علماء نے خطیب رحمہ اللہ کے اس قول پر اعتماد کیا ہے۔ مثلاً دیکھئے العلل

المتناہیۃ لابن الجوزی (۱۲۸/۱ ح ۱۹۶) بعض لوگوں نے ابن الجوزی کے قول کو دارقطنی سے منسوب کر دیا ہے، یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ دیکھئے اللمحات (۲۹۳/۲)

فریقِ دوم: ابوالحسن الدارقطنی رحمہ اللہ (متوفی ۳۸۵ھ) سے پوچھا گیا کہ کیا ابوحنیفہ کا انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) سے سماع (سننا) صحیح ہے؟

تو انھوں نے جواب دیا: "لا ولا رؤيته ، لم يلحق أبو حنيفة أحدًا من الصحابة" نہیں، اور نہ ابوحنیفہ کا انس (رضی اللہ عنہ) کو دیکھنا ثابت ہے بلکہ ابوحنیفہ نے تو کسی صحابی سے (بھی) ملاقات نہیں کی ہے۔ (تاریخ بغداد ج۴ ص۲۰۸ ت۱۸۹۵ وسندہ صحیح)

[سوالات السہمی للدارقطنی (ص ۲۶۳ ت ۳۸۳)، العلل المتناہیۃ فی الأحادیث الواھیۃ لابن الجوزی (۶۵/۱ تحت ح ۷۴)]

معلوم ہوا کہ خطیب بغدادی سے بہت پہلے امام دارقطنی رحمہ اللہ اس بات کا صاف صاف اعلان کر چکے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے نہ تو سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے اور نہ ان سے ملاقات کی ہے۔

تنبیہ: جلیل القدر معتدل امام دارقطنی رحمہ اللہ کا سابق بیان علامہ سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) کی کتاب "تبييض الصحيفة في مناقب الإمام أبي حنيفة" میں محرف ومبدل ہو کر چھپ گیا ہے۔ (ص۱۰ بتعلیق محمد عاشق الٰہی برنی دیوبندی)

یہ تحریف شدہ متن اصل مستند کتابوں کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

ذیل اللآلی وغیرہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غلطی بذاتِ خود علامہ سیوطی کو حافظ ابن الجوزی کا کلام نہ سمجھنے کی وجہ سے لگی ہے۔ بہرحال امام دارقطنی سے ثابت شدہ قول کے مقابلے میں سیوطی وابن الجوزی وغیرہما کے حوالے مردود ہیں۔

ان دونوں (خطیب ودارقطنی) کے اقوال میں متقدم واوثق ہونے کی وجہ سے دارقطنی کے قول کو ہی ترجیح حاصل ہے۔

فریقِ اول کی معرکۃ الآراء دلیل: جو لوگ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو تابعی مانتے یا

منواتے ہیں وہ ایک معرکۃ الآراء دلیل پیش کرتے ہیں:

محمد بن سعد (کاتب الواقدی) نے (طبقات میں) کہا: " حدثنا أبو الموفق سيف بن جابر قاضي واسط قال: سمعت أبا حنيفة يقول: قدم أنس بن مالك الكوفة ونزل النخع وكان يخضب بالحمرة، قد رأيته مرارًا "

(عقود الجمان فی مناقب النعمان ص ۴۹، الباب الثالث واللفظ لہ، تذکرۃ الحفاظ للذھبی ۱/۱۶۸ ت ۱۶۳، مناقب ابی حنیفۃ وصاحبیہ ابی یوسف ومحمد بن الحسن للذہبی ص ۷، ۸)

اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ (امام) ابوحنیفہ نے کہا کہ میں نے (سیدنا) انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) کو کوفہ میں دیکھا۔

عرض ہے کہ اس روایت کا بنیادی راوی سیف بن جابر مجہول الحال ہے۔ اُس کی توثیق کسی مستند کتاب میں نہیں ملی، دیکھئے التنکیل بما فی تأنیب الکوثری من الأباطیل للمعلمی (ج ۱ ص ۱۷۹ ت ۳۴) تبصرۃ الناقد (ص ۲۱۸، ۲۱۹) واللمحات إلی ما فی انوار الباری من الظلمات (ج ۲ ص ۲۷۷)

دوسرے یہ کہ یہ روایت ابن سعد کی کتاب "الطبقات" میں موجود نہیں ہے۔ اسے حاکم کبیر ابواحمد محمد بن محمد بن احمد بن اسحاق (متوفی ۳۷۸ھ) نے درج ذیل سند و متن سے روایت کیا ہے۔

" حدثني أبوبكر بن أبي عمرو المعدل ببخارى: حدثني أبو بكر عبدالله ابن محمد بن خالد القاضي الرازي الحبال قال: حدثني عبدالله بن محمد ابن عبيد القرشي المعروف بابن أبي الدنيا: نا محمد بن سعد الهاشمي صاحب الواقدي: نا أبو الموفق سيف بن جابر قاضي واسط قال: سمعت أبا حنيفة يقول: قدم أنس بن مالك الكوفة ونزل النخع وكان يخضب بالجهر ☆ قد رأيته مرارًا " (کتاب الاسامی والکنٰی للحاکم الکبیر ۴/۱۷۴ باب أبي حنيفة)

☆ وفی عقود الجمان فی مناقب النعمان ص ۴۹

اس روایت کے راوی ابوبکر بن ابی عمرو کی توثیق نا معلوم ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ سند نہ تو ابن سعد سے ثابت ہے اور نہ امام ابوحنیفہ سے ثابت ہے، لہٰذا اسے "فإنه صح" کہنا غلط ہے۔

اس کے علاوہ تابعیتِ امام ابوحنیفہ ثابت کرنے والی موضوع روایات أخبار أبي حنیفه للصیمری و جامع المسانید للخوارزمی وکتب مناقب میں بکثرت موجود ہیں جن کا دارومدار احمد بن الصلت الحمانی وغیرہ جیسے کذابین ومجہولین ومجروحین پر ہی ہے۔
ان روایات پر تفصیلی جرح کے لئے التنکیل اور اللمحات کا مطالعہ کریں۔

فریقِ دوم کی معرکۃ الآراء دلیل: امام معتدل ابو احمد بن عدی الجرجانی رحمہ اللہ (متوفی ۳۶۵ھ) فرماتے ہیں:

"**ثناه عبدالله بن محمد بن عبدالعزيز: حدثني محمود بن غيلان: ثنا المقرئي: سمعت أباحنيفة يقول: ما رأيت أفضل من عطاء وعامة ما أحدثكم خطاء**" ابوحنیفہ نے فرمایا: میں نے عطاء (بن ابی رباح، تابعی) سے زیادہ افضل کوئی (انسان) نہیں دیکھا اور میں تمہیں عام طور پر جو حدیثیں بیان کرتا ہوں وہ غلط ہوتی ہیں۔

(الکامل ۲۴۷۳/۷ والطبعۃ الجدیدۃ ۲۳۷/۸ وسندہ صحیح)

اس روایت کی سند صحیح ہے۔ (الاسانید الصحیحہ فی اخبار الامام ابی حنیفہ قلمی ص ۲۹۰)

عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز البغوی مطلقاً ثقہ ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ۴۵۵/۱۴)

جمہور محدثین نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ (الاسانید الصحیحہ ص ۱۴۴)

ان پر سلیمانی وابن عدی کی جرح مردود ہے۔ محمود بن غیلان ثقہ ہیں۔ (تقریب التہذیب: ۶۵۱۶)

ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن یزید المقرئی ثقہ فاضل ہیں۔ (تقریب التہذیب: ۳۷۱۵)

اس روایت کو خطیب بغدادی نے بھی عبداللہ بن محمد البغوی سے روایت کر رکھا ہے۔

(تاریخ بغداد ۴۲۵/۱۳ وسندہ صحیح)

عبداللہ بن محمد البغوی دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ: "**حدثنا ابن المقرئي: نا أبي**

قال: سمعت أبا حنيفة يقول: ما رأيت أفضل من عطاء وعامة ما (أ) حدثكم به خطأ" (مسند علی بن الجعد ۲/ ۷۷ ح ۲۰۶۲، دوسرا نسخہ: ۱۹۷۸ وسندہ صحیح)

اس روایت کی سند بھی صحیح ہے۔

محمد بن عبداللہ بن یزید المقرئ ثقہ ہے۔ (التقریب: ۶۰۵۴)

عبداللہ بن یزید المقرئ ثقہ فاضل ہے جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔ ابو یحیی عبدالحمید بن عبدالرحمٰن الحمانی فرماتے ہیں: "سمعت أبا حنيفة يقول: ما رأيت أحدًا أكذب من جابر الجعفي ولا أفضل من عطاء بن أبي رباح "میں نے ابوحنیفہ کو فرماتے ہوئے سنا: میں نے جابر الجعفی سے زیادہ جھوٹا کوئی نہیں دیکھا اور عطاء بن ابی رباح سے زیادہ افضل کوئی نہیں دیکھا۔ (العلل الصغیر للترمذی ص ۸۹۱ وسندہ حسن، مسند علی بن الجعد، روایۃ عبداللہ البغوی ۲/ ۷۷ ح ۲۰۶۱، دوسرا نسخہ: ۱۹۷۷ وسندہ حسن، الکامل لابن عدی ۲/ ۵۴۳، دوسرا نسخہ ۲/ ۳۲۷ وسندہ حسن، وعنہ البیہقی فی کتاب القراءت خلف الامام ص ۱۳۴ تحت ح ۳۲۱، دوسرا نسخہ ص ۱۵۷ تحت ح ۳۴۵ وسندہ حسن)

ابو یحیی الحمانی صدوق حسن الحدیث ہے۔ (تحریر تقریب التہذیب ۲/ ۳۰۰ ت ۳۷۷۱)

باقی سند بالکل صحیح ہے۔ ان صحیح اسانید سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ (صحابی رسول) کو بالکل نہیں دیکھا، ورنہ وہ یہ کبھی نہ فرماتے کہ "میں نے عطاء (تابعی) سے افضل کوئی نہیں دیکھا"

یہ بات عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ ہر صحابی ہر تابعی سے افضل ہوتا ہے۔ جب امام صاحب نے خود اعلان فرما دیا ہے کہ انہوں نے عطاء تابعی سے زیادہ افضل کوئی انسان نہیں دیکھا تو ثابت ہو گیا کہ انہوں نے کسی صحابی کو نہیں دیکھا ہے تفصیل کے لئے محقق اہلِ حدیث مولانا محمد رئیس ندوی حفظہ اللہ کی کتاب اللمحات پڑھ لیں۔

خلاصۃ التحقیق: امام ابوحنیفہ تابعی نہیں ہیں، کسی ایک صحابی سے بھی ان کی ملاقات ثابت نہیں ہے۔ اس سلسلے میں خطیب بغدادی وغیرہ کے اقوال مرجوح وغلط ہیں اور اسماء الرجال کے امام ابوالحسن الدارقطنی کا قول وتحقیق ہی راجح اور صحیح ہے۔ محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی

(متوفی ۹۰۲ھ) لکھتے ہیں کہ " وقسم معتدل كأحمد والدارقطني وابن عدي " اور محدثین کرام کا ایک گروہ معتدل ہے جیسے احمد، دار قطنی اور ابن عدی، یعنی یہ تینوں معتدل تھے۔ (المتکلمون فی الرجال ص ۱۳۷)

حافظ ذہبی فرماتے ہیں: " وقسم كالبخاري وأحمد وأبي زرعة وابن عدي معتدلون منصفون " اور محدثین کا ایک گروہ مثلاً بخاری، احمد بن حنبل، ابوزرعہ (رازی) اور ابن عدی معتدل ومنصف تھے۔ (ذکر من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل ص ۱۵۹)

تنبیہ: حافظ ذہبی نے کتاب "الموقظہ" میں امام دار قطنی کو بعض اوقات متساہل قرار دیا ہے۔ (ص ۸۳)

یہ قول خطیب بغدادی وعبدالغنی ازدی وقاضی ابو الطیب الطبری وغیرہم کی توثیق وثنا کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ دار قطنی، عجلی، ابن خزیمہ اور ابن الجارود کا متساہل ہونا ثابت نہیں ہے۔ وما علينا إلا البلاغ (۲۱/ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ) [الحدیث: ۱۷]

اسماء الرجال

اشاریہ

صحیح بخاری پر
اعتراضات کا
علمی جائزہ
تالیف
حافظ زبیر علی زئی
مکتبہ اسلامیہ

نام کتاب .... صحیح بخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ
تالیف .... حافظ زبیر علی زئی
ناشر .... محمد سرور عاصم
کمپوزنگ .... محمد قاسم برہ زئی
اشاعت دوم .... فروری 2012ء
قیمت ....

بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ پاکستان فون:042-37244973
بیسمنٹ سمٹ بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد۔ پاکستان فون: 041-2631204, 2034256

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

الحمدُ للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الأمین ، أما بعد:

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد ﷺ پر اپنا کلام نازل فرما کر اس کا بیان بھی سمجھا دیا اور لوگوں کو حکم دیا: ﴿ وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ ۚ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ۚ ﴾ اور رسول تمھیں جو (حکم وطریقہ) دے تو اسے لے لو، اور جس سے منع کرے تو رُک جاؤ۔ (الحشر:۷)

نیز فرمایا: ﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْھِمْ ﴾ اور ہم نے آپ کی طرف ذِکر اُتارا تاکہ جو نازل ہوا ہے آپ اس کا بیان لوگوں کو بتا دیں۔ (النحل:۴۴)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں قرآن مجید پر عمل کر کے دینِ اسلام کی تفسیر فرمائی اور صحابۂ کرام نے قرآن وحدیث پر عمل کر کے یہ ثابت کر دیا کہ اللہ ورسول پر ایمان اور قرآن و حدیث پر عمل ہی دینِ اسلام ہے۔ تابعین نے یہی منہج اور دستورِ حیات صحابہ سے لیا، تبع تابعین نے تابعین سے اور ائمۂ دین نے محدثین سے یہی منہج اور طرزِ عمل حاصل کیا اور اپنی زندگیوں میں اسی پر ثابت قدم رہے۔

دورِ تابعین میں بعض ایسے بدعتی بھی پیدا ہوئے جنھوں نے اپنی بدعات کی وجہ سے بعض صحیح احادیث کا انکار کیا اور پھر یہ فتنہ بڑھتا ہی گیا۔ مشہور عربی امام شافعی رحمہ اللہ اور دیگر محدثینِ کرام نے اس فتنے کی سرکوبی کی، ہر میدان میں ایسے بدعتیوں کو شکست دی جو صحیح احادیث کا انکار کرتے تھے۔

دورِ جدید میں حدیث کا انکار کرنے والے لوگ کئی منظم گروہوں کی شکل میں کام کر

رہے ہیں۔ کبھی صحیح بخاری پر حملے کرتے ہیں تو کبھی صحیح مسلم پر، کبھی حدیث اور محدثین کو عجمی سازش کہتے ہیں اور کبھی صحیح احادیث کو خلافِ قرآن باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ لوگ قرآن کو بلا رسول (رسول کے بغیر اور اپنے فہم کے مطابق) سمجھنے کے منہج پر گامزن ہیں۔

مشہور عربی عالم امام محمد بن ادریس الشافعی الہاشمی المطلبی رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۴ھ) نے اپنی مشہور کتاب الام (۱۵/۷) اور کتاب الرسالہ میں ان منکرینِ حدیث کا زبردست رد کیا ہے اور حدیثِ رسول کا حجت ہونا ثابت کیا ہے۔

راقم الحروف نے زیرِ نظر کتاب ''صحیح بخاری کا دفاع'' میں بعض منکرینِ حدیث کے صحیح بخاری پر اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں، جو ماہنامہ الحدیث حضرو میں شائع ہو چکے ہیں۔ رمضان ۱۴۲۸ھ کے آخری عشرے میں ایک منکرِ حدیث ڈاکٹر شبیر احمد کی کتاب ''اسلام کے مجرم'' پڑھنے کا اتفاق ہوا تو اس کتاب میں صحیح بخاری کی جن احادیث پر حملہ ہوا تھا، اس کا مسکت و مدلل جواب بھی لکھ دیا تا کہ حق کا بول بالا ہو اور باطل کا منہ کالا ہو۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (متوفی ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

''**فكل من لم يناظر أهل الالحاد والبدع مناظرة تقطع دابرهم، لم يكن أعطى الإسلام حقه ولا وفّى بموجب العلم والإيمان ولا حصل بكلامه شفاء الصدور وطمأنينة النفوس ولا أفاد كلامه العلم واليقين .**''

ہر وہ شخص (عالم جس کے پاس متعلقہ علم ہے) جو ملحدین و مبتدعین سے مناظرہ کر کے ان کی جڑیں نہیں کاٹتا تو اس نے اسلام کا حق ادا نہیں کیا اور نہ علم و ایمان کے واجبات کو پورا کیا ہے، اس کے کلام سے سینوں کو شفاء اور دلوں کو اطمینان حاصل نہیں ہوا اور نہ اس کا کلام علم و یقین کا فائدہ دیتا ہے۔ (درء تعارض العقل والنقل ج ۱ ص ۳۵۷)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب ''صحیح بخاری کا دفاع'' کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائے اور میری مغفرت کا ذریعہ بنائے۔ (آمین) (۸/شوال ۱۴۲۸ھ)

صحیح بخاری پر منکرینِ حدیث کے حملے اور ان کا جواب

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الأمین ، أما بعد:

اس بات پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ صحیح بخاری ''أصح الکتب بعد کتاب اللّٰہ'' اللہ کی کتاب (قرآن) کے بعد سب کتابوں سے صحیح کتاب ہے۔ اصولِ حدیث کی کتابوں میں یہ مسئلہ واضح اور دوٹوک انداز میں بیان کر دیا گیا ہے۔

حافظ ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

''ثم حکی أن الأمة تلقت هذین الکتابین بالقبول، سوی أحرف یسیرة ، انتقد ها بعض الحفاظ کالدار قطني وغیره،ثم استنبط من ذلك القطع بصحة ما فیها من الأحادیث ، لأن الأمة معصومة عن الخطأ، فما ظنت صحته وجب علیها العمل به، لا بُدّ وأن یکون صحیحاً في نفس الأمر، وهذا جید''

پھر (ابن الصلاح نے) بیان کیا کہ بے شک (ساری) امت نے ان دو کتابوں (صحیح بخاری و صحیح مسلم) کو قبول کر لیا ہے، سوائے تھوڑے حروف کے جن پر بعض حفاظ مثلاً دارقطنی وغیرہ نے تنقید کی ہے۔ پھر اس سے (ابن الصلاح نے) استنباط کیا کہ ان دونوں کتابوں کی احادیث قطعی الصحت ہیں کیونکہ امت (جب اجماع کر لے تو) خطا سے معصوم ہے۔ جسے امت نے (بالاجماع) صحیح سمجھا تو اس پر عمل (اور ایمان) واجب ہے اور ضروری ہے کہ وہ حقیقت میں بھی صحیح ہی ہو۔ اور (ابن الصلاح کی) یہ بات اچھی ہے۔

(اختصار علوم الحدیث ۱۲۴/۱، ۱۲۵)

اصولِ فقہ کے ماہر حافظ ثناء اللہ الزاہدی نے ایک رسالہ ''أحادیث الصحیحین بین الظن والیقین'' لکھا ہے، جس میں ابو اسحاق الاسفرائنی (متوفی ۴۱۸ھ) امام الحرمین

الجوینی (متوفی ۴۷۸ھ) ابن القیسرانی (متوفی ۵۰۷ھ) ابن الصلاح (متوفی ۶۴۳ھ) اور ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ) وغیرہم سے صحیحین کا صحیح وقطعی الثبوت ہونا ثابت کیا ہے۔

اس مسئلے پر تفصیلی بحث سے پہلے امام بخاری رحمہ اللہ کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر تعارف

① امام بخاری کے شاگرد امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ولم أر أحداً بالعراق ولا بخراسان في معنى العلل والتاريخ ومعرفة الأسانيد كبير أحد أعلم من محمد بن إسماعيل رحمه الله"

میں نے علل، تاریخ اور معرفت اسانید میں محمد بن اسماعیل (بخاری) رحمہ اللہ سے بڑا کوئی عالم نہ عراق میں دیکھا ہے اور نہ خراسان میں۔ (کتاب العلل للترمذی ص ۳۲)

② امام بخاری کے شاگرد امام مسلم رحمہ اللہ نے آپ کے سر کا بوسہ لیا اور فرمایا:

"لا يبغضك إلا حاسد وأشهد أن ليس في الدنيا مثلك"

آپ سے صرف حسد کرنے والا شخص ہی بغض رکھتا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ جیسا کوئی نہیں ہے۔ (الارشاد للخلیلی ۹۶۱/۳ وسندہ صحیح)

③ امام الائمہ شیخ الاسلام محمد بن اسحاق بن خزیمہ النیسابوری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۱ھ) نے فرمایا: **"ما رأيت تحت أديم السماء أعلم بالحديث من محمد بن إسماعيل البخاري"** میں نے آسمان کے نیچے محمد بن اسماعیل البخاری سے بڑا حدیث کا عالم کوئی نہیں دیکھا۔ (معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۷۴ ح ۱۵۵ وسندہ صحیح)

④ صحیح ابن حبان کے مؤلف حافظ ابن حبان رحمہ اللہ (متوفی ۳۵۴ھ) نے لکھا:

"وكان من خيار الناس ممن جمع وصنف ورحل وحفظ وذاكر وحث عليه وكثرت عنايته بالأخبار وحفظه للآثار مع علمه بالتاريخ ومعرفة أيام الناس ولزوم الورع الخفي والعبادة الدائمة إلىٰ أن مات رحمه الله"

لوگوں میں آپ بہترین انسان تھے، آپ نے (احادیث) جمع کیں، کتابیں لکھیں، سفر کیا

اور (احادیث) یاد کیں۔ آپ نے مذاکرہ کیا، اس کی ترغیب دی اور اخبار و آثار یاد کرنے پر بہت زیادہ توجہ دی۔ آپ تاریخ اور لوگوں کے حالات کو خوب جانتے تھے۔ آپ اپنی وفات تک خفیہ پرہیزگاری اور عبادتِ دائمہ پر قائم رہے، رحمہ اللہ (کتاب الثقات ۹/۱۱۳، ۱۱۴)

صحیح بخاری کا تعارف

اب صحیح بخاری کا مختصر تعارف پیشِ خدمت ہے:

① مشہور کتاب سنن النسائی کے مؤلف امام ابو عبدالرحمٰن النسائی رحمہ اللہ (متوفی ۳۰۳ھ) نے فرمایا:

"**فما في هذه الكتب كلها أجود من كتاب محمد بن إسماعيل البخاري**"

ان تمام کتابوں میں محمد بن اسماعیل البخاری کی کتاب سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے۔

(تاریخ بغداد ۲/۹ وسندہ صحیح)

② "الإبانة الکبریٰ" کے مصنف، امام حافظ، شیخ السنہ ابو نصر السجزی الوائلی (حنفی) رحمہ اللہ (متوفی ۴۴۴ھ) سے منقول ہے:

"**أجمع أهل العلم ـ الفقهاء وغيرهم ـ أن رجلاً لو حلف بالطلاق أن جميع ما في كتاب البخاري مما روى عن النبي ﷺ قد صح عنه ورسول الله ﷺ قاله، لاشك فيه أنه لا يحنث، والمرأة بحالها في حبالته**"

اہلِ علم ـ فقہاء وغیرہم کا اجماع ہے کہ اگر کوئی آدمی طلاق کی قسم کھائے کہ صحیح بخاری میں نبی ﷺ سے جو کچھ مروی ہے وہ یقیناً صحیح ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی قسم نہیں ٹوٹتی اور اس کی عورت اس کے نکاح میں باقی رہتی ہے۔

(علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۳۸، ۳۹ دوسرا نسخہ ص ۹۴، ۹۵، النکت للزرکشی ص ۸۰، التقیید والایضاح للعراقی ص ۳۸، ۳۹، الشذی الفیاح لبرہان الدین الأبناسی، الورقہ: ۹ بحوالہ احادیث الصحیحین بین الظن والیقین ص ۲۸)

اس قول کی وائلی تک مجھے سند نہیں ملی لیکن ایسا ہی قول امام الحرمین ابو المعالی سے مروی ہے۔ دیکھئے النکت للزرکشی (ص ۸۰، ۸۱، شرح صحیح مسلم للنووی، درسی نسخہ ج ۱ ص ۱۴ دوسرا

نسخہ ۱/۱۹، ۲۰) النکت علی ابن الصلاح لابن حجر (۱/ ۲۷۷ وقال: مقالته المشھورۃ)

امام الحرمین والا قول بھی باسند صحیح معلوم نہیں۔ ابن دحیہ والی روایت قوی متابعت نہ ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ تاہم یہ مسئلہ بالکل صحیح ہے کہ ایسی قسم کھانے والے شخص کی بیوی پر طلاق نہیں پڑتی کیونکہ صحیح بخاری کی تمام متصل مرفوع روایات یقیناً صحیح ہیں۔

③ شاہ ولی اللہ الدہلوی (حنفی) فرماتے ہیں:

"أما الصحيحان فقد اتفق المحدثون علٰى أن جميع ما فيهما من المتصل المرفوع صحيح بالقطع و أنهما متواتران إلٰى مصنفيهما و أنه كل من يهون أمرهما فهو مبتدع متبع غير سبيل المؤمنين"

"صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بارے میں تمام محدثین متفق ہیں کہ ان میں تمام کی تمام متصل اور مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں۔ یہ دونوں کتابیں اپنے مصنفین تک بالتواتر پہنچی ہیں۔ جو ان کی عظمت نہ کرے وہ بدعتی ہے جو مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے۔"

(حجۃ اللہ البالغہ عربی ۱/۱۳۴، اردو ۱/۲۴۲ ترجمہ: عبدالحق حقانی)

برصغیر (پاکستان اور ہندوستان) کے دیوبندیوں، بریلویوں اور حنفیوں کے نزدیک شاہ ولی اللہ الدہلوی کا بہت بڑا مقام ہے، لہٰذا شاہ ولی اللہ کا قول ان کے لئے کافی ہے تاہم مزید تحقیق اور اتمامِ حجت کے لئے آلِ دیوبند اور آلِ بریلی کی صحیح بخاری کے بارے میں تحقیقات پیشِ خدمت ہیں:

بریلویوں کے نزدیک صحیح بخاری کا مقام

① سید نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ نے صحیحین کے راوی محمد بن فضیل بن غزوان پر جرح کی (معیار الحق ص ۳۹۶) تو احمد رضا خان بریلوی صاحب نے رد کرتے ہوئے لکھا:

"اقول اولاً: یہ بھی شرم نہ آئی کہ یہ محمد بن فضیل صحیح بخاری و صحیح مسلم کے رجال سے ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ طبع قدیم ۲/۲۴۴ طبعہ جدیدہ ۵/۱۷۴)

معلوم ہوا کہ احمد رضا خان صاحب کے نزدیک صحیحین کے راویوں پر جرح کرنا

بے شرمی کا کام ہے۔

تنبیہ: محمد بن فضیل ثقہ وصدوق راوی ہیں اوران پر جرح مردود ہے۔ والحمدللہ

احمد رضا خان صاحب ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''ازاں جملہ اجل واعلیٰ حدیث صحیح بخاری شریف ہے کہ.....'' (احکام شریعت حصہ اول ص ۶۲)

② عبدالسمیع رامپوری صاحب لکھتے ہیں: ''اور یہ محدثین میں قاعدہ ٹھہر چکا ہے کہ صحیحین کی حدیث نسائی وغیرہ کل محدثوں کی احادیث پر مقدم ہے کیونکہ اوروں کی حدیث اگر صحیح بھی ہوگی تو صحیحین اس سے صحیح اور قوی تر ہوگی'' (انوار ساطعہ ص ۴۱)

③ غلام رسول رضوی صاحب لکھتے ہیں:

''تمام محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم کے بعد صحیح بخاری تمام کتب سے اصح کتاب ہے۔'' (تفہیم البخاری شرح صحیح البخاری ۱/۵)

نیز دیکھئے تذکرۃ المحدثین للسعیدی (ص ۳۲۴)

④ محمد حنیف رضوی بریلوی نے صحیح بخاری کو ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' قرار دیا۔

(دیکھئے جامع الحدیث ۱/۳۲۳ ومقالات کاظمی ۱/۲۴۷، نیز دیکھئے یہی مضمون، باب: حنفیوں کے نزدیک صحیح بخاری کا مقام)

تنبیہ: عینی حنفی، زیلعی حنفی، ابن الترکمانی حنفی اور ملا علی قاری وغیرہم کو بریلوی حضرات اپنا اکابر مانتے ہیں لہٰذا ان کے اقوال بریلویوں پر حجت قاطعہ ہیں۔

پیر محمد کرم شاہ بھیروی بریلوی فرماتے ہیں کہ ''جمہور علمائے امت نے گہری فکر ونظر اور بے لاگ نقد وتبصرہ کے بعد اس کتاب کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری کا عظیم الشان لقب عطا فرمایا ہے۔'' (سنت خیر الانام ص ۵۷ طبع ۲۰۰۱ء)

دیوبندیوں کے نزدیک صحیح بخاری کا مقام

① رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں: ''مگر کتاب بخاری اصح الکتب میں جو چودہ روز مذکور ہیں وہ سب سے راجح ہے'' (اوثق العریٰ فی تحقیق الجمعۃ فی القریٰ ص ۱۸، تالیفات رشیدیہ ص ۳۳۷)

نیز دیکھئے اوثق العریٰ (ص ۲۹) اور تالیفات رشیدیہ (ص ۳۴۳)

② مدرسہ دیو بند کے بانی محمد قاسم نانوتوی صاحب نے ایک آدمی راؤ عبدالرحمٰن صاحب سے فرمایا: ''بھائی میں تمھارے لئے کیا دعا کروں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے تمھیں دونوں جہان کے بادشاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بخاری پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔''

(حکایات اولیاء ص ۲۷۲ حکایت: ۲۵۴)

معلوم ہوا کہ دیو بندیوں کے نزدیک راؤ صاحب، سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صحیح بخاری پڑھتے تھے۔ اگر اس میں کوئی ضعیف حدیث ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں یا نانوتوی صاحب کو ضرور بتا دیتے۔!

③ انور شاہ کاشمیری دیو بندی فرماتے ہیں: ''والشعراني رحمه الله تعالى أيضًا كتب أنه رآه صلى الله عليه وسلم وقرأ عليه البخاري في ثمانية رفقة معه ثم سما هم وكان واحد منهم حنفيًا وكتب الدعاء الذي قرأه عند ختمه ، فالرؤيا يقظة متحققة و انكارها جهل''

مفہوم: اور شعرانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آٹھ آدمیوں کے ساتھ جن میں ایک حنفی تھا، آپ کو صحیح بخاری پڑھ کر سنائی، اور جو دعا اس کے ختم کے وقت پڑھی تھی لکھ دی۔ پس (یہ) رؤیت بیداری کی ثابت ہے اور اس کا انکار جہالت ہے۔

(فیض الباری ۱/۲۰۴)

معلوم ہوا کہ دیو بندیوں کے ''عظیم محدث'' کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیداری میں (دنیا میں آکر) آٹھ آدمیوں کو صحیح بخاری پڑھائی، اِن آٹھ آدمیوں میں شعرانی بدعتی صوفی بھی تھا۔ اگر اس میں کوئی ضعیف حدیث ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور بیان فرمادیتے۔!

④ قاری محمد طیب دیو بندی، مہتمم دارالعلوم دیو بند فرماتے ہیں کہ ''دوسری طرف شارحِ بخاری جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے'' (مقدمہ فضل الباری ۱/۲۶)

اسی کتاب کے مقدمے میں قاری طیب صاحب فرماتے ہیں:

''اس لئے حدیث صحیح لذاتہٖ کا انکار درحقیقت قرآن کی سینکڑوں آیتوں کا انکار ہے۔ اس

لئے کسی منکر حدیث کے لئے جو اتباع قرآن کا نام نہاد مدعی ہے کم از کم اس روایت سے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی جس کا نام صحیح لذاتہ ہے۔'' (مقدمہ فضل الباری ۱/۱۰۳)

قاری محمد طیب صاحب مزید فرماتے ہیں:

''صحت بخاری: تو امام بخاریؒ روایت کرنے میں یکتا ہیں کہ صحیح بخاری کے اندر جو حدیثیں ہیں وہ ان کی شرائط پر منطبق ہیں وہ نہایت ہی اونچی حدیثیں ہیں اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صحیح کسی اور کتاب میں نہیں ہے مسلم میں بھی صحیح حدیثیں ہیں ترمذی میں بھی صحیح حدیثیں ہیں۔نسائی میں بھی صحیح حدیثیں ہیں۔اور کتابوں میں بھی ہیں مگر جن شرائط اور محتاط طریقے سے امام بخاریؒ قبول کرتے ہیں ان سب سے نیچے نیچے ہیں۔ان کی نہایت پکی شرطیں ہوتی ہیں۔وہ ان میں کچھ کہنے سننے کی گنجائش نہیں ہوتی۔تو امام بخاری رحمہ اللہ نے ایسی شرطیں راویت میں لگائی ہیں کہ وہ اور صحیحوں سے بڑھ کر روایت میں صحیح ہیں جن کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کردیا......اسی لئے امت کا اس پر اجماع ہے۔

اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہ اللہ کی کتاب کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب بخاری ہے۔ کتاب اللہ کے بعد اس کا درجہ رکھا گیا۔اول تو طبعاً بھی بعد میں اس کا مرتبہ ہونا چاہئے اس لئے کہ کتاب اللہ اسے میں تو اللہ کا علم ہے..کتاب اللہ کہتے ہیں جس میں حق تعالیٰ کا حکم ہو، اور یہ صحیح بخاری درحقیقت کتاب الرسولؐ ہے۔ظاہر بات ہے کہ رسول کا درجہ تو اللہ کے بعد ہی ہے اس لئے رسول کی کتاب کا درجہ بھی اللہ کی کتاب کے بعد ہوا۔تو اعلیٰ ترین صحت کتاب اللہ کی ہے کہ اس عالم میں کسی آسمانی کتاب کو وہ صحت نصیب نہیں ہوئی جو کتاب مبین کو ہوئی۔بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ کلام درحقیقت صرف یہی ہے۔''

(خطبات حکیم الاسلام ۵/۲۳۲،۲۳۳)

تنبیہ: نبی کریم ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ پورا درود (ﷺ) لکھنا چاہئے۔صرف ''ص'' وغیرہ لکھ دینا غلط ہے۔دیکھئے مقدمہ ابن الصلاح (ص ۲۰۹ دوسرا نسخہ ص ۲۹۹، ۳۰۰)

۵ مفتی رشید احمد لدھیانوی دیوبندی لکھتے ہیں:

''حالانکہ امت کا اجماعی فیصلہ ہے کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری''

(مودودی صاحب اور تخریب اسلام ص ۱۹، احسن الفتاویٰ ۱/۳۱۵)

⑥ محمد عاشق الٰہی میرٹھی صاحب فرماتے ہیں:

''جمہور کا مسلک یہ ہے کہ سب سے مقدم بخاری ہے بلکہ تقریباً سارے ہی مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے...'' (سوانح عمری محمد زکریا صاحب ص ۳۴۹، ۳۵۰)

⑦ مولوی عبدالقدیر دیوبندی صاحب (مومن پور، حضرو، ضلع اٹک والے) حافظ ابن حجر کا ضابطہ بطورِ استدلال لکھتے ہیں کہ ''یعنی صحیحین کی روایت کو غیر پر ترجیح ہوگی۔'' (تدقیق الکلام ۱/۲۳۲)

⑧ محمد عبدالقوی پیر قادری لکھتے ہیں:

''علمائے امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ احادیث کی جملہ کتابوں میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم صحیح ترین ہیں...'' (مفتاح النجاح مع حل سوالات جلد اول ص ۳۵)

⑨ دیوبندی مناظر ماسٹر محمد امین اوکاڑوی صاحب لکھتے ہیں:

''...مگر اصح الکتب بعد کتاب اللہ الباری الصحیح البخاری اور صحاح ستہ کے اجماع کے انکار کو کفر سمجھتے ہیں۔'' (فرقہ غیر مقلدین کی ظاہری علامات ص ۴ فقرہ: ۱۶، مجموعہ رسائل ج ۳ ص ۶۲ ۲ طبعہ ۱۹۹۴ء)

⑩ عبدالقیوم حقانی دیوبندی صاحب فرماتے ہیں:

''چنانچہ روئے زمین پر اصح الکتب بعد کتاب اللہ ھو الصحیح البخاری کے باب...''

(دفاع امام ابوحنیفہ ص ۲۸۷ پسند فرمودہ عبدالحق حقانی و سمیع الحق حقانی)

ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی نے کہا:

''اہلِ فن اسے اصح الکتاب بعد کتاب اللہ قرار دیتے ہیں'' (آثار الحدیث جلد دوم ص ۱۶۳)

اس قسم کے اور بھی بہت سے حوالے ہیں مثلاً دیکھئے تفہیم البخاری (۱/۲۷، از عدنان احمد مکتبہ مدنیہ/شائع کردہ مکتبہ مدنیہ، اردو بازار لاہور) وصحبتے با اہل حق (ص ۳۰۴ عبدالقیوم حقانی) ومقدمۃ انوار الباری (۲/۵۲) ودرس ترمذی (محمد تقی عثمانی ۱/۶۸) انعام الباری (محمد تقی عثمانی ۱/۹۹) علوم الحدیث (محمد عبیداللہ الاسعدی ص ۹۴) ارشاد اصول

الحدیث (مفتی محمد ارشاد قاسمی ص ۵۹ بحوالہ ظفر الامانی ص ۱۳۶) آسان اصول حدیث (خالد سیف اللہ رحمانی ص ۳۸) خیر الاصول فی حدیث الرسول (خیر محمد جالندھری ص ۶، ۷، آثار خیر ص ۱۲۳، ۱۲۴) کشف الباری (۱/۱۸۵، از افادات: سلیم اللہ خان دیوبندی)

جناب عبدالحق حقانی دہلوی (صاحب تفسیر حقانی) فرماتے ہیں:

''اسی لئے حدیث کی کتابوں میں صحیح بخاری سب سے قوی اور معتبر ہے اس کے بعد صحیح مسلم۔''

(عقائد الاسلام ص ۱۰۰، پسند فرمودہ محمد قاسم نانوتوی، دیکھئے عقائد الاسلام ص ۲۶۴)

سرفراز خان صفدر دیوبندی لکھتے ہیں:

''امام مسلم (المتوفی ۲۶۱ھ) صحیح مسلم شریف کے مؤلف ہیں جو بخاری شریف کے بعد تمام حدیث کی کتابوں میں پہلے درجہ پر صحیح تسلیم کی جاتی ہے۔ اور امت کا اس پر اجماع و اتفاق ہے۔ کہ بخاری و مسلم دونوں کی تمام روائتیں صحیح ہیں۔'' (حاشیہ احسن الکلام ۱/۱۸۷ دوسرا نسخہ ۱/۲۳۴)

احناف کے نزدیک صحیح بخاری کا مقام

① عینی حنفی نے کہا:

''اتفق علماء الشرق والغرب علٰی أنه لیس بعد کتاب اللّٰه تعالٰی أصح من صحیحي البخاري و مسلم....'' مشرق و مغرب کے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کتاب اللہ کے بعد بخاری و مسلم سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ۱/۵)

② ملا علی قاری نے کہا: ''ثم اتفقت العلماء علٰی تلقي الصحیحین بالقبول وإنهما أصح الکتب المؤلفة....''

پھر (تمام) علماء کا اتفاق ہے کہ صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) کو تلقی بالقبول حاصل ہے اور یہ دونوں کتابیں تمام کتابوں میں صحیح ترین ہیں۔ (مرقاۃ المفاتیح ۱/۵۸)

③ زیلعی حنفی نے کہا:

''وأعلی درجة الصحیح عندالحفاظ ما اتفق علیه الشیخان''

اور حفاظ حدیث کے نزدیک سب سے اعلیٰ درجے کی صحیح حدیث وہ ہے جس کی روایت پر

بخاری و مسلم کا اتفاق ہو۔ (نصب الرایۃ ۱/۳۴۱)

④ شاہ ولی اللہ الدہلوی کا قول ''صحیح بخاری کا تعارف'' کے تحت گزر چکا ہے۔ (ص ۸)

⑤ قاضی محمد عبدالرحمٰن عیدالمحلاوی الحنفی نے کہا:

''ومن هذا القسم أحاديث صحيح البخاري و مسلم فإن الأمة تلقت ما فيهما بالقبول'' اور اسی قسم سے بخاری و مسلم کی حدیثیں ہیں کیونکہ یقیناً امت نے (تلقی بالقبول کر کے) انھیں قبول کر لیا ہے۔

(تسہیل الوصول الی علم الوصول ص ۱۴۵ حکم خبر الواحد و وجوب العمل بہ)

نیز دیکھئے قفو الاثر فی صفو علوم الاثر لمحمد بن ابراہیم الحلبی الحنفی (ص ۵۱۔ ۵۷)

و بلغۃ الغریب فی مصطلح آثار الحبیب لمحمد مرتضی الحسینی الزبیدی (ص ۱۸۹ [۳])

اور الاجوبۃ الفاضلۃ للکنوی (ص ۱۹، مجموعہ رسائل لکھنوی ۴/۴۱۱)

⑥ احمد علی سہارنپوری ماتریدی (متوفی ۱۲۹۷ھ) نے فرمایا: ''واتفق العلمآء على أن أصح الكتب المصنفة صحيحا البخاري ومسلم واتفق الجمهور على أن صحيح البخاري أصحهما صحيحًا وأكثرهما فوائد''

اور علماء کا اتفاق (اجماع) ہے کہ (کتاب اللہ کے بعد) لکھی ہوئی کتابوں میں سب سے صحیح بخاری و مسلم ہیں اور جمہور کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ صحیح مسلم سے صحیح بخاری زیادہ صحیح ہے اور اس میں فوائد بھی زیادہ ہیں۔ (مقدمۃ صحیح البخاری، درسی نسخہ ۱/۴)

اس قسم کے اور بھی بہت سے حوالے ہیں۔ مختصر یہ کہ بریلویوں، دیوبندیوں اور حنفیوں کے نزدیک صحیح بخاری صحیح اور اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔ والحمد لله على ذلك

صحیح بخاری پر منکرین حدیث کے حملے

دورِ قدیم اور دورِ جدید میں منکرین حدیث جن زاویوں سے صحیح بخاری پر حملے کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں ان کا مختصر تعارف مع رد درج ذیل ہے:

۱☆ بعض الناس صحیح بخاری کی ایک یا چند احادیث لے کر کہتے ہیں کہ ''یہ قرآن کے خلاف ہے''

عرض ہے کہ خلاف ہونے کی دو قسمیں ہیں:

اول: ایک دلیل دوسری دلیل کے من کل الوجوہ (ہر لحاظ سے) خلاف ہو، تطبیق اور توفیق ممکن ہی نہ ہو مثلاً (۱) ایک شخص کہتا ہے "کتا حلال ہے"! (۲) دوسرا کہتا ہے "کتا حرام ہے" یہ دونوں اقوال ایک دوسرے کے سراسر مخالف ہیں۔ اس قسم کی مخالفت والی کوئی ایک حدیث بھی صحیح بخاری میں موجود نہیں ہے کہ جس سے قرآن مجید کا صریح خلاف وارد ہوتا ہو۔ بلکہ دنیا کی کسی کتاب میں ایسی صحیح حدیث موجود نہیں جو اس لحاظ سے قرآن کے صریح مخالف ہو۔

میرا یہ دعویٰ ہے کہ " لاأعرف أنه روي عن النبي ﷺ حديثان بإسنادين صحيحين متضادين، فمن كان عنده فليأتني لأؤلف بينهما / إن شاء الله"

مجھے نبی ﷺ کی ایسی دو صحیح السند حدیثیں معلوم نہیں ہیں جو باہم متعارض ہوں (یا قرآن کے خلاف ہوں) جس شخص کے پاس ایسی کوئی بات ہے تو وہ میرے پاس لے آئے میں ان کے درمیان تطبیق وتوفیق دے کر سمجھا دوں گا/ان شاء اللہ۔

تنبیہ: اس قسم کا ایک قول شیخ الاسلام محمد بن اسحاق بن خزیمہ رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۱ھ) سے مروی ہے لیکن مجھے اس کی کوئی صحیح سند نہیں ملی لہٰذا ہم اس بات کو امام ابن خزیمہ سے منسوب نہیں کرتے۔

دوم: حدیث صحیح کا متن صراحت کے ساتھ قرآن یا احادیث صحیحہ کے خلاف نہیں ہوتا۔ ناسخ منسوخ، تطبیق اور توفیق ممکن ہوتی ہے لیکن بعض الناس اپنے اپنے مزاعم مخصوصہ کی بنا پر اس حدیث کو قرآن یا احادیث صحیحہ کے خلاف کہہ دیتے ہیں۔ ان کا یہ اعتراض سرے سے مردود ہے، مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ تم پر مردار حرام کیا گیا۔

(المآئدۃ:۳)

جبکہ ارشاد نبوی ہے: ((الحل میتته)) سمندر کا مردار حلال ہے۔

(موطأ امام مالک ۲۲/۱ ح ۴۰ وسندہ صحیح، ورواہ أبوداود: ۸۳ والنسائی: ۵۹ وابن ماجہ: ۳۸۶ والترمذی: ۶۹ وقال:

"ھٰذا حدیث حسن صحیح" وصححہ ابن خزیمۃ:۱۱۱ وابن حبان الموارد:۱۱۹)

اگر کوئی شخص قرآنی آیت سے استدلال کرتے ہوئے مردہ مچھلی (مردارِ سمندر) کو حرام قرار دے تو یہ اس شخص کی حماقت ہی ہوگی۔ معلوم ہوا کہ خاص دلیل کے مقابلے میں عام دلیل سے استدلال غلط ہوتا ہے۔

تنبیہ: بعض منکرینِ حدیث نے (۱) تخلیق آدم وحوا (۲) فرضیتِ اطاعتِ والدین وغیرہ اسلامی عقائد کو قرآن کے خلاف کہہ کر رد کر دیا ہے (!) دیکھئے پرویز کی کتاب "عالمگیر افسانے" (ص۴، ۱۷)

تمام مسلمانوں (اور دیگر مذاہب) کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم اور حوا علیہما السلام کو پیدا فرما کر ان دونوں کی نسل سے تمام انسان روئے زمین پر پھیلا دیئے۔ اس اجماعی عقیدے کا انکار کرتے ہوئے پرویز لکھتا ہے: "سب سے پہلے نہ کوئی ایک فرد مٹی سے بنایا گیا تھا، نہ اس کی پسلی سے عورت نکالی گئی تھی ....اور پانی کے امتزاج (یعنی قرآن کے الفاظ میں، طِینِ لازب) سے زندگی کا اولین جرثومہ (LIFE-CELL) ظہور میں آیا جو جوشِ نمو سے دو حصوں میں بٹ گیا" (عالم گیر افسانے ص۵)

اس عبارت میں پرویز نے انسانوں کی ابتدا آدم علیہ السلام کے بجائے ایک جرثومے کو قرار دیا ہے جو کہ بعینہ ڈارون (کافر) کی تھیوری ہے، اس کفریہ عقیدے سے تمام مسلمان بری ہیں۔

۲ ☆ بعض لوگوں نے میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب، تقریب التہذیب اور تہذیب الکمال وغیرہ کتبِ اسماء الرجال میں سے صحیحین کے بعض مرکزی راویوں پر بعض جرحیں نقل کر کے ان کی روایات رد کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ حرکت حبیب الرحمٰن کاندھلوی، تمنا عمادی، شبیر احمد ازہر میرٹھی اور محمد ہادی تورڈھیروی وغیرہ منکرینِ حدیث نے کی ہے۔ صحیحین کی اصولی روایتوں پر اسماء الرجال کی کتابوں میں یہ جرحیں دیکھ کر ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ تمام جروح درج ذیل دو باتوں پر مشتمل ہیں:

① بعض جرحیں اصل جارحین سے ثابت ہی نہیں ہیں، مثلاً صحیحین کے بنیادی راوی ابن جریج کے بارے میں بعض الناس نے تذکرۃ الحفاظ للذہبی (۱/۱۷۰، ۱۷۱ ت ۱۶۴) وغیرہ کے ذریعے سے لکھا ہے کہ ابن جریج نے نوے (۹۰) عورتوں سے متعہ کیا تھا۔ دیکھئے حبیب اللہ ڈیروی دیوبندی حیاتی کی کتاب ''نور الصباح فی ترک رفع الیدین بعد الافتتاح'' (مقدمہ ص ۱۸ بترقیمی)

تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہوا ہے: ''**وقال جرير: كان ابن جريج يرى المتعة تزوج ستين امرأة... قال ابن عبدالحكم: سمعت الشافعي يقول: استمتع ابن جريج بتسعين امرأة حتى أنه كان يحتقن في الليلة بأوقية شيرج طلباً للجماع**'' (۱/۱۷۰، ۱۷۱)

جرح کے یہ دونوں اقوال بے سند ہونے کی وجہ سے باطل ہیں۔ جریر اور ابن عبدالحکم کی وفات کے صدیوں بعد حافظ ذہبی پیدا ہوئے لہٰذا انھیں کس ذریعے سے یہ اقوال ملے؟ یہ ذریعہ نامعلوم ہے۔ اسی طرح مؤمل بن اسماعیل پر امام بخاری سے منسوب جرح (منکر الحدیث) امام بخاری رحمہ اللہ سے ثابت ہی نہیں ہے۔

② بعض جرحیں اصل جارحین سے ثابت ہوتی ہیں لیکن جمہور کی توثیق یا تعدیلِ صریح کے مقابلے میں جرح غیر صریح ہونے کی وجہ سے مردود ہوتی ہیں، مثلاً امام زہری، عبدالرزاق بن ہمام، بقیہ بن الولید، عبدالحمید بن جعفر، عکرمہ مولیٰ ابن عباس اور محمد بن اسحاق بن یسار وغیرہم پر تمام جرحیں جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہیں۔

تنبیہ: امام زہری کا ذکر بطورِ فرض کیا گیا ہے ورنہ وہ تو بالاجماع ثقہ ہیں۔ والحمدللہ جب کسی راوی پر جرح وتعدیل میں محدثین کا اختلاف ہو تو جارحین مع جرح اور معدلین مع تعدیل جمع کر کے دیکھیں پھر اس حالت میں جس طرف جمہور ہیں وہی حق اور صواب ہے۔

تمنا عمادی، کاندھلوی اور شبیر احمد میرٹھی وغیرہ تمام لوگوں کی صحیحین کے بنیادی و اصولی راویوں پر جرحیں جمہور اور اجماع کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود و باطل ہیں۔

۳☆۔بعض لوگ تدلیس یا اختلاط کی وجہ سے بھی جرح کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ ثقہ مدلس راوی کی روایت تصریح سماع یا معتبر متابعت وصحیح شاہد کے بعد صحیح وحجت ہوتی ہے اور مختلط کی اختلاط سے پہلے والی روایت بھی بالکل صحیح ہوتی ہے۔

تنبیہ: صحیحین میں تمام مدلسین کی روایات تصریح سماع، معتبر متابعات اور صحیح شواہد پر مبنی ہیں۔ تفصیلی حوالوں کے لئے دیکھئے اصول حدیث کی کتابیں اور شرح صحیح مسلم للنووی (۱/۱۸ درسی نسخہ) وغیرہ .

محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی حیاتی صاحب فرماتے ہیں:

''مدلس راوی عن سے روایت کرے تو وہ حجت نہیں اِلَّا یہ کہ وہ تحدیث کرے یا اس کا کوئی ثقہ متابع ہو مگر یاد رہے کہ صحیحین میں تدلیس مضر نہیں۔ وہ دوسرے طرق سے سماع پر محمول ہے۔ (مقدمہ نووی ص ۱۸، فتح المغیث ص ۷۷ وتدریب الراوی ص ۱۴۴)''

(خزائن السنن ۱/۱)

بعض جاہل لوگ ادراج اور مدرج کی جرح کر کے بعض ثقہ راویوں کو گرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس جرح کی علمی میدان میں کوئی حیثیت نہیں ہے، صرف مدرج کو غیر مدرج سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے اور بس!

ہشام بن عروہ پر بعض الناس کی جرح اور اس کا جواب

ہشام بن عروہ المدنی رحمہ اللہ کے بارے میں ابوحاتم الرازی (متوفی ۲۷۷ھ) نے کہا: ''ثقة إمام في الحديث'' (الجرح والتعدیل ۹/۶۴ وسندہ صحیح)

احمد بن عبداللہ بن صالح العجلی (متوفی ۲۶۱ھ) نے کہا: ''وكان ثقة...''

(تاریخ الثقات: ۱۷۴۰ و فی المطبوع بعدہ عبارۃ مشوشۃ، تاریخ بغداد ۱۴/۴۱ وسندہ صحیح)

محمد بن سعد (متوفی ۲۳۰ھ) نے کہا: ''وكان ثقة ثبتاً كثير الحديث حجةً''

(الطبقات الکبریٰ ۷/۳۲۱)

یعقوب بن شیبہ (متوفی ۲۶۲ھ) نے کہا: ''وهشام بن عروة ثبت حجة ...''

(تاریخ بغداد ۱۴/ ۴۰ وسندہ صحیح، وکلامه بعده يشير إلى تدليسه، والله أعلم)

یحییٰ بن معین (متوفی ۲۳۳ھ) سے پوچھا گیا کہ آپ کے نزدیک ہشام بن عروہ (عن عروۃ) محبوب (پسندیدہ) ہیں یا الزہری؟ تو انھوں نے فرمایا: دونوں، اور کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دی۔ (تاریخ عثمان بن سعید الدارمی: ۵۰ ۷ وسندہ صحیح)

دارقطنی نے کہا: ''وهشام وإن كان ثقة فإن الزهري أحفظ منه، والله أعلم''

(سنن الدارقطنی ۴/ ۲۴۰ ح ۴۵۳۷)

محمد بن حبان البستی (متوفی ۳۵۴ھ) نے انھیں ثقہ راویوں میں شامل کر کے فرمایا:

''وكان حافظًا متقنًا ورعًا (فاضلاً)'' (الثقات ۵/ ۵۰۲)

محدث ابن شاہین (متوفی ۳۸۵ھ) نے ہشام بن عروہ کو کتاب الثقات (۱۵۲۶) میں ذکر کیا اور بخاری ومسلم نے اصول میں روایت لے کر ہشام بن عروہ کو ثقہ وصحیح الحدیث قرار دیا۔

اس تمام توثیق کے مقابلے میں ابو الحسن بن القطان الفاسی (متوفی ۶۲۸ھ) نے کہا:

''وهشام بن عروة منهم'' اور ہشام بن عروہ ان (مختلطین) میں سے ہیں۔

(بیان الوہم والایہام الواقعین فی کتاب الأحکام ۵/ ۵۰۴ ح ۲۷۲۶)

حافظ ذہبی نے ''ولا عبرة'' کہہ کر اس قول کو غیر معتبر قرار دیا (دیکھئے میزان الاعتدال ۴/ ۳۰۱) اور فرمایا: ''ولم يختلط أبدًا'' اور ہشام کو کبھی اختلاط نہیں ہوا (ایضاً ص ۳۰۱) حافظ ذہبی نے مزید کہا: ''وهشام فلم يختلط قط، هذا أمر مقطوع به'' اور ہشام کو کبھی اختلاط نہیں ہوا، یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے (سیر اعلام النبلاء ۶/ ۳۶) اور کہا: ''فقول ابن القطان: إنه اختلط قول مردود مرذول'' ابن القطان کا قول کہ ہشام کو اختلاط ہوا، مردود ومرذول ہے۔ (ایضاً ص ۳۶)

حافظ ابن حجر نے کہا: ''ولم نرله في ذلك سلفًا'' اور ہم نے اس قول میں اس (ابن القطان الفاسی) کا کوئی سلف نہیں دیکھا۔ (تہذیب التہذیب ۱۱/ ۵۱)

معلوم ہوا کہ ہشام بن عروہ پر اختلاط کا الزام مردود وباطل ہے۔

فائدہ: بذاتِ خود ابن القطان الفاسی نے ہشام بن عروہ اور عثمان بن عروہ کے بارے میں

کہا: "وھشام و عثمان ثقتان "یعنی ہشام اور عثمان دونوں ثقہ ہیں۔

(بیان الوہم والا یہام ۵/۴۲۹ ح ۲۶۰۴)

تنبیہ: ہشام بن عروہ نے ایک روایت بیان کی ہے جس میں آیا ہے کہ ایک یہودی نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر جادو کیا تھا (جس کا آپ پر دنیاوی امور میں، دیگر بیماریوں کی طرح عارضی اثر ہوا مثلاً بعض اوقات آپ یہ بھول جاتے کہ آپ اپنی فلاں زوجہ محترمہ کے پاس تشریف لے گئے یا نہیں) اس روایتِ صحیحہ پر نیش زنی کرتے ہوئے حبیب الرحمٰن کاندھلوی ولد اشفاق الرحمٰن کاندھلوی لکھتا ہے:

"۵۔ یہ روایت ہشام کے علاوہ کوئی بیان نہیں کرتا۔ اور ہشام کا ۱۳۲ھ میں دماغ جواب دے گیا تھا۔ بلکہ حافظ عقیلی تو لکھتے ہیں۔ قد خرف فی اخر عمرہ۔ آخر عمر میں سٹھیا گئے تھے۔ تو اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ روایت سٹھیانے سے پہلے کی ہے۔

۶۔ ہشام کے مشہور شاگردوں میں سے امام مالک یہ روایت نقل نہیں کرتے۔ بلکہ کوئی بھی اہل مدینہ یہ روایت نقل نہیں کرتا۔ ہشام سے جتنے بھی راوی ہیں سب عراقی ہیں اور اتفاق سے عراق پہنچنے کے چند روز بعد ہشام کا دماغ سٹھیا گیا تھا۔"

(مذہبی داستانیں اوران کی حقیقت ۲/۹۱)

عرض ہے کہ اختلاط اور سٹھیانے والی بات تو باطل و مردود ہے جیسا کہ حافظ ذہبی کے قول سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ عقیلی کا قول مجھے کتاب الضعفاء وغیرہ میں نہیں ملا۔

محدث ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں:

"موصوف نے امام عقیلی کے قول کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ تہذیب التہذیب، میزان الاعتدال وغیرہ کتب میں امام عقیلی کا یہ قول ہمیں کہیں نظر نہیں آیا۔ بلکہ امام عقیلی نے تو ہشام کا کتاب الضعفاء میں ذکر ہی نہیں کیا۔" (احادیث صحیح بخاری و مسلم کو مذہبی داستانیں بنانے کی ناکام کوشش ص ۱۱۳)

ہشام بن عروہ سے سحر والی روایت انس بن عیاض المدنی (صحیح بخاری: ۶۳۹۱) اور عبدالرحمٰن بن ابی الزناد المدنی (صحیح بخاری: ۵۷۶۳ و تفسیر ابن جریر الطبری ۱/۳۶۶،

۳۶۷ وسندہ حسن، ابن ابی الزناد وثقہ الجمہور) دونوں نے بیان کی ہے لہٰذا یہ کہنا کہ "بلکہ کوئی بھی اہل مدینہ یہ روایت نقل نہیں کرتا۔" باطل ومردود ہے۔ ایک اور شخص لکھتا ہے کہ: "ہشام بن عروہ ثقہ فقیہ ہے بارہا تدلیس کی ہے (تقریب ج ۲ ص ۲۶۸) چونکہ سحر والی روایت عن سے ہے اور اصول حدیث میں مدلس کا عنعنہ ناقابل قبول ہے لہٰذا یہ روایت مردود ہے۔ تو اب اس بات میں کوئی شک نہ رہا کہ اصول حدیث کی روشنی میں نبی علیہ السلام پر جادو والی روایات سنداً اور متناً غلط ہیں۔" (جادو کی شرعی حیثیت قرآن کی روشنی میں/تجلی خان ص ۱۷)

حالانکہ صحیح بخاری میں لکھا ہوا ہے: "**حدثنا محمد بن المثنیٰ: ثنا هشام: ثني أبي عن عائشة أن النبي ﷺ سحر حتی کان یخیّل إلیه أنه صنع شیئاً ولم یصنعه**" (درسی نسخہ ۱/۴۵۰ ح ۳۱۷۵ کتاب الجزیہ باب ۱۴ **هل یعفی عن الذمي، إذا سحر؟**) سماع کی واضح تصریح کے باوجود یہ کہنا کہ "چونکہ سحر والی روایت عن سے ہے۔۔۔" کیا معنی رکھتا ہے؟

ایک شخص نے لکھا ہے: "ہشام کی بیان کی ہوئی روایات میں سے کسی بھی روایت کی اسناد میں یہ ذکر نہیں ہے کہ عروہ نے حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث سنی تھی۔۔۔۔۔۔"

(صحیح بخاری کا مطالعہ از شبیر احمد ازہر میرٹھی ج ۲ ص ۸۷)

عرض ہے کہ عروہ بن الزبیر کا مدلس ہونا ثابت نہیں ہے لہٰذا وہ تدلیس سے بری ہیں۔

آپ ۲۳ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اپنی خالہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (وفات ۵۷ھ) سے سماع وملاقات اور استفادہ دلائل قطعیہ سے ثابت ہے۔ مثلاً دیکھئے صحیح بخاری (۴۰۷۷) وصحیح مسلم (۲۴۱۸ وترقیم دارالسلام: ۶۲۴۹۔۶۲۵۱) ومسند الحمیدی (بتحقیقی: ۲۶۴) حدیث کے عام طالب علم بھی یہ جانتے ہیں کہ غیر مدلس راوی کا اپنے استاد سے بدون تصریحِ سماع: عن اور قال وغیرہ کے ساتھ روایت کرنا، سماع پر ہی محمول ہوتا ہے اِلا یہ کہ صریح دلیل سے کسی روایت کی تخصیص ثابت ہو لہٰذا یہ اعتراض بھی مردود وباطل ہے۔

تنبیہ بلیغ: بعض لوگ ہشام بن عروہ کے بارے میں (عبدالرحمٰن بن یوسف بن سعید)

ابن خراش کا قول (کان مالك لايرضاه....) پیش کرتے ہیں حالانکہ ابن خراش کا بذاتِ خود ثقہ وصدوق ہونا ثابت نہیں ہے۔ عبدان اسے ضعف کی طرف منسوب کرتے تھے (الکامل لابن عدی ۴/۱۶۲۹ وسندہ صحیح) ابوزرعہ محمد بن یوسف الجرجانی رحمہ اللہ نے کہا:
''کان أخرج مثالب الشیخین و کان رافضیاً'' اس نے (سیدنا) ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) کے خلاف روایتیں نکالیں اور وہ رافضی تھا۔ [سؤالات حمزة السہمی للحاکم: ۳۴۱ وسندہ صحیح]
محدث ابن ناصر الدین (متوفی ۸۴۲ھ) نے (اپنی کتاب) بدیعۃ البیان (عن موت الاعیان) میں ابن خراش کے بارے میں کہا:

'' لإبن خراش الحالة الرذیلة ذارافضي جرحه فضیلة''

یعنی ابن خراش کی رذیل (وذلیل) حالت ہے۔ یہ رافضی ہے، اس کی جرح (مجروح کے لئے) باعث فضیلت ہے۔ (شذرات الذہب ۱۸۴/۲)

خلاصۃ التحقیق: ہشام بن عروہ ثقہ وصحیح الحدیث ہیں، اُن پر اختلاط وغیرہ کی جرح مردود ہے۔ رہا مسئلہ تدلیس کا تو قولِ راجح میں وہ ''بريء من التدلیس'' تدلیس سے بری ہیں۔
(دیکھئے میری کتاب الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین ۱/۳۰ ص ۱۳۱)

فائدہ (۱): صحیحین کے اصول کے راویوں کا ثقہ وصدوق ہونا اس کی دلیل نہیں ہے کہ صحیحین کے شواہد ومتابعات والے راوی بھی ضرور بالضرور ثقہ وصدوق ہی ہیں۔ (دلائل قطعیہ اور راجح دلائل سے ثابت ہے کہ صحیحین میں متابعات وشواہد میں ضعیف ومجروح راوی بھی موجود ہیں مثلاً عمر بن حمزہ (مسلم) یزید بن ابی زیاد (مسلم) اور ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع (البخاری: ۳۲۹۹ متابعۃ) وغیرہ ضعیف راوی ہیں لیکن صحیحین میں ان کی روایات متابعات، شواہد اور امت کے تلقی بالقبول کی وجہ سے صحیح وحسن ہیں۔ والحمد للہ

فائدہ (۲): بعض الناس کا صحیحین کی اصولی روایتوں پر جرح کرنا چنداں باعث تشویش نہیں ہوتا بلکہ اصل مراجع کی طرف رجوع کر کے بآسانی جمہور محدثین کا موقف معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اس تمہید کے بعد بعض منکرین حدیث کے صحیحین پر طعن و جرح اور بعض

روایاتِ صحیحین کا مدلل دفاع پیش خدمت ہے:

فائدہ (۳): شیخ البانی رحمہ اللہ، وغیرہ معاصرین اور ان سے پہلے لوگوں نے صحیح بخاری و صحیح مسلم پر جو بھی جرح کی ہے، وہ جرح سرے سے مردود ہے۔ علمی میدان میں اس جرح کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

ایک اہم بات

اس دفاع میں راقم الحروف نے ثابت کر دیا ہے کہ صحیح بخاری کی جن روایتوں پر منکرینِ حدیث جرح کرتے ہیں یہ روایتیں امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے بھی محدثین کرام نے بیان کی ہیں۔ آپ کے دور میں اور آپ کے بعد بھی ائمۂ کرام نے انھیں (کئی سندوں کے ساتھ) اپنی کتابوں میں باسند نقل کیا ہے۔ ان روایتوں کے صحیح ہونے پر اہلِ علم کا اجماع ہے لہٰذا صحیح بخاری (و صحیح مسلم) پر حملہ تمام محدثین کرام، فقہاءِ عظام، اہلِ علم اور ائمہ دین پر حملہ ہے۔

وما توفیقی إلا باللّٰہ علیہ توکلت وإلیہ أنیب (۲۳/ ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ)

صحیح بخاری کی چند احادیث اور منکرینِ حدیث

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علٰی رسولہ الأمین ، أما بعد:

قارئین کرام!............ ایک منکرِ حدیث نے صحیح بخاری کی چند احادیث پر حملے کیے ہیں۔ اسی طرح کے حملے دیگر منکرینِ حدیث بھی کرتے رہتے ہیں لہٰذا عام مسلمانوں کی نصیحت اور خیر خواہی کے لئے ان اعتراضات کے مدلل جوابات پیشِ خدمت ہیں:

منکرِ حدیث: "ستمبر ۱۹۸۷ میں لکھا گیا .... سے خطاب

(منکر حدیث کا نام اور اڈریس)........................

صحیح بخاری کو "اصح الکتاب بعد کتاب اللہ" وحی ماننے والے غور کریں۔

(۱) پتھر موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگ گیا۔ (جلد دوم۔ صفحہ ۲۹۲۔ روایت نمبر ۶۲۸)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام بڑے باحیا اور ستر پوش آدمی تھے ان کے حیا کی وجہ سے ان کے جسم کا ذرا سا حصہ بھی ظاہر نہ ہوتا تھا بنی اسرائیل نے ان کو اذیت دی اور کہا یہ جو اپنے جسم کی اتنی پردہ پوشی کرتے ہیں تو صرف اس لئے کہ ان کا جسم عیب دار ہے یا تو انہیں برص ہے یا فتق ہے یا کوئی اور بیماری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان تمام بہتانوں سے پاک کرنا چاہا سو ایک دن موسیٰ نے تنہائی میں جا کر کپڑے اتار کر پتھر پر رکھ دیئے پھر غسل کیا جب غسل سے فارغ ہوئے تو اپنے کپڑے پہننے چلے مگر وہ پتھر ان کے کپڑے لے کر بھاگ پڑا موسیٰ اپنا عصا لے کر پتھر کے پیچھے چلے اور کہنے لگے اے پتھر میرے کپڑے دے اے پتھر میرے کپڑے دے۔

حتیٰ کہ پتھر بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے پاس پہنچ گیا انھوں نے برہنہ حالت میں موسیٰ کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سب سے اچھا اور ان تمام عیوب سے جو وہ آپ کی طرف منسوب کرتے تھے انھوں نے بری پایا۔ وہ پتھر ٹھہر گیا اور موسیٰ نے اپنے کپڑے لے کر پہن لئے پھر موسیٰ نے اپنا عصا لے کر پتھر کو مارنا شروع کیا پس بخدا موسیٰ کے مارنے کی وجہ سے اس پتھر پر تین یا چار نشانات ہو گئے اس آیت کریمہ کا یہی مطلب ہے کہ۔ اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو تکلیف پہنچائی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بات سے (جو وہ موسیٰ کے بارے کہتے تھے) بری کر دیا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک باعزت تھے۔ (روایت ختم)

تبصرہ: ① آیت ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِیۡنَ اٰذَوۡا مُوۡسٰی فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ ..﴾ (احزاب: ٦٩)

کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں جو نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی سکھلائی جبکہ قرآن میں اور تورات میں بنی اسرائیل کی بیسیوں ایذاؤں کا ذکر تھا ایسی حیا سوز ایذا کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب

۲ اگر یہ حدیث وحی ہے اور آپ ﷺ کو بذریعہ وحی اس واقعے کی اطلاع دی گئی تو تین یا چار نشان کہنے کا کیا مطلب۔ کیا اللہ تعالیٰ کو بھی نعوذ باللہ علم نہیں تھا کہ نشان تین ہیں یا چار۔"

(۱) الجواب: یہ روایت صحیح بخاری میں تین مقامات پر ہے۔ (ح۲۷۸، ۳۴۰۴، ۴۷۹۹)

امام بخاری رحمہ اللہ کے علاوہ درج ذیل محدثین نے بھی اسے روایت کیا ہے:

مسلم النیسابوری (صحیح مسلم ح۳۳۹ و ترقیم دارالسلام: ۷۷۰ و بعد ح۲۳۷۱ ترقیم دارالسلام: ۶۱۴۶، ۶۱۴۷) ترمذی (السنن: ۳۲۲۱ وقال: "ھذا حدیث حسن صحیح" إلخ) النسائی فی التفسیر (۴۴۴، ۴۴۵) الطحاوی فی مشکل الآثار (۱۱/۱) والطبری فی تفسیرہ (تفسیر ابن جریر ۲۲/۳۷)

یہ روایت درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

مسند ابی عوانہ (۲۸۱/۱) صحیح ابن حبان (الاحسان ۹۴/۱۴ ح ۶۱۷۸، دوسرا نسخہ: ۶۲۱۱) الاوسط لابن المنذر (۱۲۰/۲ ح۶۴۹) السنن الکبریٰ للبیہقی (۱۹۸/۱) معالم التنزیل للبغوی (۵۴۵/۳)

یہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے درج ذیل محدثین نے بھی بیان کی ہے:

احمد بن حنبل (المسند ۳۱۵/۲، ۳۹۲، ۵۱۴، ۵۳۵) عبدالرزاق (المصنف: ۲۰۵۳۱) ہمام بن منبہ (الصحیفۃ: ۶۱)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت درج ذیل جلیل القدر تابعین کی سند سے ثابت ہے:

1. ہمام بن منبہ (الصحیفۃ: ۶۱ و صحیح البخاری: ۲۷۸ و صحیح مسلم: ۳۳۹)
2. محمد بن سیرین (صحیح البخاری: ۳۴۰۴، ۴۷۹۹)
3. خلاس بن عمرو (صحیح البخاری: ۳۴۰۴، ۴۷۹۹)
4. الحسن البصری (صحیح البخاری: ۳۴۰۴، ۴۷۹۹)
5. عبداللہ بن شقیق (صحیح مسلم: ۳۳۹ بعد ح۲۳۷۱ ترقیم دارالسلام: ۶۱۴۷)

اس روایت کی دوسری سندیں، آثارِ صحابہ اور آثارِ تابعین بھی مروی ہیں۔ دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۵۳۳/۱۱، ۵۳۵) وتفسیر الطبری (۳۶/۲۲، ۳۷) وکشف الاستار (مسند البزار: ۲۲۵۲) وغیرہ

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صحیح بخاری کی یہ روایت بالکل صحیح ہے۔ اس حدیث کی تشریح میں حافظ ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''أنه ليس في الحديث أنهم رأوا من موسى الذكر – الذي هو عورة– وإن رأوا منه هيئة تبينوا بها أنه مبرأ مما قالوا من الادرة وهذا يتبين لكل ناظر بلا شك ، بغير أن يرى شيئاً من الذكر لكن بأن يرى مابين الفخذين خالياً''

حدیث میں یہ نہیں ہے کہ انھوں (بنی اسرائیل) نے موسیٰ (علیہ السلام) کا ذکر یعنی شرمگاہ دیکھی تھی۔ انھوں نے ایسی حالت دیکھی جس سے واضح ہو گیا کہ وہ (موسیٰ علیہ السلام) ان لوگوں کے الزامات کہ وہ آدر ہیں (یعنی ان کے خصیے بہت موٹے ہیں) سے بری ہیں۔ ہر دیکھنے والے کو (ایسی حالت میں) بغیر کسی شک کے ذکر (شرمگاہ) دیکھے بغیر ہی یہ معلوم ہو جاتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ رانوں کے درمیان جگہ خالی ہے۔ (المحلی ۲۱۳/۳ مسئلہ: ۳۴۹)

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر جو جسمانی نقص والے الزامات لگاتے تھے، ان تمام الزامات سے آپ بری تھے۔ دوسرے یہ کہ اس روایت میں یہ بھی نہیں ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام بالکل ننگے نہا رہے تھے۔ امام ابن حزم کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے لنگوٹی وغیرہ سے اپنی شرمگاہ کو چھپا رکھا تھا اور باقی جسم ننگا تھا۔ بنی اسرائیل نے آپ کی شرمگاہ کو دیکھا ہی نہیں لہٰذا منکرینِ حدیث کا اس حدیث کا مذاق اڑانا مردود ہے۔ بعض الناس نے کہا کہ ''تو تین یا چار نشان کہنے کا کیا مطلب''؟

عرض ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ﴾

اور بھیجا اس کو لاکھ آدمیوں پر یا زیادہ۔ (الصّٰفّٰت: ۱۴۷ ترجمہ شاہ عبدالقادر ص ۵۴۳)

اس آیت کریمہ کا ترجمہ شاہ ولی اللہ الدہلوی کی تحریر سے پڑھ لیں:

''وفرستادیم اُو را بسوئے صد ہزار یا بیشتر ازان باشند'' (ص ۵۴۳)

منکرینِ حدیث اس آیت کریمہ میں لفظ ''او'' کی جو تشریح کریں گے وہی تشریح سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول ''ستة أو سبعة'' میں ''او'' کی ہے۔ والحمدللہ

منکرِ حدیث: ''(۲) موسیٰ کا ملک الموت کی پٹائی کر دینا۔ (جلد دوم صفحہ ۲۹۲ روایت نمبر ۱۲۳۱)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ: ملک الموت کو موسیٰ کے پاس بھیجا گیا جب وہ موسیٰ کے پاس آئے تو موسیٰ نے ان کو مکا مارا تو وہ اللہ تعالیٰ کے پاس چلے گئے اور کہنے لگے تو نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا ہے جو موت نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم واپس جا کر اس سے کہو کہ تم کسی بیل کی پیٹھ پر اپنا ہاتھ رکھو پس جتنے بال ان کے ہاتھ کے نیچے آجائیں گے ہر بال کے بدلے ایک سال کی عمر ملے گی۔ موسیٰ نے کہا: اے اللہ پھر کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر موت آئے گی تو موسیٰ نے کہا: ابھی آجائے۔ ابو ہریرہؓ نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی کہ انہیں ارض مقدس سے ایک پتھر پھینکنے کے فاصلہ تک قریب کر دے۔ ابو ہریرہؓ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میں وہاں ہوتا تو تمہیں ان کی قبر راستہ کے کنارے سے ٹیلہ کے نیچے دیکھا دیتا۔ روایت ختم۔

تبصرہ: موسیٰ کا اللہ تعالیٰ کے حکم بردار فرشتہ کے ساتھ یہ سلوک اور اس آمد و رفت اور گفتگو میں موسیٰ کی موت میں کتنی ساعتیں تاخیر ہوئی جب کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ﴿وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا﴾ اللہ تعالیٰ ہرگز تاخیر نہیں کرتا جب کسی کی اجل آجائے۔ (المنافقون:۱۱)''

(۲) الجواب: یہ روایت صحیح بخاری میں دو مقامات پر ہے۔ (۱۳۳۹، ۳۴۰۷)

امام بخاری رحمہ اللہ کے علاوہ درج ذیل محدثین نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

مسلم النیسابوری (صحیح مسلم: ۲۳۷۲ وترقیم دارالسلام: ۶۱۴۸، ۶۱۴۹) النسائی (سنن النسائی ۴/ ۱۱۸، ۱۱۹ ح ۲۰۹۱) ابن حبان (صحیح ابن حبان، الاحسان ۸/ ۳۸ ح ۶۲۲۳، پرانا نسخہ: ح ۶۱۹۰) ابن ابی عاصم (السنۃ: ۵۹۹) البیہقی فی الاسماء والصفات (ص ۴۹۲) البغوی فی شرح السنۃ (۵/ ۲۶۵، ۲۶۶ ح ۱۴۵۱ وقال: ھذا حدیث متفق علیٰ صحتہ)

الطبری فی التاریخ (۱/ ۴۳۴ دوسرا نسخہ ۱/ ۵۰۵) الحاکم فی المستدرک (۲/ ۵۷۸ ح ۴۱۰۷ وقال: ''ھذا حدیث صحیح علیٰ شرط مسلم ولم یخرجاہ'') وابوعوانہ فی مسندہ (اتحاف المھرۃ ۱۵/ ۱۰۴)

امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے درج ذیل محدثین نے اسے روایت کیا ہے:

احمد بن حنبل (المسند ۲/۲۶۹، ۳۱۵، ۵۳۳) عبدالرزاق فی المصنف (۱۱/۲۷۴، ۲۷۵ ح ۲۰۵۳۰، ۲۰۵۳۱) ہمام بن منبہ (الصحیفۃ: ۶۰)

اس حدیث کو سیدنا الامام ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے درج ذیل تابعین نے بیان کیا ہے:

① ہمام بن منبہ (البخاری: ۳۴۰۷ مختصراً مسلم: ۲۳۷۲ وترقیم دارالسلام: ۶۱۴۹)

② طاؤس (البخاری: ۱۳۳۹، ۳۴۰۷ ومسلم: ۲۳۷۲ وترقیم دارالسلام: ۶۱۴۸)

③ عمار بن ابی عمار (احمد ۲/۵۳۳ ح ۱۰۹۱۷ وسندہ صحیح وصححہ الحاکم علی شرط مسلم ۲/۵۷۸)

اس روایت کی دوسری سند کے لئے دیکھئے مسند احمد (۲/۳۵۱)

معلوم ہوا کہ یہ روایت بالکل صحیح ہے، اسے بخاری، مسلم، ابن حبان، حاکم اور بغوی نے صحیح قرار دیا ہے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس ملک الموت ایسی انسانی شکل میں آئے تھے جسے موسیٰ علیہ السلام نہیں پہچانتے تھے۔ حافظ ابن حبان فرماتے ہیں:

"**وکان موسیٰ غیوراً، فرأی في دارہ رجلاً لم یعرفہ، فشال یدہ فلطمہ، فأتت لطمتہ علی فقء عینہ التي فی الصورۃ التي یتصور بھا، لا الصورۃ التي خلقہ اللہ علیھا**" اور موسیٰ (علیہ السلام) غیور تھے۔ پس انھوں نے اپنے گھر میں ایسا آدمی دیکھا جسے وہ پہچان نہ سکے تو ہاتھ بڑھا کر مکا مار دیا۔ یہ مکا اس (فرشتے) کی (انسانی صورت والی) اس آنکھ پر لگا جو اس نے اختیار کی تھی۔ جس (اصلی) صورت پر اللہ نے اسے پیدا کیا، اس پر یہ مکا نہیں لگا الخ (الاحسان نسخہ محققہ ۱۴/۱۱۵)

امام بغوی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر تفصیلی بحث کی ہے جس سے حافظ ابن حبان کی تائید ہوتی ہے۔ (دیکھئے شرح السنۃ ۵/۲۶۶۔۲۶۸)

اور فرمایا: "یہ مفہوم ابو سلیمان الخطابی نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے تاکہ ان بدعتی اور ملحد لوگوں پر رد ہو جو اس حدیث اور اس جیسی دوسری احادیث پر طعن کرتے ہیں، اللہ ان (گمراہوں) کو ہلاک کرے اور مسلمانوں کو ان کے شر سے بچائے۔" (شرح السنۃ ۵/۲۶۸)

مختصر یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کو یہ پتا نہیں تھا کہ یہ فرشتہ ہے اور ان کی روح قبض کرنے کے لئے آیا ہے لہٰذا انھوں نے اسے غیر آدمی سمجھ کر مارا۔ جب انھیں معلوم ہو گیا کہ یہ فرشتہ ہے اور روح قبض کرنا چاہتا ہے تو لبیک کہا اور سر تسلیم خم کیا۔ پس یہ حدیث ''اللہ تعالیٰ ہر گز تاخیر نہیں کرتا جب کسی کی اجل آجائے'' (المنٰفقون:۱۱) کے خلاف نہیں ہے۔ والحمد للہ

منکر حدیث: ''(۳) سلیمانؑ کا دعویٰ غیب اور انشآء اللہ سے لاپرواہی

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (جلد دوم صفحہ ۳۰۲ روایت نمبر ۶۴۷)

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دن سلیمانؑ نے قسم کھائی کہ میں آج رات ستر عورتوں کے پاس جاؤں گا ہر عورت کو ایک شہسوار اور مجاہد فی سبیل اللہ کا حمل ٹھہر جائے گا۔ ان کے ایک صحابی نے کہا انشاء اللہ کہیے مگر سلیمانؑ نے نہ کہا سو کوئی عورت حاملہ نہ ہوئی سوائے ایک کے مگر اس کے بھی بچہ ایسا پیدا ہوا جس کی ایک جانب گری ہوئی تھی۔ اگر وہ انشاء اللہ کہہ دیتے تو سب بچے پیدا ہو کر فی سبیل اللہ جہاد کرتے شعیب، ابوالزناد نے ۹۰ عورتوں کی روایت کی ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

تبصرہ: سلیمان علیہ السلام کا اپنے صحابی کے سامنے ۷۰ یا ۹۰ عورتوں کے پاس جانے کا کہنا جب کہ آج کا ایک عام مسلمان اپنی خواہش کی تکمیل کا ارادہ کسی پر ظاہر نہیں کرتا چہ جائیکہ ایک اولوالعزم رسول سے یہ بات باعث تعجب ہے۔ صحابی کے توجہ دلانے پر بھی انشاء اللہ نہ کہنا اور علم غیب کا ایسا دعویٰ کہ ۷۰ ہی مجاہد فی سبیل اللہ ہوں گے اور اس ساری داستان کی تصدیق اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو کرادی۔''

(۳) الجواب: یہ روایت صحیح بخاری میں چھ مقامات پر ہے:

(۲۸۱۹، ۳۴۲۴، ۵۲۴۲، ۶۶۳۹، ۶۷۲۰، ۷۴۶۹)

صحیح بخاری کے علاوہ یہ روایت مختلف سندوں کے ساتھ درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

صحیح مسلم (۱۶۵۴) صحیح ابن حبان (۴۳۲۲، ۴۳۲۳ دوسرا نسخہ: ۴۳۳۷، ۴۳۳۸) سنن النسائی (۷/۲۵ ح ۳۸۶۲) السنن الکبریٰ للبیہقی (۱۰/۴۴) مشکل الآثار للطحاوی (۲/۳۷۷ ح ۱۹۲۵) شرح السنۃ للبغوی (۱/۱۴۷ ح ۹۷ وقال: ھذا حدیث متفق علیٰ صحتہ) حلیۃ الاولیاء لابی نعیم الاصبہانی (۲/۲۷۹، ۲۸۰ وقال: ''وھو صحیح ثابت متفق علیٰ صحتہ'')

امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے درج ذیل محدثین نے اسے روایت کیا ہے:
احمد بن حنبل (المسند ۲/۲۲۹، ۲۷۵، ۵۰۶) حمیدی (المسند: ۱۱۷۴، ۱۱۷۵)
عبدالرزاق فی التفسیر (۱/۳۳۷ ح ۱۶۶۸، ۱۶۶۹)
اس حدیث کو درج ذیل تابعین کرام نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

① عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج
(صحیح البخاری: ۲۸۱۹، ۳۴۲۴، ۶۶۳۹ و صحیح مسلم: ۱۶۵۴ و ترقیم دارالسلام: ۴۲۸۹)

② طاؤس (صحیح بخاری: ۵۲۴۲، ۶۷۲۰ و صحیح مسلم: ۱۶۵۴ و دارالسلام: ۴۲۸۶)

معلوم ہوا کہ یہ روایت بھی سابقہ روایات کی طرح بالکل صحیح ہے اور اسے بھی امام بخاری سے پہلے، ان کے زمانے میں اور بعد والے محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔
جو لوگ صحیح بخاری کی احادیث پر طعن کرتے ہیں وہ درحقیقت تمام محدثین پر طعن کرتے ہیں کیونکہ یہی احادیث دوسرے محدثین کے نزدیک بھی صحیح ہوتی ہیں۔

تنبیہ ①: سیدنا سلیمان علیہ السلام نے دعویٔ غیب نہیں کیا تھا بلکہ یہ ان کا اجتہاد و اندازہ تھا۔

تنبیہ ②: ان روایات میں سلیمان علیہ السلام کی بیویوں کی تعداد ستر، نوے اور سو مذکور ہے۔ اس میں تطبیق یہ ہے کہ ستر آزاد بیویاں تھیں اور باقی لونڈیاں تھیں۔
دیکھئے فتح الباری لابن حجر (۶/۴۶۰ تحت ح ۳۴۲۴)

تنبیہ ③: سابقہ شریعتوں میں چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت تھی جب کہ شریعتِ محمدیہ میں امتِ محمدیہ کے ہر شخص کو بیک وقت زیادہ سے زیادہ صرف چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ ④: سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: ''میں آج رات ستر عورتوں کے پاس جاؤں گا'' الخ
کسی حدیث میں یہ بالکل نہیں آیا کہ سلیمان علیہ السلام نے ممبر پر لوگوں کے سامنے یہ اعلان کیا تھا بلکہ حدیث میں صحابی کا ذکر ہے جس سے مراد فرشتہ ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۶۷۲۰)
لہٰذا یہ اعتراض باطل ہے۔ دوسرا یہ کہ سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہنا بھول گئے تھے نا کہ

انھوں نے اسے قصداً ترک کیا۔ دیکھئے صحیح بخاری (۶۷۲۰)

منکر حدیث: ”(۴) لوط علیہ السلام پر شرک کا الزام

(جلد دوم۔ صفحات ۲۷۶، ۲۷۸، ۲۸۱۔ روایات ۵۹۷، ۶۰۰، ۶۱۳۔ سب کا ایک مضمون ہے)

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ لوطؑ کی مغفرت فرمائے وہ ایک مضبوط رکن کی پناہ چاہتے تھے۔ (روایت ختم)

تبصرہ: مضبوط رکن

رکن کی پناہ جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے (ھود ۱۱/۸۰) وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیر اللہ سے پناہ لینے کے زمرے میں نہیں آتی۔ لوطؑ نے اصطلاحاً کلمۂ تأسف کے طور پر مشرکین سے اظہار بیزاری کرتے ہوئے فرمایا جبکہ کوئی بھی مواحد ان کا مددگار ساتھی نہ تھا سوائے قلیل کمزوروں کے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ آپ نے ایک اہل حدیث مولوی کی زبانی لوط علیہ السلام کا شرک سنایا تھا اس اہلحدیث مولوی نے یہ بات بخاری ہی میں پڑھی ہوگی اس نے اس لئے کہا ہوگا کہ ہمارے نبی محمد ﷺ ان کے لئے مغفرت کی دعا فرما رہے ہیں۔ جبکہ شرکیہ جرائم کی مغفرت کی دعا کرنے کی تو اسلام اجازت ہی نہیں دیتا۔“

(۴) الجواب: یہ روایت صحیح بخاری میں چھ مقامات پر ہے۔ (۳۳۷۲، ۳۳۷۵، ۳۳۸۷، ۴۵۳۷، ۴۶۹۴، ۶۹۹۲)

صحیح بخاری کے علاوہ یہ حدیث درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

صحیح مسلم (۱۵۱ وبعد ح: ۲۳۷۰) سنن الترمذی (۳۱۱۶ وقال: ھذا حدیث حسن) صحیح ابن حبان (۶۱۷۴ دوسرا نسخہ: ۶۲۰۷) سنن ابن ماجہ (۴۰۲۶) مشکل الآثار للطحاوی (۱/۱۳۴۔۱۳۶) صحیح ابی عوانہ (۱/۷۹، ۸۰) المستخرج لابی نعیم (۱/۲۱۵ ح ۳۸۰) تفسیر طبری (۱۲/۸۸، ۱۳۹) المستدرک للحاکم (۲/۵۶۱ ح ۴۰۵۴ وقال: صحیح علیٰ شرط مسلم، ووافقہ الذہبی) النسائی فی الکبریٰ (۱۱۲۵۴) الایمان لابن مندۃ (۱/۴۸۷ ح ۳۷۱، ۱/۴۸۵ ح ۳۶۸، ۳۶۹) الادب المفرد للبخاری (۶۰۵، ۸۹۶) تفسیر بغوی (۲/۳۹۵، ۳۹۶) وشرح السنۃ لہ (۱/۱۱۴، ۱۱۵ ح ۶۳ وقال البغوی: ”ھذا حدیث متفق علیٰ صحتہ“) تاریخ بغداد (۷/۱۸۲ ت ۳۶۳۱)

اسے امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے درج ذیل محدثین نے روایت کیا ہے:

احمد بن حنبل (۳۲۲/۲، ۳۲۶، ۳۳۲، ۳۴۶، ۳۵۰ (ح ۸۵۹۰)، ۳۸۴، ۳۸۹، ۴۱۶، ۵۳۳)

اور سعید بن منصور (سنن سعید بن منصور ح ۱۰۹۷ طبعہ جدیدہ)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسے بیان کرنے والے درج ذیل ثقہ وجلیل القدر تابعین ہیں:

① ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف (صحیح بخاری: ۳۳۷۲ وصحیح مسلم: ۱۵۱/۳۸۲ وبعد ح: ۲۳۷۰)

② سعید بن المسیب (صحیح بخاری: ۳۳۷۲ وصحیح مسلم: ۱۵۱)

③ ابو عبید (صحیح بخاری: ۳۳۸۷ وصحیح مسلم: ۱۵۱)

④ عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج (صحیح بخاری: ۳۳۷۵ وصحیح مسلم: ۱۵۱ بعد ح: ۲۳۷۰)

اس روایت کے شواہد اور تائیدی روایات کے لئے دیکھئے تاریخ طبری (۳۰۳/۱ وسندہ حسن) ومصنف ابن ابی شیبہ (۵۲۳/۱۱۔۵۲۵ ح ۳۱۸۲۶) والاوسط للطبرانی (۳۷۵/۹ ح ۸۸۰۸) والمستدرک للحاکم (۵۶۳/۲ ح ۴۰۵۹)

معلوم ہوا کہ یہ روایت بالکل صحیح ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کی پیدائش سے پہلے یہ حدیث دنیا میں صحیح سند سے موجود تھی۔ والحمد للہ

اس کی تائید قرآن کریم میں ہے کہ لوط (علیہ السلام) نے فرمایا:

﴿قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ﴾ ''کاش میرے پاس تم سے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میں کسی طاقت ور سہارے کی پناہ لے سکتا''

(سورۃ ھود: ۸۰، تدبر قرآن ۱۳۳/۴، ۱۳۴)

تنبیہ بلیغ: تدبر قرآن کا مصنف امین احسن اصلاحی منکرینِ حدیث میں سے تھا لہٰذا اس کا ترجمہ ان منکرینِ حدیث پر حجت قاطعہ ہے۔

پرویز نے رکن کا ترجمہ ''سہارا'' کیا ہے۔ (دیکھئے لغات القرآن ۷۸۰/۲)

مشہور تابعی اور مفسرِ قرآن امام قتادہ رحمہ اللہ نے ''رکن شدید'' کی تشریح ''العشیرۃ'' خاندان، سے کی ہے۔ (تفسیر طبری ۵۲/۲۱، ۵۳ وسندہ صحیح)

مضبوط قبیلے والوں کی حمایت و مدد مانگنا شرک نہیں ہے بلکہ یہ استمداد ماتحت الاسباب ہے۔
سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ﴿مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ﴾ کون میرا مددگار ہے اللہ کی راہ میں؟ (سورۃ الصف:۱۴)

ماتحت الاسباب مدد مانگنا اور ایک دوسرے کی مدد کرنا شرک نہیں ہوتا۔ شرک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات خاصہ میں کسی کو شریک کیا جائے یا اموات سے مافوق الاسباب مدد مانگی جائے لہٰذا منکرین حدیث کی طرف سے سیدنا لوط علیہ السلام پر شرک کا الزام باطل و مردود ہے۔ والحمد للہ

منکر حدیث: "(۵) رسول اللہ ﷺ پر جادو کا اثر۔؟

(جلد دوم۔ صفحہ نمبر ۲۳۵ روایت نمبر ۵۰۰)

لیث نے کہا مجھے ہشام نے ایک خط لکھا جس میں لکھا تھا کہ میں نے اپنے والد انھوں نے عائشہؓ سے سنا اور میں نے خوب یاد رکھا کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا جس کا اثر یہ ہوا کہ آپ کو نہ کئے کام کے متعلق خیال ہوتا کہ کر چکے ہیں۔ (یہ روایت کا ایک متعلقہ حصہ درج کیا گیا ہے)

تبصرہ: کیا رسول اللہ ﷺ جادو کی مدت کے دوران وحی الٰہی پہنچاتے تھے یا نہیں۔؟ اور پہنچاتے وقت آپ کی کیفیت کیا ہوگی کہ آپ نے وحی نہ لکھوائی اور خیال کرتے ہوں گے کہ لکھوا چکا ہوں۔ شاید اسی طرح قرآن کا کچھ حصہ لکھوانے سے رہ گیا ہو جیسے کہ شیعہ کا خیال ہے اور حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی ایسی بعض روایات تحریر ہیں۔"

(۵) الجواب: نبی کریم ﷺ پر دنیاوی اُمور میں، مرض کی طرح عارضی طور پر جادو کے اثر والی روایت صحیح بخاری میں سات مقامات پر ہے۔ (۳۱۷۵، ۳۲۶۸، ۵۷۶۳، ۵۷۶۵، ۵۷۶۶، ۶۰۶۳، ۶۳۹۱)

امام بخاری رحمہ اللہ کے علاوہ درج ذیل محدثین نے روایت کیا ہے:
مسلم بن الحجاج النیسابوری (صحیح مسلم: ۲۱۸۹ و ترقیم دارالسلام: ۵۷۰۳، ۵۷۰۴) ابن ماجہ (السنن: ۳۵۴۵) النسائی (الکبریٰ: ۷۶۱۵ دوسرا نسخہ: ۷۵۶۹) ابن حبان (فی صحیحہ: الاحسان ح ۶۵۴۹، ۶۵۵۰ دوسرا نسخہ: ۶۵۸۳، ۶۵۸۴) ابوعوانہ (فی الطب/اتحاف المہرۃ ۱۷/۳۱۹ ح ۲۲۳۱۶) الطحاوی (مشکل الآثار/تحفۃ الاخیار ۶/۱۰۹ ح ۴۷۸۸) الطبرانی

(الاوسط : ۵۹۲۲) البیہقی (السنن الکبریٰ ۸/ ۱۳۵، دلائل النبوۃ ۶/ ۲۴۷) ابن سعد (الطبقات ۲/ ۱۹۶) ابن جریر الطبری (فی تفسیرہ ۱/ ۳۶۶، ۳۶۷)البغوی (شرح السنۃ ۱۲/ ۱۸۵، ۱۸۶ ح ۳۲۶۰ وقال: ھذا حدیث متفق علیٰ صحتہ)

امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے اسے درج ذیل محدثین نے بھی روایت کیا ہے:

احمد بن حنبل (المسند ۶/ ۵۰، ۵۷، ۶۳، ۹۶)الحمیدی (۲۶۰ بتحقیقی)ابن ابی شیبہ (المصنف ۷/ ۳۸۸، ۳۸۹ ح ۲۳۵۰۹)اسحاق بن راہویہ (المسند قلمی ص ۸۶ ا، ح ۷۴۷)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت مشہور ثقہ امام و تابعی عروہ بن زبیر نے بیان کی ہے۔عروہ سے ان کے صاحب زادے ہشام بن عروہ (ثقہ امام) نے یہ روایت بیان کی ہے۔

فائدہ ①: ہشام بن عروہ نے سماع کی تصریح کردی ہے۔(صحیح بخاری:۳۱۷۵)

فائدہ ② : ہشام سے یہ روایت انس بن عیاض المدنی (صحیح بخاری: ۲۶۹۱) اور عبدالرحمٰن بن ابی الزناد المدنی (صحیح بخاری: ۵۷۶۳،تفسیر طبری ۱/ ۳۶۶، ۳۶۷ وسندہ حسن)وغیرہما نے بھی بیان کی ہے۔والحمدللہ

اس روایت کی تائید کے لئے دیکھئے مصنف عبدالرزاق (۱۹۷۶۴) وصحیح بخاری (قبل ح ۳۱۷۵) وطبقات ابن سعد (۲/ ۱۹۹ عن الزہری وسندہ صحیح) والسنن الصغریٰ للنسائی (۷/ ۱۱۲ ح ۴۰۸۵)ومسند احمد (۴/ ۳۶۷)ومسند عبد بن حمید (۲۷۱)ومصنف ابن ابی شیبہ (۷/ ۳۸۸ ح ۲۳۵۰۸)وکتاب المعرفۃ والتاریخ للامام یعقوب بن سفیان الفارسی (۳/ ۲۸۹، ۲۹۰)والمستدرک (۴/ ۳۶۰، ۳۶۱)ومجمع الزوائد (۶/ ۲۸۹، ۲۹۰)

معلوم ہوا کہ منکرین حدیث کا اس حدیث پر حملہ دراصل تمام محدثین پر حملہ ہے۔

تنبیہ ①: قرآن مجید سے ثابت ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام ان رسیوں کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے تھے جنھیں جادوگروں نے پھینکا تھا۔جادوگروں نے ایسا جادو چلایا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام یہ سمجھے کہ یہ (رسیاں سانپ بن کر) دوڑ رہی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿یُخَیَّلُ اِلَیْہِ مِنْ سِحْرِ ھِمْ اَنَّھَا تَسْعٰی﴾ان کے جادو(کے

زور) سے موسیٰ کو یوں خیال ہوتا تھا کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔ (آسان لفظی ترجمہ ص ۵۰۳، طٰہٰ: ٦٦)
معلوم ہوا کہ جادو کا عارضی اثر خیال پر ہوسکتا ہے لہٰذا آپ ﷺ کا یہ خیال کرنا کہ میں نے یہ (دنیا کا) کام کرلیا ہے، قطعاً قرآن کے خلاف نہیں ہے۔

منکرین حدیث کو چاہئے کہ وہ ایسی قرآنی آیت پیش کریں جس سے صاف ثابت ہوتا ہو کہ دنیاوی امور میں نبی کے خیال پر جادو کا اثر نہیں ہوسکتا۔ جب ایسی کوئی آیت ان کے پاس نہیں اور سورت طٰہٰ کی آیت مذکورہ ان لوگوں کی تردید کررہی ہے تو ان لوگوں کو چاہئے کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم اور امت مسلمہ کی متفقہ صحیح احادیث پر حملہ کرنے سے باز رہیں۔

تنبیہ ②: روایت مذکورہ میں جادو کی مدت کے دوران میں دینی امور اور وحی الٰہی کے سلسلے میں جادو کا کوئی اثر نہیں ہوا اور نہ قرآن کا کچھ حصہ لکھوانے سے رہ گیا ہے۔ بلکہ اس جادو کا اثر صرف دنیا کے معاملات پر ہوا تھا، مثلاً آپ اپنی فلاں زوجہ محترمہ کے پاس تشریف لے گئے یا نہیں؟ لہٰذا دین اسلام قرآن وحدیث کی صورت میں من وعن محفوظ ہے۔ والحمدللہ

منکر حدیث: "(٦) کیا بندروں کی بھی شریعت ہوتی ہے؟

(جلد دوم۔ صفحہ نمبر ۴۴۷۔ روایت نمبر ۱۰۲۹)

عمر بن میمون سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بندر کو جس نے زنا کیا تھا دیکھا کہ بہت سے بندر اس کے پاس جمع ہوگئے اور ان سب نے اسے سنگسار کردیا میں نے بھی ان سب کے ساتھ اسے سنگسار کردیا۔ (روایت ختم)

تبصرہ: ۱۔ کیا یہ روایت وحی ہے شاید زانی کو سنگسار کرنے کی دلیل یہی روایت ہو البتہ سنا جاتا ہے کہ سنگسار کی آیت پہلے موجود تھی اب قرآن میں موجود نہیں ہے البتہ اس کا حکم باقی ہے۔

۲۔ کیا بندروں کی بھی شریعت ہوتی ہے؟ کیا ان کے بھی نکاح ہوتے ہیں اگر ان میں نکاح ہوتے ہیں تو زنا بھی ہوسکتا ہے اگر نکاح نہیں تو زنا کیسا؟ اور راوی کو یہ باتیں کس علم سے معلوم ہوئیں کیا وہ بندروں کی زبان جانتے تھے۔ راوی کا یہ بیان ہے کہ اس نے بھی بندروں کے ساتھ مل کر زانی بندر کو سنگسار کیا۔ جناب یہ راوی نے بہت بڑا جرم اور بندر بے چارے پر زیادتی کی ہے۔ احکام باری تعالیٰ کسی بھی جاندار پر ناحق ظلم سے بچنے کی ترغیب دیتے ہیں اب راوی نے جو بندر کو سنگسار کیا تو کیا اس نے کوئی جرم کیا تھا یا تو دنیا کی کسی بھی شریعت میں بندروں کے باہمی ملاپ کو جرم زنا ثابت کریں ورنہ میں پھر کہوں گا کہ راوی نے یہ زیادتی کی ہے اس روایت کو بھی سنگسار کیا جائے۔"

(٦) الجواب: امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حدثنا نعیم بن حماد: حدثنا هشيم عن حصين عن عمرو بن ميمون قال: رأيت في الجاهلية قردةً اجتمع عليها قردة قدزنت، فرجموها فرجمتها معهم''

ہمیں نعیم بن حماد نے حدیث بیان کی (کہا): ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، وہ حصین سے وہ عمرو بن میمون (تابعی) سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے جاہلیت (کے زمانے) میں ایک بندریا دیکھی جس نے زنا کیا تھا، اس پر بندر اکٹھے ہوئے، پس انھوں نے اسے رجم کیا اور میں نے ان کے ساتھ مل کر اسے رجم کیا۔ (صحیح البخاری: ۳۸۴۹)

اس روایت کی سند کے سارے راوی ثقہ وصدوق ہیں۔ نعیم بن حماد کو جمہور محدثین نے ثقہ وصدوق کہا ہے۔ ہشیم کی حصین بن عبدالرحمٰن سے روایت سماع پر محمول ہوتی ہے کیونکہ وہ حصین سے تدلیس نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے شرح علل الترمذی لابن رجب (۵٦٢/۲) ہشیم کی متابعت کے لئے دیکھئے تاریخ دمشق لابن عساکر (۲۹۲/۴۹)

عمرو بن میمون مشہور تابعی اور ''ثقہ عابد'' تھے۔ (دیکھئے التقریب: ۵۱۲۲)

عمرو بن میمون سے یہ روایت عیسیٰ بن حطان نے مفصل بیان کر رکھی ہے۔

(تاریخ ابن عساکر ۲۹۲/۴۹، ۲۹۳)

صحیح بخاری اور تاریخ دمشق کے علاوہ یہ روایت درج ذیل کتابوں میں بھی ہے:

التاریخ الکبیر للبخاری (٦/٣٦٧) مستخرج الاسماعیلی اور مستخرج ابی نعیم الاصبہانی (دیکھئے فتح الباری ۷/۱۶۰، ۱۶۱) التاریخ الکبیر للامام ابن ابی خیثمۃ (ص ۵٦۹)

تابعی کی یہ روایت نہ قولِ رسول ہے اور نہ قولِ صحابی ہے بلکہ صرف تابعی کا قول ہے۔ اب اس قول میں بندروں سے کیا مراد ہے؟ حافظ ابن عبدالبر کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بندر جن تھے۔ دیکھئے فتح الباری (۱۶۰/۷)

جنوں کا وجود قرآن مجید سے ثابت ہے دیکھئے سورۃ الاحقاف (آیت: ۲۹) وغیرہ، کیا

منکرینِ حدیث اور منکرین سزائے رجم کو اس بات پر اعتراض ہے کہ جنوں نے زنا کرنے والی جنی (مادہ جن) کو کیوں رجم کر دیا تھا؟ تو کیا جن مکلّف مخلوق نہیں ہیں؟

تنبیہ ①: شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا صحیح ومتواتر احادیث سے ثابت ہے مثلاً دیکھئے صحیح بخاری (۶۸۱۴) وصحیح مسلم (۱۷۰۲) اور نظم المتناثر من الحدیث المتواتر (ص ۱۷۴ حدیث: ۱۸۲)

تنبیہ ②: جنوں کا جانوروں کی شکل اختیار کرنا صحیح احادیث سے ثابت ہے مثلاً دیکھئے صحیح مسلم (ح ۲۲۳۶ وترقیم دارالسلام: ۵۸۳۹) وموطأ امام مالک (۲/۹۷۶، ۹۷۷ ح ۱۸۹۴)

تنبیہ ③: بندر کی شکل اختیار کئے ہوئے زانی جن کی حمایت میں یہ کہنا کہ ”بندر بے چارے پر زیادتی کی ہے“ تو ایسے شخص کو زنا کرنے والے جنوں (اور زانی انسانوں) کے حامی کے سوا اور کیا نام دیا جا سکتا ہے؟ منکرین حدیث کو یہ ثابت کرنا چاہئے کہ ان کے نزدیک جنوں کے لئے زنا کرنا معاف ہے!!

منکر حدیث: ”(۷) فاتوا حرثکم انّٰی شئتم کی تفسیر

(جلد دوم۔ صفحہ نمبر ۷۳۱ روایت نمبر ۱۶۴۱)

دوسری سند عبدالصمد۔ عبدالوارث۔ ایوب۔ نافع سے وہ ابن عمرؓ سے بیان کرتے ہیں کہ فاتوا حرثکم انّٰی شئتم سے مطلب یہ ہے کہ مرد عورت سے جماع کرے بعض لوگ اغلام کرتے تھے چنانچہ اس آیت سے اس فعل سے روکا گیا ہے۔ لمبی حدیث ہے یحیٰ قطان۔ عبداللہ۔ نافع ابن عمر سے روایت کرتے ہیں۔

تبصرہ: اغلام کرنے والے کون تھے صحابہ یا کوئی اور۔ مدنی دور تک یہ فعل چلتا رہا......... انی شئتم سے مراد جس وقت جب دل چاہے بھی ہو سکتا ہے نہ کہ جس طرف سے یا جہاں سے“

(۷) الجواب: صحیح بخاری میں لکھا ہوا ہے:

”حدثني إسحاق: أخبرنا النضر بن شميل: أخبرنا ابن عون عن نافع قال: كان ابن عمر رضي الله عنهما إذا قرأ القرآن لم يتكلم حتى يفرغ منه، فأخذت عليه يومًا فقرأ سورة البقرة حتى انتهى إلى مكان قال: تدري فيما

أنزلت؟ قلت: لا، قال: أنزلت في كذا وكذا ثم مضى۔

وعن عبدالصمد: حدثني أبي: حدثني أيوب عن نافع عن ابن عمر ﴿فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾

قال: يأتيها في۔ رواه محمد بن يحيٰى بن سعيد عن أبيه عن عبيد الله عن نافع عن ابن عمر۔"

ہمیں اسحاق (بن راہویہ) نے حدیث بیان کی: ہمیں نضر بن شمیل نے خبر دی: ہمیں (عبداللہ) ابن عون نے خبر دی وہ نافع سے بیان کرتے ہیں، کہا: ابن عمر رضی اللہ عنہما جب قرآن پڑھتے تو (قراءت سے) فارغ ہونے تک کوئی کلام نہ کرتے۔ ایک دن میں نے ان کے سامنے (قرآن مجید) لیا تو آپ نے سورۃ البقرہ پڑھی، جب آپ ایک مقام پر پہنچے تو فرمایا: تجھے پتا ہے یہ کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے؟ میں نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: یہ اس اس کے بارے میں نازل ہوئی ہے، پھر آپ نے (تلاوت) شروع کر دی۔

عبدالصمد (بن عبدالوارث) سے روایت ہے: مجھے میرے ابا (عبدالوارث) نے حدیث بیان کی: (انھوں نے کہا:) مجھے ایوب (سختیانی) نے حدیث بیان کی وہ نافع سے اور وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے ﴿فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ اپنی کھیتی کو آؤ جس طرح چاہو (البقرۃ: ۲۲۳) کی تشریح میں فرمایا: --- میں آئے۔

اسے محمد بن یحییٰ بن سعید (القطان) نے اپنے والد سے، انھوں نے عبیداللہ (بن عمر) سے انھوں نے نافع سے اور انھوں نے ابن عمر سے روایت کیا ہے۔" (صحیح بخاری: ۴۵۲۶، ۴۵۲۷)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس روایت میں "بعض لوگ اغلام کرتے تھے" کے الفاظ سرے سے موجود ہی نہیں ہیں لہٰذا منکرِ حدیث نے صحیح بخاری پر جھوٹ بولا ہے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بیوی سے بچہ پیدا ہونے والی جگہ میں جماع کرنا چاہیے دیکھئے صحیح بخاری مترجم (ترجمہ وتشریح محمد داود راز ۶/ ۱۰۰ مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ لاہور) والسنن الکبریٰ للنسائی (۸۹۷۸ وسندہ حسن، دوسرا نسخہ: ۸۹۲۹) لہٰذا اس

قول سے لواطت کا جواز ثابت کرنا بہت بڑا جھوٹ اور بہتان ہے۔

منکر حدیث: ''(۸) کیا چوہے قوم بنی اسرائیل کا گمشدہ گروہ ہیں۔

(جلد دوم صفحہ نمبر ۲۴۶ روایت نمبر ۵۳۴)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کا ایک گروہ گم ہو گیا معلوم نہیں کیا ہوا۔ میرا خیال ہے کہ یہ چوہے (مسخ شدہ صورت میں) وہی گم ہوا گروہ ہے یہی وجہ ہے کہ جب ان کے سامنے اونٹ کا دودھ رکھا جاتا ہے تو نہیں پیتے اور جب بکری وغیرہ کا دودھ رکھا جائے تو پی لیتے ہیں پھر میں نے کعب سے یہ حدیث بیان کی تو انھوں نے کہا تم نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ میں نے کہا ہاں انھوں نے کئی مرتبہ مجھ سے یہی کہا تو میں نے کہا اور کیا، میں تورات پڑھا ہوا ہوں۔

تبصرہ: مسخ شدہ اقوام کے تین دن سے زیادہ زندہ نہ رہنے کی وحی آنے سے پہلے یہ حدیث ہے۔

مندرجہ بالا روایت آپؐ کا ذاتی خیال ہے یا وحی ہے خط کشیدہ الفاظ پر غور کریں.... پھر روایت کا متن دیکھیں کیا آپؐ یہ بھی نہ جانتے تھے کہ دو ہزار سال بعد بھی بنی اسرائیل جن کی شکلیں مسخ کی گئی تھیں زندہ ہیں نبیؐ کے علم کا یہ تصور (معاذ اللہ)''

(۸) الجواب: یہ روایت صحیح بخاری (۳۳۰۵) کے علاوہ درج ذیل کتابوں میں موجود ہے: صحیح مسلم (۲۹۹۷ وترقیم دارالسلام: ۷۴۹۶، ۷۴۹۷) صحیح ابن حبان (الاحسان ۵۲/۸ ح ۶۲۲۵ دوسرا نسخہ: ۶۲۵۸) الرقاق لابی عوانہ (اتحاف المهرة ۵۵۵/۱۵ ح ۱۹۸۷۲) مسند ابی یعلیٰ (۴۲۰/۱۰ ح ۶۰۳۱) شرح السنۃ للبغوی (۲۰۰/۱۲ ح ۳۲۷۱ وقال: ''هذا حديث متفق على صحته'') مشکل الآثار للطحاوی (۳۳۹/۸ ح ۶۰۰۸)

اسے امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

(المسند ۲/۲۳۴، ۲۷۹، ۲۸۹، ۴۱۱، ۴۹۷، ۵۰۷)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مشہور تابعی محمد بن سیرین نے بیان کی ہے۔ اس کی دوسری سند ''عن أبي سلمة عن أبي هريرة '' کے لئے دیکھئے مشکل الآثار (طبعہ جدیدہ، تحفۃ الاخیار: ۶۰۰۹)

معلوم ہوا کہ یہ روایت اصولِ حدیث کی رو سے بالکل صحیح ہے۔ اسے محدثینِ کرام

نے بغیر کسی اختلاف کے صحیح قرار دیا ہے۔

یہ حدیث دوسری صحیح حدیث کی وجہ سے منسوخ ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إن اللّٰه عزوجل لم یهلك قومًا أو یعذب قومًا فیجعل لهم نسلاً '' بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو ہلاک کرتا ہے تو پھر ان کی نسل باقی نہیں رکھتا (صحیح مسلم: ۲۶۶۳ وترقیم دارالسلام: ۶۷۷۲) نیز دیکھئے فتح الباری (۱۶۰/۷) ومشکل الآثار (۳۳۹/۸، ۳۴۱، ۳۸۱/۶) منسوخ روایت کو پیش کر کے صحیح احادیث کا مذاق اڑانا ان لوگوں کا ہی کام ہے جو قرآن کو ''بلا رسول'' سمجھنے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔!

منکر حدیث: ''(۹) گوشت کے سڑنے اور عورتوں کے خائن ہونے کی وجہ

(جلد دوم۔ صفحہ ۲۵۳۔ روایت نمبر ۵۵۷)

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت کبھی نہ سڑتا اور اگر حوا نہ ہوتی تو کوئی عورت اپنے شوہر سے خیانت نہ کرتی۔ (روایت ختم ہوئی)

تبصرہ: اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت کبھی نہ سڑتا۔ جب کہ تجربہ اس بات پر شاہد ہے کہ گوشت کے گلنے سڑنے کی وجہ قوم بنی اسرائیل نہیں بلکہ جراثیم ہیں۔ گوشت کا گلنا سڑنا تو ایک کائناتی نظام ہے اور وجود اقوام عالم اس کائناتی نظام میں تغیر کا باعث نہیں بنتا۔

اگر گوشت آجکل گل سڑ جاتا ہے تو بنی اسرائیل سے پہلے بھی یہ نظام کائنات ایسے ہی چلتا رہا ہوگا وگرنہ مشرکوں کو اپنے گئے گذرے بزرگوں کے بت بنا کر پوجنے کی کیوں ضرورت پیش آئی جب اجسام گلتے سڑتے نہیں تھے تو وہ ان کی مردہ لاشوں کو ہی نکال کر اپنے بت کدوں میں سجا لیتے ان کے بت بنانے کی کیا ضرورت تھی۔

اور قرآن مجید میں تو صاف اور واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا اور دوبارہ اسے مٹی میں ہی لوٹا دیتا ہے اور پھر بروز قیامت اسے مٹی سے ہی نکال کھڑا کرے گا۔ اور جس طریقے سے انسان کی مردہ لاش گل سڑ کر مٹی ہوتی ہے اس سے بھی آپ واقف ہیں۔

تو اب فرمایئے کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بذریعہ وحی تھا نعوذ باللہ کیا اللہ تعالیٰ خالق کائنات کو بھی گوشت کے سڑنے کی وجوہات معلوم نہ تھیں اور کیا سب عورتیں اسی وجہ سے خاوندوں کی خیانتیں کرتی ہیں جو وجہ مندرجہ بالا حدیث میں موجود ہے۔

کیا دونوں معاملات کی وجوہات اللہ تعالیٰ کی وحی فرمودہ ہے؟

﴿كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ﴾ (مدثر: ۳۸)

ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے رہن ہے۔ کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ تو کسی بھی شخصیت کا وجود یا اس کے ہاتھوں کسی قسم کے جرم کا ارتکاب آنے والی نسل کے پاؤں کی زنجیر کیونکر بن سکتا ہے۔ کسی شخصیت کے وجود کو کائناتی برائیوں کی جڑ سمجھنا خلاف قرآن ہے فکر قرآن تو برے اعمال کو منحوس قرار دیتا ہے کسی شخصیت کے وجود کو نہیں (یٰس ؔ)"

(۹) الجواب: یہ روایت صحیح بخاری میں دو مقامات پر ہے(۳۳۹۹ من طریق عبدالرزاق، ۳۳۳۰ من طریق عبداللہ بن المبارک، **کلا ھما عن معمر عن ھمام عن أبي ھریرۃ به**) صحیح بخاری کے علاوہ یہ روایت درج ذیل کتابوں میں موجود ہے:

صحیح مسلم (۶۳/۱۴۶۸ وترقیم دارالسلام: ۳۶۴۸) صحیح ابن حبان (الاحسان ۴۱۵۷، نسخہ محققہ: ۴۱۶۹) شرح السنۃ للبغوی (۱۶۴/۹ ح ۲۳۳۵ وقال: "ھذا حدیث متفق علیٰ صحتہ")

المستخرج علیٰ صحیح مسلم لابی نعیم الاصبہانی (۱۴۳/۴ ح ۳۴۵۰)

امام بخاری سے پہلے اسے درج ذیل محدثین نے روایت کیا ہے:

ہمام بن منبہ (الصحیفۃ: ۵۸) احمد بن حنبل (المسند ۳۱۵/۲ ح ۸۱۵۵)

ہمام بن منبہ بالاجماع ثقہ ہیں لہٰذا یہ روایت بلحاظ اصول حدیث بالکل صحیح ہے۔ اس کے دوسرے شواہد کے لئے دیکھئے مسند اسحاق بن راہویہ (۱۱۷) ومسند احمد (۳۰۴/۲) وحلیۃ الاولیاء (۳۸۹/۸) اور مستدرک الحاکم (۱۷۵/۴)

منکر حدیث نے اس حدیث کو رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "جب کہ تجربہ اس بات پر شاہد ہے کہ گوشت سڑنے کی وجہ قوم بنی اسرائیل نہیں بلکہ جراثیم ہیں....."

عرض ہے کہ کیا ان جراثیم کی وجہ سے خود بخود گوشت خراب ہو جاتا ہے یا اس کے خراب ہونے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے اور یہ جراثیم اسی کے پیدا کردہ ہیں؟

نام نہاد تجربے کی وجہ سے صحیح حدیث کا رد کرنا انھی لوگوں کا کام ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رسول کا کام صرف قرآن پہنچانا تھا، اس نے پہنچا دیا۔ اب قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے منکرین حدیث کے نزدیک رسول کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔!!

منکرین حدیث سے درخواست ہے کہ اس صحیح حدیث کو رد کرنے کے لئے قرآن مجید

کی وہ آیت پیش کریں جس میں یہ لکھا ہوا ہو کہ بنی اسرائیل کے وجود سے پہلے بھی دنیا میں گوشت گل سڑ جاتا تھا۔ اگر قرآن سے دلیل پیش نہ کرسکیں تو پھر ایسی مشین ایجاد کریں جس کے ذریعے سے وہ لوگوں کو زمانۂ بنی اسرائیل سے پہلے والے دور میں لے جاکر دکھادیں کہ دیکھو یہ گوشت گل سڑ رہا ہے۔ اور اگر ایسا نہ کرسکیں تو پھر سوچ لیں کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان رد کرنے والوں کا کیا انجام ہوگا؟

تنبیہ: بعض علماء نے اس حدیث کی کئی تشریحات لکھی ہیں مثلاً دیکھئے ''مشـــکـــلات الأحادیث النبویة وبیانها'' (ص ۱۱) لیکن ظاہر الفاظِ کتاب وسنت پر ایمان لانے میں ہی نجات ہے۔ اِلا یہ کہ کوئی صحیح دلیل قرینہ صارفہ بن کر ظاہر کو مجاز کی طرف پھیر دے۔ والحمدللہ

منکر حدیث: ''(۱۰) نحوست تین چیزوں میں ہے؟

(جلد دوم صفحہ نمبر ۱۸روایت نمبر ۱۲۲)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ نحوست صرف تین چیزوں میں ہے۔ گھوڑے میں، عورت میں اور گھر میں۔

(روایت نمبر ۱۲۳) سہل بن سعد ساعدی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اگر نحوست کسی چیز میں ہوتی تو عورت میں ہوتی، مکان میں ہوتی۔ گھوڑے میں ہوتی۔

تبصرہ: مذکورہ بالا روایات ۱۲۲، ۱۲۳ اپنا تبصرہ آپ ہیں۔ ایک روایت میں تین چیزوں میں نحوست بیان کی گئی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو بالحق پیدا کیا ہے منحوس اور باطل پیدا نہیں کیا۔ انسان کا کردار تو منحوس ہوسکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی کسی بھی مخلوق کی تخلیق میں نحوست نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق کے نتائج خیر پر مبنی ہوتے ہیں۔

دوسری روایت میں مشروط نفی ہے کہ اگر نحوست ہوتی تو ان تین چیزوں میں ہوتی۔ ایک ہی صفحہ پر ایسی متضاد روایات کی مثال کہیں ملنا ناممکن ہے اور پھر ان دونوں روایات کو وحی کہہ کر نبی ﷺ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔''

(۱۰) الجواب: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ یہ روایت صحیح بخاری میں چار مقامات پر ہے۔ (۲۸۵۸، ۵۰۹۳، ۵۷۵۳، ۵۷۷۲)

صحیح بخاری کے علاوہ یہ روایت درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

صحیح مسلم (۲۲۲۵ ترقیم دارالسلام: ۵۸۰۴، ۵۸۰۵) التوکل للامام ابن خزیمہ (اتحاف المہرة

۸/۷ ۳۰ ح ۹۴۳۴) وسنن ابي داود (۳۹۲۲) وسنن الترمذي (۲۸۲۴ وقال: هذا حديث صحيح) وسنن النسائي (۶/ ۲۲۰ ح ۳۵۹۸، ۳۵۹۹) وسنن ابن ماجه (1995) وشرح معاني الآثار للطحاوي (۴/ ۳۱۳) ومشكل الآثار له (تحفة الاخيار ۱/ ۲۱۸ ح ۲۰۵) وشرح السنة للبغوي (۹/ ۱۳ ح ۲۲۴۴ وقال: "هذا حديث متفق على صحته") مسند ابي يعلىٰ (۵۴۳۳، ۵۴۹۰، ۵۵۳۵)

امام بخاری سے پہلے درج ذیل محدثین نے اسے روایت کیا ہے:

امام مالک (الموطا ۲/ ۹۷۲ ح ۱۸۸۳، التمهيد ۹/ ۲۷۸) عبدالرزاق (المصنف ۱۰/ ۴۱۱ ح ۱۹۵۲۷) ابوداود الطیالسی (۱۸۲۱) ابوبکر الحمیدی (۶۲۱) اور احمد بن حنبل (۲/ ۸ ح ۴۵۴۴ و ۲/ ۵۲، ۱۱۵، ۱۲۶، ۱۳۶)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اسے درج ذیل جلیل القدر تابعین نے بیان کیا ہے:

① سالم بن عبداللہ بن عمر ② حمزہ بن عبداللہ بن عمر

معلوم ہوا کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے، اسے شاذ یا معلول قرار دینا غلط ہے لیکن یہ حدیث دوسری روایات کی وجہ سے منسوخ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إن كان الشؤم في شيء ففي الدار والمرأة والفرس" اگر بدشگونی کسی چیز میں ہوتی تو گھر، عورت اور گھوڑے میں ہوتی۔

(صحیح بخاری: ۵۰۹۴ وصحیح مسلم: ۲۲۲۵، دارالسلام: ۵۸۰۷، ۵۸۰۹ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما)

یہ روایت اس مفہوم کے ساتھ درج ذیل صحابہ سے بھی موجود ہے:

① سہل بن سعد الساعدی (صحیح بخاری: ۲۸۵۹، ۵۰۹۵ وصحیح مسلم: ۲۲۲۶، دارالسلام: ۵۸۱۰)

② جابر بن عبداللہ الانصاری (صحیح مسلم: ۲۲۲۷، دارالسلام: ۵۸۱۲)

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت باصول محدثین بالکل صحیح ہے لیکن دوسری روایات کی وجہ سے منسوخ ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ دنیا میں جھگڑے فساد کی جڑ عام طور پر یہی تین چیزیں ہیں۔ عورت، گھر (زمین) اور گھوڑا (یعنی فوجیں)۔ واللہ اعلم

نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ" لا طیرۃ "کوئی نحوست اور بدشگونی نہیں ہے۔

(صحیح بخاری:۵۷۵۴ و صحیح مسلم:۲۲۲۳ عن سیدنا ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

نیز دیکھئے فتح الباری (۶/۶۰۔۶۳ تحت ح ۲۸۵۸، ۲۸۵۹) والحمد للہ

منکر حدیث: "(۱۱) صحابہ رضی اللہ عنہم کی کردار کشی

(جلد اول۔صفحہ نمبر ۸۲۰ روایت نمبر ۲۲۱۱)

حسین ابن علی علی بن ابی طالب سے روایت کرتے ہیں کہ

نے بیان کیا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدر کے دن ایک اونٹنی ملی اور پھر رسول اللہ ﷺ نے ایک اونٹنی اور دی ان دونوں کو ایک دن میں نے ایک انصاری کے دروازے پر بٹھایا اور میں ارادہ کر رہا تھا کہ ان دونوں پر اذخر لاد کر لے جاؤں تا کہ بیچوں اور میرے ساتھ بنی قینقاع کا ایک سنار تھا اس سے فاطمہؓ کے ولیمہ کی دعوت میں مدد لوں حمزہؓ بن عبدالمطلب اسی گھر میں شراب پی رہے تھے ان کے ساتھ ایک گانے والی تھی الایا حمزۃ بشرف النواء۔ اے حمزہ آ گا رہو فربہ اونٹنیاں لے لو۔ حمزہ ان دونوں اونٹنیوں کی طرف تلوار لے کر جھپٹ پڑے ان کے کوہان کاٹ ڈالے اور کولہے کاٹ ڈالے پھر ان دونوں کی کلیجیاں کاٹ ڈالیں میں نے ابن شہاب سے پوچھا کوہان کیا ہوا کہا کوہان کاٹ کر لے گئے ابن شہاب کا بیان ہے کہ علیؓ نے کہا کہ میں نے ایسا منظر دیکھا جس نے مجھے دہشت زدہ کر دیا۔ میں (یعنی علیؓ) نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ کے پاس زیدؓ بن حارثہ بھی تھے۔ میں نے آپ سے واقعہ بیان کیا تو آپ چلے اور آپ کے ساتھ زیدؓ بھی چلے میں بھی آپ کے ساتھ روانہ ہوا۔ آپ حمزہؓ کے پاس پہنچے اور بہت غصہ ہوئے حمزہؓ نے نگاہ اٹھائی اور کہا کیا تم میرے باپ دادوں کے غلام ہو؟ رسول اللہ ﷺ الٹے پاؤں واپس ہو گئے اور ان کے پاس سے چلے گئے (یہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے)

تبصرہ: کیا غیر محرم کے ساتھ گانا بھی مباح تھا اس کے علاوہ دوسری روایت اسی مضمون کی جو بخاری جلد دوم صفحہ ۵۱۵ روایت نمبر ۱۱۸۰ جس میں یاروں کی مجلس کا بھی ذکر ہے۔ علیؓ کی اجازت کے بغیر ان کی دو اونٹنیوں کا جھٹکا کر دیا۔

صحابہؓ کا یہ کردار خلاف قرآن سمجھا جائے گا لہٰذا یہ حقیقت کی بجائے صحابہ پر بہتان ہوگا۔"

(۱۱) الجواب: یہ روایت صحیح بخاری میں پانچ مقامات پر موجود ہے۔

(۲۰۸۹، ۲۳۷۵، ۳۰۹۱، ۴۰۰۳، ۵۷۹۳ مختصراً و مطولاً)

صحیح بخاری کے علاوہ یہ روایت درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

صحیح مسلم (۱۹۷۹ و ترقیم دارالسلام: ۵۱۲۷۔۵۱۳۰) صحیح ابن حبان (الاحسان ۳۴/۷ ح ۴۵۱۹ دوسرا نسخہ: ۴۵۳۶) صحیح ابی عوانہ (۲۴۸/۵، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲) و سنن ابی داود

(۲۹۸۶) والسنن الکبریٰ للبیہقی (۶/ ۱۵۳، ۳۴۱، ۳۴۲) ومسند ابی یعلیٰ (۵۴۷)

امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے یہ حدیث امام احمد رحمہ اللہ نے بیان کی ہے۔

دیکھئے مسند احمد بن حنبل (۱/ ۱۴۲ ح ۱۲۰۰)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ روایت صحیح ثابت اور مشہور ہے۔ اس سلسلے میں چند اہم معلومات درج ذیل ہیں:

① یہ واقعہ غزوۂ احد (۳ھ) سے پہلے اور غزوۂ بدر (۲ھ) کے بعد کا ہے۔

② شراب (خمر) کی حرمت کا حکم ۶ھ یا ۷ھ میں نازل ہوا۔ اس سے پہلے شراب حرام نہیں ہوئی تھی۔

③ اس حدیث میں ذکر کردہ دور میں گانے والی لونڈیوں کا گانا حرام نہیں ہوا تھا۔ یاد رہے کہ اس روایت میں موسیقی کے آلات کا ذکر نہیں بلکہ صرف لونڈی کا (آواز سے) گانا مذکور ہے۔ گانے بجانے کی حرمت دوسری احادیث سے ثابت ہوتی ہے۔ (مثلاً دیکھئے صحیح بخاری: ۵۵۹۰) لہٰذا اس روایت سے گانے بجانے کے جواز پر استدلال کرنا منسوخ ہے۔

④ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زنا کا صدور بھی ثابت ہے۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۶۸۲۰ و صحیح مسلم: ۱۶۹۱)

⑤ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بخشے ہوئے اور جنتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اطلع اللّٰہ علی أهل بدر فقال: اعملوا ماشئتم ، فقد غفرت لکم))

بدری صحابیوں کے سامنے اللہ ظاہر ہوا اور فرمایا: جو چاہو کرو، میں نے تمھیں بخش دیا ہے۔

(مسند احمد ۲/ ۲۹۵ ح ۷۹۴۰ وسندہ حسن)

سیدنا امیر حمزہ البدری رضی اللہ عنہ کا یہ عمل نشے کی وجہ سے تھا، انھیں اللہ نے بخش دیا اور جنت الفردوس میں داخل کر دیا ہے لہٰذا منکرینِ حدیث کا یہ کہنا کہ ''صحابہ کا یہ کردار خلاف قرآن سمجھا جائے گا'' مردود ہے کیونکہ یہ واقعہ حرمتِ خمر سے پہلے کا ہے۔

منکر حدیث: ''(۱۲) کیا وحی خیالِ مشکوک کا نام ہے۔

(جلد دوم صفحہ ۲۶۳ روایت نمبر ۵۷۳)

ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا اے آدمؑ۔ وہ عرض کریں گے میں حاضر ہوں اور باریابی میں ہوں اور ہر بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا دوزخ میں جانے والا لشکر نکالو وہ عرض کریں گے دوزخ کا کتنا لشکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا فی ہزار نوسوننانوے دوزخ میں اور ایک جنت میں جائے گا پس وہ ایسا وقت ہوگا کہ خوف کے مارے بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا اور تم کو لوگ نشہ کی سی حالت میں نظر آئیں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب سخت ہوگا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے جنت میں جانیوالا فی ہزار ایک کون ہوگا آپؐ نے فرمایا: خوش ہو جاؤ کیونکہ تم میں ایک آدمی ہوگا اور یاجوج ماجوج میں سے ایک ہزار۔ پھر آپؐ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے مجھے امید ہے کہ تم جنت کا چوتھائی حصہ ہو گے تو ہم لوگوں نے تکبیر پڑھی پھر آپ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا ایک تہائی حصہ ہو گے ہم نے پھر تکبیر کہی تو آپؐ نے فرمایا تم اہل جنت کا نصف ہو گے یعنی تم نصف اور نصف دوسرے لوگ ہوں گے ہم نے پھر اللہ اکبر کہا آپؐ نے فرمایا تم تو اور لوگوں کے مقابلے میں ایسے ہو جیسے سیاہ بال سفید بیل کے جسم پر یا سفید بال سیاہ بیل کے جسم پر۔ (روایت ختم)

تبصرہ: خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں کیا وحی ایسے ہی الفاظ میں نازل ہوتی ہے یعنی مجھے امید ہے یا یہ کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ بھی حتمی طور پر ایک بات نہیں بتلاتا۔ کیا وحی خیال مشکوک کا نام ہوتا ہے۔

نوٹ: بخاری میں دوسرے مقام پر یعنی کتاب التفسیر میں بھی اسی مضمون کی روایت ہے زیر تفسیر آیت وتری الناس سکٰری روایت نمبر ۱۸۵۲۔ ۱۸۵۵/۲ جلد دوم"

(۱۲) الجواب: یہ حدیث صحیح بخاری میں تین مقامات پر موجود ہے۔ (۳۳۴۸، ۴۷۴۱، ۶۵۳۰)

اسے امام بخاری کے علاوہ درج ذیل محدثین نے بھی روایت کیا ہے:

مسلم (الصحیح: ۲۲۲) النسائی فی الکبریٰ (۱۱۳۳۹ والتفسیر: ۳۵۹) ابو عوانہ (المسند ۸۸/۱۔ ۹۰) عبد بن حمید (المنتخب: ۹۱۷) ابن جریر الطبری (التفسیر ۸۷/۱۷، تہذیب الآثار ۵۲/۲) البیہقی (شعب الایمان: ۳۶۱) ابن مندہ (الایمان: ۸۸۱)

امام بخاری سے پہلے درج ذیل محدثین نے اسے روایت کیا ہے:

احمد بن حنبل (المسند ۳۲/۳) وکیع (نسخہ وکیع عن الاعمش ص ۸۵، ۸۶ ح ۲۷)

سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کے علاوہ اسے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی بیان کیا ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۶۵۲۸، ۶۶۴۲) وصحیح مسلم (۲۲۱)

لہٰذا یہ روایت بالکل صحیح اور قطعی الثبوت ہے۔ اس میں "خیال مشکوک" والی کوئی بات نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ نے درجہ بدرجہ اپنے صحابہ کے ایمان کو مضبوط کرنے کے لئے پہلے ایک چوتھائی پھر ایک ثلث اور آخر میں نصف کا ذکر فرمایا۔ یہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ نصف میں ایک ثلث اور ایک چوتھائی دونوں شامل ہوتے ہیں لہٰذا منکرین حدیث کا اس حدیث پر حملہ مردود ہے۔ منکرین حدیث کی "خدمت" میں عرض ہے کہ سورۃ الصّٰفّٰت کی آیت نمبر ۱۴۷ کی وہ کیا تشریح کرتے ہیں؟ (نیز دیکھئے ص ۲۸، ۲۹)

دوسرے یہ کہ حدیث مذکور کس قرآنی آیت کے خلاف ہے؟

منکر حدیث: "(۱۳) کیا وحی مشکوک ہوتی ہے؟

(جلد اول صفحہ ۱۳۱۸ روایت نمبر ۲۲۴۳)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ دو آدمیوں نے ایک دوسرے کو گالی دی ایک مسلمان اور دوسرا یہودی تھا مسلم نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد ﷺ کو ساری دنیا پر فضیلت دی اور یہودی نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰؑ کو ساری دنیا پر فضیلت دی۔ مسلمان نے یہ سن کر یہودی کے چہرے پر تھپڑ مارا۔ یہودی نبی ﷺ کے پاس پہنچا اور جو کچھ مسلمان اور اس کے درمیان گذرا تھا بیان کر دیا۔ نبی ﷺ نے مسلمان کو بلایا اور اس کے متعلق پوچھا اس نے سارا حال بیان کیا نبی ﷺ نے فرمایا: مجھ کو موسیٰ پر فضیلت نہ دو اس لئے کہ لوگ قیامت کے دن بیہوش ہو جائیں گے میں بھی ان لوگوں کے ساتھ بے ہوش ہو جاؤں گا سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا۔ میں دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا کونہ پکڑے ہوئے ہوں گے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ بے ہوش ہو کر مجھ سے پہلے ہوش میں آ جائیں گے یا اللہ تعالیٰ نے ان کو بیہوشی سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ (روایت ختم)

تبصرہ: میں نہیں جانتا اور باقی خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں۔ سب لوگوں کی بے ہوشی پر اطلاع دے دی اور اگلی اطلاع بذریعہ وحی نہ مل سکی "میں نہیں جانتا" اور دوسرے لفظ "یا" پر غور فرمائیں۔ کیا وحی مشکوک ہوتی ہے؟ وما علینا الا البلغ المبین"

(۱۳) الجواب: یہ حدیث صحیح بخاری میں سات مقامات پر ہے۔ (۲۴۱۱، ۳۴۰۸، ۴۸۱۳، ۳۴۱۴، ۶۵۱۷، ۶۵۱۸، ۷۴۷۲)

اسے امام بخاری کے علاوہ درج ذیل محدثین نے بھی روایت کیا ہے:

مسلم بن الحجاج (صحیح مسلم: ۲۳۷۳) طحاوی (مشکل الآثار، طبعہ قدیمہ ۱/۴۴۵، معانی الآثار

۳۱۶/۴) ابویعلیٰ (المسند: ۶۶۴۳) النسائی (السنن الکبریٰ: ۵۸۷۷، ۱۱۴۵۷) ابوداود (السنن: ۴۶۷۱) ترمذی (السنن: ۳۲۴۵ وقال: ''ھذا حدیث حسن صحیح'') ابن ماجہ (السنن: ۴۲۷۴) البغوی (شرح السنۃ ۱۵/۱۰۶ ح ۴۳۰۲ وقال: ''ھذا حدیث متفق علیٰ صحتہ'') البیہقی (دلائل النبوۃ ۵/۴۹۲)

امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے امام احمد رحمہ اللہ نے اسے روایت کیا ہے۔ دیکھئے مسند احمد بن حنبل (۲/۲۶۴، ۴۵۰)

یہ روایت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے درج ذیل جلیل القدر ثقہ تابعین نے بیان کی ہے۔

① سعید بن المسیب ② ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن

③ عبدالرحمٰن الاعرج ④ عامر الشعبی

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ اسے سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا ہے۔

(صحیح بخاری: ۲۴۱۲ و صحیح مسلم: ۴/۲۳۷ و مصنف ابن ابی شیبہ ۱۱/۵۲۶ ح ۳۱۸۲۸)

معلوم ہوا کہ یہ روایت بالکل صحیح ہے لہٰذا منکر حدیث کا اس سے ''کیا وحی مشکوک ہوتی ہے؟'' کشید کرنا باطل ہے۔

رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد کہ ''میں نہیں جانتا'' اِلخ قرآن کریم کی درج ذیل آیت کے مطابق ہے۔

﴿وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ [آپ کہہ دیں کہ....] اور میں غیب نہیں جانتا۔ (سورۃ الانعام: ۵۰)

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ﴾ (سورۃ الانبیاء: ۱۰۹)

ترجمہ از شاہ ولی اللہ الدہلوی: ''ونمی دانم کہ نزدیک است یا دور است آنچہ وعدہ دادہ میشوید'' (ص ۳۹۹)

ترجمہ از شاہ عبدالقادر: ''اور میں نہیں جانتا، نزدیک ہے یا دور ہے، جو تم کو وعدہ ملتا ہے'' (ص ۳۹۹)

ترجمہ از احمد رضا خان بریلوی: ''میں کیا جانوں کہ پاس ہے یا دور ہے وہ جو تمہیں وعدہ دیا

جاتا ہے" (ص۵۳۱)

معلوم ہوا کہ منکرین حدیث، احادیث صحیحہ کی مخالفت کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات کے بھی مخالف ہیں۔ ان کے پاس نہ حدیث ہے اور نہ قرآن ہے، بس وہ اپنی خواہشات اور بعض نام نہاد "مفکرین قرآن" کے خودساختہ نظریات وتحریفات کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ مرنے سے پہلے پہلے رب کریم کی طرف سے مہلت ہے، جو شخص توبہ کرنا چاہے کر لے ورنہ یاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے باغیوں اور سرکشوں کے لئے جہنم کی دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ اے اللہ! تو ہمیں اپنی پناہ میں رکھ۔ اے اللہ! تو ہمیں کتاب وسنت پر ثابت قدم رکھ اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرما۔ اے اللہ! ہمارے سارے گناہ معاف فرمادے، آمین۔ [انتہیٰ] (۱۳ ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ)

صحیح بخاری پر مجرمانہ حملے اور ان کا جواب

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علٰی رسولہ الأمین، أما بعد :

اگر پوچھا جائے کہ چور کی دشمنی سب سے زیادہ کس سے ہوتی ہے؟ تو اس کا آسان جواب یہ ہے کہ چوکیدار سے! کیونکہ چوکیدار ہی وہ شخصیت ہے جسے ختم کیے یا ہٹائے بغیر چور چوری نہیں کر سکتا۔ بالکل اسی طرح تمام اہلِ کفر، اہلِ باطل، اہلِ بدعت اور گمراہوں کا نشانہ علمائے حق بنتے ہیں۔ مثلاً یہود، نصاریٰ، ہنود، آلِ قادیان، منکرین حدیث اور مبتدعین کی تنقید کا نشانہ صحابۂ کرام وسلف صالحین بنتے ہیں۔ اسی سلسلے میں ایک منکرِ حدیث ڈاکٹر شبیر احمد نے ''اسلام کے مجرم'' نامی کتاب لکھ کر، صحیح بخاری وسلف صالحین پر مجرمانہ حملے کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ ڈاکٹر صاحب تو اسلام اور قرآن کے بڑے خیر خواہ ہیں۔!

اس مختصر وجامع مضمون میں ڈاکٹر شبیر صاحب اور ان کی نام نہاد ''مجلس شوریٰ'' کے صحیح بخاری پر اعتراضات کے جوابات پیش خدمت ہیں:

تنبیہ: اس کتاب کے صفحہ ۳ پر سعودی شیخ مفتی اعظم عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ کی طرف منسوب ایک جعلی خط شائع کیا گیا ہے، جس کا انسانی آنکھ سے پڑھنا ناممکن ہے جبکہ شیخ ابن باز رحمہ اللہ احادیث صحیحہ کو حجت سمجھتے تھے۔ آپ نے حجیتِ سنت پر ایک رسالہ

''وجوب العمل بسنة الرسول صلى اللّٰه عليه وسلم وكفر من أنكرها''

[سنتِ رسول پر عمل کا وجوب اور اس کا انکار کرنے والے کا کفر] لکھا ہے اور اس میں منکرینِ حدیث کا دلائل سے بھرپور رد کیا ہے۔ شیخ ابن باز رحمہ اللہ کے نزدیک حدیث اسی طرح حجت ہے جس طرح قرآن حجت ہے۔ (دیکھئے مجموع فتاویٰ ومقالات متنوعہ ج۱ص ۲۱۶، ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۴۵)

شیخ صاحب کے فتاویٰ میں صحیح بخاری وصحیح مسلم کے ہزاروں حوالے موجود ہیں۔ وہ ان سے

استدلال کرتے اور انھیں حجت وثابت سمجھتے تھے۔ایک جگہ شیخ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وأهم كتب الحديث وأصحها صحيح البخاري وصحيح مسلم فليكثر من مراجعتهما والإستفادة منهما'' کتب حدیث میں اہم ترین اور صحیح ترین صحیح البخاری و صحیح مسلم ہیں لہٰذا ان دونوں کتابوں کی کثرت سے مراجعت اور ان سے استفادہ کرنا چاہیے۔ (مجموع فتاویٰ ومقالات ابن باز ۲۳۰/۴ بحوالہ المکتبۃ الشاملہ)

شیخ ابن باز رحمہ اللہ کی طرف جس ''حدیث'' کو منسوب کیا گیا ہے، اس کا متن درج ذیل ہے:

'' إذا روي عني حديث فاعرضوه (على) كتاب الله فإن وافق فاقبلوه ولا تذروه ''[اگر مجھ سے کوئی حدیث روایت کی جائے تو اسے کتاب اللہ پر پیش کرو پھر اگر وہ اس کے موافق ومطابق ہو تو اسے قبول کرلو ورنہ چھوڑ دو۔]

یہ روایت ان الفاظ یا مفہوم کے ساتھ حدیث کی کسی باسند کتاب میں سند کے ساتھ مروی نہیں ہے بلکہ محض بے اصل اور باطل روایت ہے۔شیخ محمد طاہر پٹنی ہندی (متوفی ۹۸۶ھ) نے اسے اپنی کتاب تذکرۃ الموضوعات میں ذکر کر کے مشہور محدث خطابی سے نقل کیا کہ ''وضعته الزنادقة .. '' اسے زندیقوں نے گھڑا ہے۔(ص ۲۸)

زندیقوں اور کافروں کی گھڑی ہوئی اس روایت کو ایک عام طالب علم بھی بطورِ استدلال پیش نہیں کرسکتا تو شیخ ابن باز رحمہ اللہ کس طرح پیش کر سکتے تھے؟ دوسرے یہ کہ یہ بے اصل، باطل اور گھڑی ہوئی روایت بذاتِ خود قرآنِ مجید کے خلاف ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿ وَمَآ اٰتٰـكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ﴾ اور تمھیں رسول جو دے تو اسے لے لو۔ (الحشر:۷)

اس قرآنی آیت سے معلوم ہوا کہ رسول ﷺ کا ہر حکم واجب التسلیم ہے لہٰذا رسول کی صحیح و ثابت حدیث کو قرآن پر پیش کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ڈاکٹر صاحب اینڈ پارٹی نے چونکہ صحیح بخاری پر مجرمانہ حملے کیے ہیں لہٰذا ان کا اعتراض مجرم کے لفظ سے لکھ کر اس کا جواب لکھا گیا ہے۔

مجرم (۱): ''فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کا بہترین آدمی وہ ہے جس کی زیادہ بیویاں ہوں۔ (امام بخاری کتاب النکاح۔صفحہ۵۲) ''(اسلام کے مجرم ص۲۲)

الجواب: نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب یہ روایت صحیح بخاری میں قطعاً موجود نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں تو یہ لکھا ہوا ہے کہ سعید بن جبیر نے کہا: مجھ سے ابن عباس نے کہا: کیا تم نے شادی کی ہے؟ میں نے کہا: نہیں، انھوں نے فرمایا: پس شادی کرلو کیونکہ اس اُمت کا بہتر وہ ہے جس کی بیویاں سب سے زیادہ ہیں۔ (کتاب النکاح باب کثرۃ النساء ح۵۰۶۹)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کو نبی کریم ﷺ کی حدیث بنا دینا ڈاکٹر شبیر احمد جیسے کذابین کا ہی کام ہے۔ یاد رہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اس امت کے سب سے بہترین انسان سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی (ایک وقت میں) سب سے زیادہ بیویاں تھیں۔ دیکھئے فتح الباری (۱۱۴/۹) لہٰذا شادی نہ کرنے کے مقابلے میں شادی کرنا افضل ہے۔

مجرم (۲): ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام بیویوں کے پاس ہر رات میں دورہ فرمالیا کرتے تھے اور وہ تعداد میں ۹ تھیں۔ (امام بخاری کتاب النکاح۔صفحہ۵۲) '' (اسلام کے مجرم ص۲۲)

الجواب: صحیح بخاری میں '' في ليلة واحدة '' ایک رات میں (ح۵۰۶۸) لکھا ہوا ہے نا کہ '' في كل ليلة '' لہٰذا ڈاکٹر صاحب نے '' ہر رات '' کا لفظ لکھ کر صحیح بخاری پر جھوٹ بولا ہے۔

شوہر کا اپنی بیوی کے پاس جانا یا اپنی بیوی سے جماع کرنا کوئی جرم نہیں ہے لہٰذا اعتراض کی بنیاد ہی باطل ہے۔ نام نہاد ڈاکٹر نے طنزیہ انداز میں نبی ﷺ کے بارے میں '' جنسی مشین نہ تھے '' کے الفاظ لکھ کر آپ کی توہین کی ہے جس طرح یہود و نصاریٰ اور کفار آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کا غلط طریقے سے ذکر کر کے آپ ﷺ کی توہین کرتے ہیں۔ نبی ﷺ کے بارے میں اپنی زبان اور قلم کو ہر وقت لگام دینی چاہئے ورنہ عین ممکن ہے کہ نہ صرف سارے اعمال ضائع ہو جائیں بلکہ دائرۂ اسلام سے ہی خارج ہو جائے اور خبر بھی نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ کا ایک رات میں اپنی ساری (۹) بیویوں کے پاس تشریف لے جانا

امام بخاری سے پہلے امام احمد بن حنبل (المسند ۳/۹۹، ۱۶۱، ۱۸۵، ۲۲۵) امام ابن ابی شیبہ (المصنف ۱/۱۴۷ ح ۱۵۶۱) امام عبدالرزاق (المصنف ۱/۲۷۵ ح ۱۰۶۱) وغیرہم نے مختلف سندوں کے ساتھ بیان کر رکھا ہے۔

مسند احمد (۳/۱۶۰ ح ۱۲۶۳۲) و مسند عبد بن حمید (۱۲۶۳، ۱۳۲۵) اور مسند الدارمی (۷۵۳) کی صحیح حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایک دن (ورات) کا واقعہ ہے۔ ایک دن رات کے واقعے کو ڈاکٹر صاحب "ہر رات" کا لفظ لکھ کر مسخرہ بازی کر رہے ہیں۔

مجرم (۳): "انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سب بیویوں کے پاس ایک گھنٹے کے اندر دورہ فرمالیا کرتے تھے اور وہ گیارہ تھیں۔ (کتاب الغسل میں امام بخاری کے نام سے اس حدیث کا عنوان لکھا گیا ہے۔ "ایک ہی غسل سے جماع کے بعد جماع تمام بیویوں سے کرنا") (صفحہ ۱۸۹ صحیح بخاری جلد دوم)" (اسلام کے مجرم ص ۲۲)

الجواب: یہ روایت "الساعة الواحدة" کے الفاظ کے ساتھ صحیح بخاری (۲۶۸) میں موجود ہے۔ صحیح بخاری سے پہلے یہ حدیث مسند احمد (۳/۲۹۱) وغیرہ میں مذکور ہے۔ یہاں الساعۃ الواحدہ سے زمانے کا ایک حصہ مراد ہے نہ کہ ماہرین فلکیات کی اصطلاحات (دیکھئے ارشاد الساری ۱/۳۲۵ و فتح الباری ۱/۳۷۷) لغت میں وقت اور زمانے کے ایک حصے کو بھی الساعۃ کہتے ہیں۔ دیکھئے القاموس الوحید (ص ۸۲۳) لہٰذا ڈاکٹر صاحب کا "ایک گھنٹے کے اندر" والا ترجمہ غلط ہے۔ یہ بات عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ نبی ﷺ کے زمانے میں مروجہ گھڑیاں ایجاد نہیں ہوئی تھیں لہٰذا ایک گھنٹے کا ذکر کہاں سے آ گیا؟

اگر مروجہ ایک گھنٹہ ہی مراد ہوتا تو بھی اعتراض کی کوئی بات نہیں تھی کیونکہ شوہر کا اپنی بیوی یا اپنی بیویوں سے جماع کرنا حلال ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وہ تمھارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔ (سورۃ البقرۃ: ۱۸۷) نیز دیکھئے جواب سابق: ۲

مجرم (۴): "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ ایسی وادی میں اتریں جہاں بہت سے درخت ہوں لیکن اُن کے پتے چرا لئے گئے ہوں اور ایک درخت آپؐ ایسا بھی پائیں جس کے پتے چرائے نہ گئے

ہوں، تو آپ اپنے اونٹ کو کس درخت سے چرائیں گے؟ فرمایا: ''اُس درخت سے جس کے پتے چرائیں نہ گئے ہوں'' امام بخاری کہتے ہیں کہ عائشہ صدیقہؓ کی مراد یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں صرف وہ ہی کنواری تھیں۔ (بخاری کتاب النکاح۔ صفحہ ۵۵)'' (اسلام کے مجرم ص ۲۲، ۲۳)

الجواب: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک کنواری لڑکی سے شادی کرنا افضل ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ غیر کنواری سے شادی کرنا جائز نہیں ہے۔

تنبیہ: صحیح بخاری (۵۰۷۷) والی یہ روایت صحیح ابن حبان (الاحسان: ۴۳۱۶/ ۴۳۳۱) میں بھی موجود ہے اور امام بخاری کے علاوہ محمد بن ایوب سے بھی مروی ہے کہ انھوں یہ حدیث ابن ابی اویس سے بیان کی ہے۔ دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی (۸۱/۷)

یاد رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پورا درود لکھنا چاہئے صرف ''ص'' لکھنا جائز نہیں۔ دیکھئے کتب اصول الحدیث اور مقدمہ ابن الصلاح ۲۰۹، دوسرا نسخہ ص ۲۹۹

مجرم (۵): ''عائشہؓ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میں ایک ٹب میں نہاتے تھے اور وہ صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ حیض میں مجھ سے اختلاط فرمایا کرتے تھے۔ (بخاری کتاب الحیض۔ صفحہ ۹۷)''

(اسلام کے مجرم ص ۲۶)

الجواب: صحیح بخاری میں ایسی کوئی حدیث موجود نہیں ہے جس میں یہ آیا ہو کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میں ایک ٹب میں نہاتے تھے'' لہٰذا ہو سکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے صحیح بخاری پر جھوٹ بول کر جھوٹ کا عالمی ریکارڈ قائم کرنے کی کوشش کی ہو۔

صحیح بخاری میں تو یہ لکھا ہوا ہے کہ ''**كنت أغتسل أنا والنبي صلى الله عليه وسلم من إناء واحد كلانا جنب وكان يأمرني فأتزر فيباشرني وأنا حائض**''

میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ جنابت میں ایک برتن سے (پانی لے کر) غسل کرتے تھے اور میں جب حالتِ حیض میں ہوتی تو آپ مجھے ازار باندھنے کا حکم دیتے پھر میرے ساتھ مباشرت فرماتے یعنی میرے ساتھ (میری حالتِ حیض میں) لیٹ جاتے تھے۔

(صحیح بخاری کتاب الحیض باب مباشرۃ الحائض ح۲۹۹، ۳۰۰)

اس برتن سے دونوں ایک ہی وقت میں اپنے ہاتھوں سے پانی لیتے تھے۔
دیکھئے صحیح بخاری (۲۶۱، ۲۷۳)

ایک روایت میں ہے: ''من إناء بيني وبينه واحد'' میرے اور آپ کے درمیان میں ایک برتن ہوتا تھا۔ ملخصاً (صحیح مسلم: ۳۲۱/ ۷۳۲)

اندھیری رات میں روشنی کے بغیر، میاں بیوی کا ایک ہی برتن سے پانی لے کر اکٹھے نہانا کس دلیل کے خلاف ہے؟ اللہ کا شکر ادا کریں کہ امہات المومنین نے نبی ﷺ کے غسل کا طریقہ یاد کر کے اُمت کے سامنے بیان کر دیا ہے تاکہ دین اسلام ہر طرح سے مکمل رہے۔ والحمدللہ

حالتِ حیض میں جماع کرنا جائز نہیں ہے لیکن جماع کے بغیر میاں بیوی کا باہم لیٹ جانا منع نہیں بلکہ جائز ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اصنعوا كلّ شي إلا الجماع .)) جماع کے علاوہ سب چیزیں کرو۔

(سنن ابن ماجہ: ۶۴۴ وسندہ صحیح، صحیح مسلم: ۳۰۲/ ۶۹۴ نحو المعنٰی)

یعنی حائضہ بیوی سے دخول والا جماع ممنوع ہے اور باقی سب باتیں مثلاً پیار کرنا، لیٹنا، ساتھ سلانا اور اکٹھے کھانا پینا جائز ہے اور اس حدیث میں اسی کو اختلاط و مباشرت کہا گیا ہے لہٰذا اعتراض کی کیا بات ہے؟

ایک برتن سے (پانی لے کر) نہانے والی حدیث صحیح بخاری سے پہلے کتاب الام للشافعی (۱/ ۸) اور مسند احمد (۶/ ۳۷) وغیرہما میں بھی موجود ہے۔ والحمدللہ

مجرم (۶): ''رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ کو سرزنش کی تم نے شوہر دیدہ (بیوہ) عورت سے نکاح کیوں کیا؟ کنواری نوعمر لڑکی سے نکاح کیوں نہ کیا کہ تم اُس سے کھیلتے اور وہ تُم سے کھیلتی۔

(بخاری کتاب النکاح۔ صفحہ ۵۶) آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو بیواؤں اور بے سہاروں کا سہارا تھے۔''

(اسلام کے مجرم ص ۲۶)

الجواب: یہ حدیث سرزنش کے لفظ کے بغیر صحیح بخاری میں موجود ہے۔ (دیکھئے ح ۵۰۸۰)

سرزنش کا مطلب ہے: ''ملامت۔ جھڑکی۔ گھڑکی'' (لغاتِ سعیدی ص ۴۱۰)
لغت کی ایک دوسری کتاب میں لکھا ہوا ہے: ''سرزنش کرنا۔ التأنیب، التوبیخ'' (المعجم اردو عربی ص ۴۲۴) حدیث میں تأنیب وتوبیخ اور ان کی مشتقات والا کوئی لفظ موجود نہیں ہے لہٰذا ڈاکٹر صاحب نے اپنی طرف سے ''سرزنش'' کا لفظ گھڑ کر حدیث میں اضافہ کر دیا ہے۔
نبی ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ تم نے کنواری سے کیوں نکاح نہیں کیا؟ انھوں نے جواب دیا: (میرے والد شہید ہو گئے ہیں اور) میری کئی بہنیں ہیں۔ (دیکھئے صحیح البخاری کتاب البیوع باب شراء الدواب والحمیر ح ۲۰۹۷) یہ جواب سن کر پھر نبی ﷺ نے اس سلسلے میں دوسرا کوئی سوال نہیں کیا (بلکہ تصدیق فرمائی جیسا کہ آگے آرہا ہے) مگر حدیث کا مذاق اڑانے والے ڈاکٹر کو اصرار ہے کہ آپ نے سرزنش کی۔
منکرینِ حدیث کا یہ طریقہ ہے کہ حدیث کا غلط ترجمہ کر کے اور اس میں خود ساختہ الفاظ کا اضافہ کر کے یہ کوشش کرتے ہیں کہ عوام کے دل میں حدیث کی نفرت بیٹھ جائے۔ جب تحقیق کی جاتی ہے تو یہ تمام اعتراضات باطل ثابت ہوتے ہیں اور حدیث کی محبت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ والحمدللہ
سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ یہ حدیث صحیح بخاری سے پہلے مسند احمد (۳۰۸/۳) ومسند الحمیدی (۱۲۳۷ بتحقیقی وسندہ صحیح) میں بھی موجود ہے بلکہ مسند الحمیدی وصحیح البخاری (۴۰۵۲) میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ کا جواب سُن کر فرمایا: ((أصبتَ .)) تم نے ٹھیک کیا ہے۔
مجرم (۷): ''میرے بعد لوگوں پر عورت سے بڑھ کر فتنہ کوئی نہیں۔ (حدیث بخاری کتاب النکاح۔ صفحہ ۶۱)'' (اسلام کے مجرم ص ۲۶، ۲۷)
الجواب: صحیح بخاری (۵۰۹۶) کی یہ حدیث: ((ما ترکت بعدي فتنة أضر علی الرجال من النساء .)) صحیح بخاری سے پہلے مسند الحمیدی (۵۴۷ بتحقیقی) ومسند احمد (۲۰۰/۵، ۲۱۰) اور مصنف عبدالرزاق (۳۰۵/۱۱ ح ۲۰۶۰۸) وغیرہ میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ﴾ اے ایمان والو! بے شک تمھاری بیویوں اور اولاد میں سے (بعض) تمھارے دشمن ہیں لہٰذا ان سے ڈرو۔ (التغابن:١٤)

دنیا میں جتنا فتنہ وفساد ہے اس کی اصل زَن (عورت) زر (سونا، دولت) اور زمین ہے۔ اردگرد کا ماحول دیکھیں، اللہ کے سوا جن کی پوجا کی جا رہی ہے وہاں کا نظارہ کریں تو اکثریت عورتوں کی ہی پائیں گے۔

معلوم ہوا کہ درج بالا حدیث بالکل صحیح ہے اور قرآن کے خلاف نہیں لہٰذا اعتراض کی کیا بات ہے؟ یاد رہے کہ عورتوں کی اکثریت کا فتنہ میں مبتلا ہونا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ تمام عورتیں فتنہ پرور ہیں۔ عورتوں میں کئی عورتیں بہت نیک، دیندار بلکہ کئی عورتیں عام مردوں سے علم، نیکی اور تقویٰ وغیرہ میں زیادہ ہوتی ہیں۔

مجرم (٨): ''خولہ بنت حکیم نے خود کو نبی کے لئے تحفتاً پیش کیا۔ حضرت عائشہؓ بولیں۔ ''عورت کو ایسا کہتے شرم نہیں آتی'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونے لگی تو حضرت عائشہؓ بولیں۔ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو یہ دیکھتی ہوں کہ آپؐ کا رب آپؐ کی خواہشات کو پورا کرنے میں بہت جلدی کرتا ہے۔ (بخاری کتاب النکاح۔ صفحہ ٦٧)'' (اسلام کے مجرم ص ٢٧)

الجواب: رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ خاص حکم تھا کہ اگر کوئی مومنہ عورت بغیر حق مہر اور بغیر شروطِ نکاح کے اپنی جان آپ کو پیش کرتی تو آپ کے لئے اسے نکاح میں لانا جائز تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ﴾ اور کوئی مومنہ عورت اگر اپنی جان نبی کے لئے ہبہ کرے، اگر نبی اس سے نکاح کرنا چاہے، یہ مومنین کو چھوڑ کر آپ کے لئے خاص ہے۔ (الاحزاب:٥٠)

صحیح بخاری (٥١١٣) میں ''هواك'' کا مطلب ''رضاك'' ہے۔ (فتح الباری ٩/١٦٥)

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کی رضا میں جلدی فرماتا ہے۔ یہ اللہ اور رسول کا معاملہ ہے۔ اللہ کی مرضی ہے کہ وہ اپنے حبیب پر جتنے فضل وکرم اور رحمتوں کی بارش فرمائے، اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟ نبی ﷺ کی پیاری بیوی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر اور محبوب سے گفتگو کرے تو اس کا مذاق اُڑانا انھی لوگوں کا کام ہے جن کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ اور ازواج مطہرات سے محبت نہیں ورنہ وہ اس کی کبھی جرأت نہ کرتے۔

یاد رہے کہ صحیح بخاری کی مذکورہ حدیث صحیح بخاری سے پہلے مسند احمد (۶/ ۱۵۸) میں بھی موجود ہے۔

مجرم (۹): ''رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیوی صفیہؓ سے کہا: ''او سر مُنڈی ہلاک ہونی'' (بخاری کتاب الطلاق۔ صفحہ ۱۴۳) '' (اسلام کے مجرم ص ۳۱)

الجواب: صحیح بخاری (۵۳۲۹) کی یہ حدیث مسند احمد (۶/ ۱۲۲) وغیرہ میں بھی موجود ہے۔

"عقریٰ حلقیٰ وتربت یمینك" وغیرہ الفاظ اہلِ عرب عادۃً بغیر کسی قصد کے استعمال کرتے تھے۔ (فتح الباری ۱۱/ ۱۷۲)

اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**اللھم ! فأیما مؤمن سببته فاجعل ذلك له قربة إلیك یوم القیامة**)) اے میرے اللہ! میں نے جس مومن کے بارے میں سخت الفاظ کہے ہیں، تُو انھیں قیامت کے دن اُس کے لئے وسیلۂ قربت بنادے۔

(صحیح بخاری: ۶۳۶۱)

جب آپ ﷺ کو معلوم ہوا تھا کہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے واپس رُکنا پڑے گا تو اس وقت آپ نے یہ الفاظ بیان فرمائے جنھیں اللہ تعالیٰ نے آپ کی زوجہ محترمہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے لئے قربت بنادیا ہے لہٰذا اعتراض کیسا؟

مجرم (۱۰): ''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب نبی ﷺ نے اُن سے نکاح کیا تو ان کی عمر ۶ سال تھی۔ جب ان سے خلوت کی گئی تو عمر ۹ سال تھی (صحیح بخاری کتاب النکاح، صفحہ ۷۵)

قرآن کے مطابق ذہنی اور جسمانی بلوغت نکاح کے لئے لازم ہے۔۔ '' (اسلام کے مجرم ص ۳۱)

مجرمانہ حملے کرنے والوں کی اسی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ "مثال کے طور پر امام بخاری نے لکھ دیا کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح نبی کریمؐ سے ۶ (چھ) برس کی عمر میں ہوا تھا اور رخصتی ۹ برس کی عمر میں عمل میں آئی تھی یہ لوگ اتنا بڑا بہتان اُس ذات اقدس کی شان میں برداشت کرلیں گے لیکن بخاری پر اُنگلی نہیں اُٹھائیں گے۔" (اسلام کے مجرم ص ۸)

الجواب: قرآنِ مجید میں یہ کہیں بھی نہیں ہے کہ نکاح کے لئے ذہنی اور جسمانی بلوغت لازم ہے بلکہ آیت ﴿وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ۭ﴾ اور جنھیں حیض نہ آیا ہو۔ (الطلاق:۴) سے معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹی بچی سے نکاح وطلاق کا معاملہ ہوسکتا ہے۔ جنھیں حیض نہ آیا ہو، سے مراد چھوٹی بچیاں ہیں، دیکھئے تفسیر ابن جریر الطبری السُّنی (۹۲/۲۸)

چھ یا سات سال کی عمر میں نکاح اور نو سال کی عمر میں رخصتی والی بات تواتر کے ساتھ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے۔ اسے عروہ بن الزبیر (صحیح بخاری: ۳۸۹۶ وصحیح مسلم: ۱۴۲۲) اسود بن یزید (صحیح مسلم) یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب (مسند ابی یعلیٰ: ۴۶۷۳ وسندہ حسن) ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف (سنن النسائی ۱۳۱/۶ ح ۳۳۸۱ وسندہ حسن) اور عبداللہ بن صفوان رحمہم اللہ (المستدرک للحاکم ۱۰/۴ ح ۶۷۳۰ وسندہ صحیح وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی) نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا ہے۔ تابعین کرام میں سے درج ذیل علمائے حق سے اس مفہوم کے اقوال ثابت ہیں:

۱: ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف (مسند احمد ۲۱۱/۶ ح ۲۵۷۶۹ وسندہ حسن)

۲: یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب (ایضاً وسندہ حسن)

۳: ابن ابی ملیکہ (المعجم الکبیر للطبرانی ۲۶/۲۳ ح ۶۲ وسندہ حسن)

۴: عروۃ بن الزبیر (صحیح بخاری: ۳۸۹۶، طبقات ابن سعد ۶۰/۸ وسندہ صحیح)

۵: زہری (طبقات ابن سعد ۶۱/۸ وھو حسن)

اور اس مسئلے پر اجماع ہے۔ (دیکھئے البدایہ والنہایہ لابن کثیر ۱۲۹/۳)

لہٰذا اس کا انکار کرنا باطل ومردود ہے۔ امام بخاری سے پہلے امام احمد بن حنبل (۱۱۸/۶،

۲۸۰) امام حمیدی (المسند: ۲۳۳ تحقیقی وسندہ صحیح) اور امام شافعی (کتاب الام ۵/۱۶۷) وغیرہم نے اس حدیث کو بیان کر رکھا ہے لہٰذا اسے ''بڑا بہتان'' قرار دینا اصل میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر حملہ ہے۔

تنبیہ: اس بات کا ثبوت اخباروں میں مع تصویر موجود ہے کہ نو (۹) سال کی بچی کے ہاں اولاد ہوئی ہے۔ مثلاً دیکھئے روزنامہ جنگ ۱۶/اپریل ۱۹۸۶ء ص ۵، ۱۴/جون ۱۹۹۳ء ص ۲

مجرم (۱۱): ''صحیح بخاری کتاب النکاح صفحہ ۸۲ اور کتاب البیوع صفحہ ۷۷۸ پر لکھا ہے کہ خیبر کا قلعہ فتح ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (یہودی عورت) صفیہ کا حسن و جمال بیان کیا گیا۔ اس کا شوہر مارا گیا تھا اور وہ نئی دلہن تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے اپنے لئے منتخب کر لیا۔ پھر آپؐ نے خیبر اور مدینہ منورہ کے درمیان ٹھہر کر صفیہ سے خلوت وصحبت کی (خلاصہ حدیث) نہ صرف ان دونوں احادیث میں نکاح کا ذکر نکال دیا گیا ہے بلکہ یہ تک کہا گیا ہے کہ صحابہ کو معلوم ہی خلوت کے بعد ہوا کہ صفیہؓ ام المومنین بن گئی ہیں۔'' (اسلام کے مجرم ص ۳۳)

الجواب: صفیہ بنت حُیَي بن اَخطب کا خاوند کنانہ بن ابی الحقیق (یہودی) غزوۂ خیبر میں مارا گیا تھا اور وہ مالِ غنیمت میں شامل ہو کر دحیہ الکلبی رضی اللہ عنہ کے حصے میں لونڈی بن کر آئیں۔ صحابۂ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا تو آپ نے سات غلام دے کر صفیہ رضی اللہ عنہا کو خرید لیا پھر انھیں آزاد کر کے نکاح کر لیا اور یہی آزاد کرنا اُن کا حق مہر بنایا۔ دیکھئے صحیح بخاری (۳۷۱) وصحیح مسلم (۱۳۶۵ بعد ح ۱۴۲۷)

صحیح بخاری میں لکھا ہوا ہے: '' وتزوّجها '' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (صفیہ رضی اللہ عنہا) سے نکاح کر لیا۔ (کتاب الصلوۃ باب ما یذکر فی الفخذ ح ۳۷۱) جبکہ دوسری طرف ڈاکٹر صاحب یہ راگ الاپ رہے ہیں کہ ''نکاح کا ذکر نکال دیا گیا ہے''

ایک روایت میں ذِکر نہ ہو اور دوسری روایت میں ذِکر ہو تو اس ذِکر کا ہی اعتبار ہوتا ہے۔ یہ اصول مسلّم ہے کہ جس طرح قرآن قرآن کی تشریح کرتا ہے، اسی طرح حدیث بھی حدیث کی تشریح کرتی ہے لہٰذا تمام صحیح وثابت روایات کو جمع کر کے ان کا مفہوم سلف صالحین

کے فہم کی روشنی میں سمجھنا چاہیے ورنہ گمراہی کی گہری کھائیوں میں جا گریں گے۔

رحمۃ للعالمین نے فتح خیبر کے بعد سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے رشتۂ ازدواج میں لا کر ہمیشہ کے لئے ام المومنین بنا دیا مگر منکرین حدیث اس پر اعتراض کر رہے ہیں۔ یاد رہے کہ ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے ولیمے میں کھجور، پنیر اور گھی سے لوگوں کی ضیافت کی گئی تھی۔ دیکھئے صحیح مسلم (۱۳۶۵/۸۷ وترقیم دارالسلام: ۳۵)

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح والی حدیثیں صحیح بخاری سے پہلے مسند احمد (۱۲۳/۳) ومصنف ابن ابی شیبہ (۴۶۱/۱۴۔۴۶۲) وغیرہما میں بھی موجود ہیں۔ والحمد للہ

مجرم (۱۲): ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت پسلی کی مانند ٹیڑھی ہے۔ اگر اُسے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو ٹوٹ جائے گی۔ اُسے ٹیڑھی رہنے دو اور فائدہ اُٹھاتے چلے جاؤ۔ (بخاری کتاب النکاح۔ صفحہ ۹۰)'' (اسلام کے مجرم ص ۳۳)

الجواب: صحیح بخاری (۵۱۸۴) کی یہ حدیث مسند احمد (۴۴۹/۲، ۴۹۷، ۵۳۰) اور مسند الحمیدی (۱۱۷۷ بتحقیقی وسندہ صحیح) وغیرہما میں موجود ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسے عبدالرحمٰن الاعرج، عجلان، ابو حازم اور سعید بن المسیب نے بیان کیا ہے۔

عورت کا پسلی سے پیدا کیا جانا قرآنِ مجید کی کسی آیت کے خلاف نہیں ہے بلکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا ﴾ اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا زوج پیدا کیا۔ (النسآء: ۱) نیز دیکھئے سورۃ الاعراف (۱۸۹) اور سورۃ الزمر (۶)

نفسِ واحدہ سے مراد آدم علیہ السلام اور زوج سے مراد حواء علیہا السلام ہیں۔ دیکھئے تفسیر ابن جریر (۱۵۰/۴) وتفسیر ابن کثیر (۱۸۵/۲) وغیرہما۔

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے تفسیر ابن جریر الطبری کے بارے میں فرمایا: میں نے اسے شروع سے آخر تک دیکھا ہے اور میں روئے زمین پر محمد بن جریر سے بڑا عالم کوئی نہیں جانتا اور حنبلیوں نے ان پر ظلم کیا ہے۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر ۱۴۷/۵۵ وسندہ صحیح)

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تفسیر ابن جریر الطبری کو لوگوں کے پاس موجود تمام تفاسیر سے صحیح ترین قرار دیا ہے۔ (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۳۸۵/۱۳)

مجرم (۱۳): ''سلیمانؑ نے صرف ایک رات میں سو بیویوں کے ساتھ مباشرت کی (بخاری، کتاب النکاح۔صفحہ ۱۱۰) ملاحظہ فرمائیے ایک رات، چند گھنٹے اور اللہ کا ایک عالی مقام پیغمبر!''

(اسلام کے مجرم ص ۳۴)

الجواب: صحیح بخاری (۵۲۴۲) سے پہلے یہ حدیث مسند امام احمد (۲۲۹/۲) اور مسند امام حمیدی (۱۱۷۴ بتحقیقی وسندہ صحیح) وغیرہما میں موجود ہے اور عالی مقام پیغمبر علیہ السلام کا اپنی بیویوں سے مباشرت کرنا کوئی جرم نہیں ہے کہ اس پر تعجب کیا جائے۔!

اگر کوئی کہے کہ یہ محیر العقول بات ہے تو عرض ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے تابع ہوا صبح کے وقت ایک مہینے کی مسافت طے کرتی تھی اور شام کے وقت بھی ایک مہینے کی مسافت طے کرتی تھی۔ دیکھئے سورۃ سبا (۱۲)

ایک شخص جس کے پاس کتاب کا علم تھا وہ ملکۂ سبا کے تخت کو (دور یمن سے) پلک جھپکنے میں لے آیا تھا۔ (النمل:۴۰)

جس طرح یہ تمام واقعات اللہ کے اذن وقدرت سے ظہور پذیر ہوئے، اسی طرح یہ واقعہ بھی ظہور پذیر ہوا۔ قرآنِ مجید کی کسی آیت سے بھی اس حدیث کا غلط ہونا قطعاً ثابت نہیں ہے۔

نیز دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۲۴ص ۱۵، ۱۶

مجرم (۱۴): ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینبؓ بنت جحش کے پاس شہد پیا۔ دیگر امہات المومنین نے منصوبہ بنایا کہ جس بیوی کے پاس جائیں گے وہ یہی کہے گی کہ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے بد بو آرہی ہے۔ (بخاری کتاب الطلاق۔ صفحہ ۱۲۰)'' (اسلام کے مجرم ص ۳۵)

الجواب: صحیح بخاری (۵۲۶۸) کی اس حدیث میں صراحت ہے کہ یہ منصوبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بنایا تھا۔ اس واقعے کا مختصر ذکر قرآنِ مجید (سورۃ التحریم: ۱۔۵) میں موجود ہے۔

صحیح بخاری والی حدیث مسند احمد (۵۹/۶) اور مسند عبد بن حمید (۱۴۸۹) وغیرہما میں بھی مذکور

ہے لہٰذا اس ثابت شدہ واقعے اور حقیقت کا انکار کر دینا دراصل قرآن و حدیث کا انکار ہے۔

مجرم (۱۵): ''عائشہؓ بولیں'' ہائے سر پھٹا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کاش میری زندگی میں ایسا ہو جاتا۔ عائشہؓ بولیں آپ میری موت چاہتے ہیں کہ اگلی رات دوسری بیوی کے پاس گزاریں۔ (بخاری کتاب الطب۔ صفحہ ۲۴۷) '' (اسلام کے مجرم ص ۳۶)

الجواب: صحیح بخاری (کتاب المرضیٰ ح ۵۶۶۶، کتاب الاحکام ح ۷۲۱۷) کی اس حدیث میں آیا ہے کہ (سیدہ) عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے کہا: ہائے میرا سر! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ اگر میری زندگی میں ہوا تو میں تیرے لئے استغفار و دعا کروں گا۔ عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے کہا: ہائے میری مصیبت! اللہ کی قسم! میرا خیال ہے کہ آپ میری موت چاہتے ہیں اور اگر ایسا ہو گیا تو آپ اس دن کا آخری حصہ اپنی کسی بیوی کے پاس گزاریں گے۔ تو نبی ﷺ نے (اس کی تردید میں) فرمایا: بلکہ ہائے میرا سر! میرا ارادہ ہے کہ میں ابوبکر اور ان کے بیٹے (رضی اللہ عنہما) کو باتیں کرنے والوں کی باتوں اور تمنا کرنے والوں کی تمنا سے پہلے بلاؤں، عہد کروں اور کہہ دوں: اللہ اور اہلِ ایمان اسے (خلافت کو) نہیں مانیں گے (مگر صرف ابوبکر کے لئے) نیز دیکھئے صحیح مسلم (۲۳۸۷ و ترقیم دارالسلام: ۶۱۸۱)

صحیح بخاری والی یہ روایت مسند احمد (۱۴۴/۶) وطبقات ابن سعد (۱۸۰/۳) وغیرہما میں بھی موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی وضاحت کے بعد عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کوئی اعتراض نہیں کیا لہٰذا ان کا خیال و گمان منسوخ ہوا۔ دوسرے یہ کہ میاں بیوی کی باہم پیار و محبت والی باتوں پر اعتراض کیا معنی رکھتا ہے؟

مجرم (۱۶): ''مدینہ آنے والے کچھ لوگ بیمار ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ اونٹوں کے چرواہے کے پاس چلے جائیں اور اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پیتے رہیں۔ وہ لوگ تندرست ہو گئے تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہانک کر لے گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے آدمی انھیں پکڑ لائے۔ ان کے ہاتھ پیر کٹوا دیئے گئے اور ان کی آنکھوں میں سلائی پھروا دی گئی۔ ایک حدیث میں ہے کہ ان کی آنکھیں نکلوا دی گئیں پھر ان کو تپتی ریت پر لٹا دیا گیا۔ وہ پیاس کی شدت سے پانی

مانگتے تھے اپنی زبان سے زمین چاٹتے تھے لیکن انھیں پانی نہیں دیا جاتا تھا یہاں تک کہ وہ مر گئے۔

(بخاری کتاب الطب۔ صفحہ ۲۵۴)

صاحبو! کیا رحمت للعالمین ﷺ ایسی ایذاء رسانی فرما سکتے تھے! کیا اونٹنی کا پیشاب لوگوں کو پلا سکتے تھے؟

کیا یہ دشمنانِ اسلام کی سازش نہیں ہے؟" (اسلام کے مجرم ص ۳۶، ۳۷)

الجواب: یہ لوگ جنھیں اس طرح قتل کیا گیا قاتل اور چور تھے، کافر اور دشمنانِ اسلام تھے، انھوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا تھا اور اللہ و رسول سے جنگ کی تھی۔ دیکھئے صحیح بخاری (۲۳۳) انھوں نے صحابۂ کرام کو شہید کیا تھا اور ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر دی تھیں۔ دیکھئے صحیح مسلم (۱۶۷۱ وترقیم دارالسلام: ۴۳۶۰)

معلوم ہوا کہ انھیں قصاص میں قتل کیا گیا تھا۔ سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۳۳ کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ و رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد بپا کرتے ہیں تو انھیں قتل اور سولی کی سزا دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیئے جائیں یا انھیں جلاوطن کر دیا جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ اور اگر تم سزا دو تو ویسی ہی سزا دو جیسی تمھیں دی گئی تھی۔ دیکھئے سورۃ النحل: ۱۲۶

مرتدین و مفسدین کے قتل والی اس حدیث کو سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے درج ذیل تابعین نے روایت کیا ہے:

۱: ابوقلابہ (صحیح بخاری وصحیح مسلم ومسند احمد ۳/۱۶۱، ۱۸۶، ۱۹۸)

۲: قتادہ (صحیح بخاری وصحیح مسلم ومسند احمد ۳/۱۶۳، ۱۷۰، ۱۷۷، ۲۸۷، ۲۹۰)

۳: ثابت البنانی (صحیح بخاری: ۵۶۸۵)

۴: عبدالعزیز بن صہیب (صحیح مسلم: ۱۶۷۱، دارالسلام: ۴۳۵۳)

۵: حمید الطویل (صحیح مسلم: ۴۳۵۳ ومسند احمد ۳/۱۰۷، ۲۰۵)

۶: معاویہ بن قرہ (صحیح مسلم: ۱۶۷۱/۱۳۵۸)

۷: یحییٰ بن سعید (سنن النسائی ۱/۱۶۰ ح ۳۰۷ وأعلہ بعلۃ غیر قادحۃ، ۷/۹۸ ح ۴۰۴۰)

۸: سلیمان التیمی (صحیح مسلم: ۱۶۷۱ وسنن الترمذی: ۷۳ وقال: غریب)

معلوم ہوا کہ یہ حدیث سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے متواتر ہے۔

سعید بن جبیر تابعی نے بھی اس مفہوم کی روایت بیان کی۔ (تفسیر ابن جریر ۱۳۳/۶، ۱۳۴ وسندہ صحیح)

تنبیہ: روایتِ مذکورہ، حدود کے نزول سے پہلے کی ہے اور منسوخ ہے۔

دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی (۶۹/۹، ۷۰)

رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مظلوم صحابہ کی دردناک شہادت کا انتقام لے لیا تو اس میں ایذا رسانی کی کیا بات ہے؟ رہا بیمار کے لئے اونٹ کے دودھ اور پیشاب کا مسئلہ تو اس کا تعلق طب سے ہے۔ حکیم محمد نجم الغنی رامپوری کی مشہور کتاب خزائن الادویہ میں اونٹ کے باب میں لکھا ہوا ہے کہ "پیشاب اسکا استسقاء کے لئے نہایت موثر ہے۔" (ج ۲ ص ۲۱۸)

معلوم ہوا کہ یہ مشہور صحیح حدیث دشمنانِ اسلام کی سازش نہیں ہے بلکہ سازشی تو وہ لوگ ہیں جو دن رات عام مسلمانوں کو قرآن وحدیث سے ہٹا کر اپنے پیچھے چلانا چاہتے ہیں۔

مجرم (۱۷): "ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھوت یعنی متعدی بیماری کوئی نہیں ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ کوڑھی سے یوں بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔ (بخاری کتاب الطب۔ صفحہ ۲۵۹)" (اسلام کے مجرم ص ۳۷)

الجواب: بذاتِ خود چھوت یعنی متعدی بیماری کسی کو نہیں لگتی، ہاں اگر اللہ تعالیٰ کوئی بیماری کسی کو لگا دے تو وہ لگ جاتی ہے کیونکہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے لہٰذا ان حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

اگر کسی شخص کو کوئی بیماری لگی ہوئی ہو، پھر اس شخص سے بچا جائے اور احتیاط کی جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ بیماری بذاتِ خود ضرور بالضرور دوسرے کو لگ جاتی ہے بلکہ اس احتیاط و پرہیز کا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر یہ بیماری اللہ کے اذن سے کسی دوسرے کو لگ جائے تو عین ممکن ہے کہ اس شخص کا عقیدہ خراب ہو جائے اور وہ یہ سمجھنا شروع کر دے کہ متعدی بیماری ضرور بالضرور خود بخود دوسرے کو لگ جاتی ہے۔ یہ سمجھنا کہ بیماری کسی دوسرے

کو بذاتِ خود ضرور بالضرور نہیں لگتی اور بیمار سے دور رہ کر احتیاط کرنا عقیدے اور ایمان کی حفاظت ہے اور بالکل صحیح عقیدہ ہے۔

یہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ بعض بیماریوں کو متعدی سمجھا جاتا ہے، پھر یہ بیماریاں بعض لوگوں کو لگ جاتی ہیں لیکن اسی گھر میں اس بیمار کے کئی قریبی رشتہ دار اور دوست احباب اس سے محفوظ رہتے ہیں۔

مجرم (۱۸): ''نحوست تین چیزوں میں ہوتی ہے۔ بیوی میں، گھر میں اور گھوڑے میں۔ (بخاری کتاب الطب۔ صفحہ ۲۷۵)'' (اسلام کے مجرم ص ۳۷)

الجواب: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں عام جھگڑے فساد اور نحوست: عورتوں، جائیداد اور گھوڑوں یعنی فوج کے جھگڑوں کی وجہ سے ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۲۴ ص ۲۵ (یہی کتاب ص ۴۴۔ ۴۶)

منسوخ حدیث سے استدلال کرنا غلط ہوتا ہے۔

مجرم (۱۹): ''ابو ہریرہؓ نے کہا بیمار اونٹ کو تندرست اونٹوں کے پاس نہ لے جاؤ۔ لوگوں نے پوچھا کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نہیں کی کہ چھوت کی بیماری کوئی چیز نہیں تو ابو ہریرہؓ حبشی زبان میں نہ جانے کیا بکنے لگے۔ (بخاری کتاب الطب۔ صفحہ ۲۸۱)'' (اسلام کے مجرم ص ۳۷)

الجواب: یہ روایت صحیح بخاری (۵۷۷۱) میں موجود ہے لیکن ''حبشی زبان میں نہ جانے کیا بکنے لگے۔'' کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔ لکھا ہے کہ ''فرطن بالحبشیة'' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حبشی زبان میں کلام کیا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۹، کتاب الطب باب لا ھامة ح ۵۷۷۱)

''بکنے لگے'' کے الفاظ لکھ کر ڈاکٹر مجرم صاحب نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی کی ہے۔

اس حدیث کا بھی یہی مفہوم ہے جو مجرم کے اعتراض نمبر ۱۷ کے جواب میں گزر چکا ہے کہ اس عقیدے کے ساتھ احتیاط اور پرہیز کرنا برحق ہے کہ متعدی بیماری بذاتِ خود چھوت کے ذریعے سے کسی کو نہیں لگتی۔ ہاں یہ علیحدہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تقدیر، قدرت اور اذن سے یہ بیماری کسی دوسرے کو لگا دے۔

مجرم (۲۰): ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ غلام مجھ سے کون خریدتا ہے؟ حضرت نعیم نے اُسے ۸۰۰ درہم میں خرید لیا۔ (کتاب الاکراہ بخاری ۔صفحہ ۶۶۹) کیا نبی رسول صلی اللہ علیہ وسلم غلام فروخت کرتے تھے؟'' (اسلام کے مجرم ص ۴۰)

الجواب: ایک انصاری صحابی (جو قرضدار تھے) نے وصیت کی کہ ان کا زرخرید غلام ان کی وفات کے بعد آزاد ہے۔ اس انصاری کا اور کوئی مال نہیں تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے (غلام کے مالک کی زندگی میں) اس قبطی غلام کو ۸۰۰ درہم کے بدلے میں نعیم بن نحام رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بیچ دیا۔ (صحیح بخاری: ۶۹۴۷)

یہ رقم آپ نے اس شخص کو (جو غلام کا مالک تھا) دے دی تھی کیونکہ وہ ضرورت مند تھا۔ آپ نے فرمایا: ''پہلے اپنے آپ سے شروع کرو...'' الخ (صحیح مسلم: ۲۳۱۳/۹۹۷)

ایک آدمی کی جان قرضے میں پھنسی ہوئی ہے اور وہ صدقے کرتا پھرے؟ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔ رہا غلاموں کی خرید وفروخت تو عرض ہے کہ قرآن مجید میں کئی مواقع پر غلام آزاد کرنے کا حکم ہے۔ مثلاً دیکھئے سورۃ النساء (۹۲) سورۃ المائدۃ (۸۹) اور سورۃ المجادلۃ (۳) معلوم ہوا کہ غلاموں کی خرید وفروخت جائز ہے ورنہ آدمی غلام آزاد کرنے کے لئے کہاں سے لائے گا؟

مجرم (۲۱): ''صحابہ کرامؓ کو ایک غزوہ میں لونڈیاں حاصل ہوئیں۔ چاہا کہ ان ساتھ صحبت کریں لیکن حمل نہ ٹھہرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کے بارے میں سوال کیا (یعنی برتھ کنٹرول) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نعوذ باللہ فرمایا حل تفعلون بالفرج؟ کیا تم...(بخاری کتاب التوحید)''

(اسلام کے مجرم ص ۴۰)

الجواب: صحیح بخاری (۷۴۰۹) میں سیدنا ابو سعید الخدری ﷺ سے روایت ہے کہ غزوہ بنی المصطلق کے مالِ غنیمت میں لونڈیاں ملیں تو صحابہ نے چاہا کہ وہ ان سے فائدہ اٹھائیں اور انھیں حمل بھی نہ ٹھہرے۔ پس انھوں نے نبی ﷺ سے عزل کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: اگر تم عزل کرو تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اللہ نے جسے قیامت تک پیدا کرنا

ہے، اسے لکھ رکھا ہے یعنی وہ پیدا ہو کر رہے گا۔

اس حدیث پر اعتراض کی کیا بات ہے؟ اپنی لونڈی سے جماع کرنا بتصریحِ قرآن جائز ہے۔ مثلاً دیکھئے المومنون: ۵، ٦

عزل کا مطلب ہے شرمگاہ سے باہر پانی نکالنا۔ منع اور جواز کے دلائل کو مدِ نظر رکھتے ہوئے عرض ہے کہ کسی عذر کی بنا پر خاوند کے لئے جائز ہے کہ اپنی بیوی سے عزل کرے۔

یاد رہے کہ حدیث میں کمائی کھانے کے بجائے فائدہ اٹھانے کے الفاظ ہیں۔ اگر شرعی لونڈیاں ہوں تو دینِ اسلام میں ان سے فائدہ اٹھانا مالکوں کے لئے جائز ہے۔

تنبیہ: اس کے بعد اگلے صفحے پر ڈاکٹر صاحب نے صحیح بخاری سے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول پیش کیا ہے۔ جس میں في کے بعد دبرھا کا لفظ موجود نہیں۔ اس قول کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں:

اول: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اپنی بیوی سے پچھلی طرف سے اگلی شرمگاہ، جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے میں جماع کرنا جائز ہے۔ صحیح بخاری (۴۵۲۸) میں اس اثر کے فوراً بعد سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہی مفہوم ثابت ہوتا ہے اور یہی راجح ہے۔ (دیکھئے ص ۳۹۔ ۴۱)

دوم: وہ بیوی کی دبر میں جماع جائز سمجھتے تھے، اگر یہ مفہوم مراد لیا جائے تو دو وجہ سے مردود ہے:

۱: یہ منسوخ ہے کیونکہ دبرھا کا لفظ کاٹ دیا گیا ہے۔ نیز دیکھئے التلخیص الحبیر (۳/۱۵۸ ح ۱۵۴۲)

۲: یہ قول ان صحیح مرفوع احادیث کے خلاف ہے جن میں اس فعل پر شدید رد اور وعید آئی ہے اور یہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مقابلے میں صحابی وغیرہ کا قول رد ہو جاتا ہے۔

مجرم (۲۲): ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' مجھے دوزخ دکھلائی گئی اور وہاں زیادہ تر عورتیں پائی گئیں۔ (بخاری کتاب الایمان۔ صفحہ ۱۰۲)'' (اسلام کے مجرم ص ۴۴)

الجواب: صحیح بخاری (۲۹) والی یہ حدیث اس مفہوم کے ساتھ بخاری کے وجود سے پہلے

موطأ امام مالک (۱/۱۸۶، ۱۸۷ ح ۴۴۶) کتاب الام للشافعی (۱/۲۴۲) اور مسند احمد (۱/۲۹۸ ح ۲۷۱۱) وغیرہ میں موجود ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی عام عورتیں کثرت سے جہنم میں جائیں گی، وجہ یہ ہے کہ عورتوں کی اکثریت شرک، کفر اور جہالت میں مبتلا ہے جس کا مشاہدہ کسی قبر یا غیر اللہ کی کسی عبادت گاہ پر کیا جا سکتا ہے لیکن اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ساری عورتیں جہنم میں جائیں گی۔ ایماندار اور تقویٰ دار عورتیں اللہ کے فضل و کرم سے جنت میں جائیں گی اور جہنم سے دور اور محفوظ رہیں گی جیسا کہ بے شمار دلائل سے ثابت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جنت کی عورتوں کی سردار قرار دیا ہے۔

دیکھئے سنن الترمذی (۳۷۸۱) وقال: ''حسن غریب'' صحیح البخاری (۳۶۲۴) صحیح مسلم (۲۴۵۰) صحیح ابن خزیمہ (۱۱۹۴) اور صحیح ابن حبان (۲۲۲۹)

مجرم (۲۳): ''محمود بن ربیع فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے منہ میں کلی کی جب میں پانچ سال کا تھا۔ (بخاری، کتاب العلم۔ ص ۱۳۰) آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم انسانی مساوات کے پیغامبر تھے اور پاکیزگی پر عمل پیرا۔'' (اسلام کے مجرم ص ۴۴)

الجواب: صحیح ترجمہ ''میرے منہ میں کلی کی'' نہیں بلکہ میرے چہرے پر کلی کی۔ فی بمعنی علیٰ ہے جیسا کہ لغت اور تراجم حدیث سے ثابت ہے۔ نبی پاک ﷺ کا پیار اور تبرک کے لئے پانچ سال کے معصوم بچے کے چہرے پر پاک پانی کی کلی پیار سے پھینکنا بھی ان منکرینِ حدیث کے نزدیک جرم بن گیا ہے، حالانکہ سیدنا محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ اس کلی کو یاد رکھتے ہوئے بطور فخر بیان کیا کرتے تھے۔

مجرم (۲۴): ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا غصہ آیا کہ آپ کے دونوں گال سرخ ہو گئے اور آپ کا چہرہ لال ہو گیا۔ (بخاری کتاب العلم۔ صفحہ ۱۳۶)'' (اسلام کے مجرم ص ۴۴)

الجواب: رسول اللہ ﷺ نورِ ہدایت ہونے کے ساتھ بشر بھی ہیں لہٰذا اگر کسی ناپسندیدہ بات کے سننے کے بعد آپ کو غصہ آ گیا تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟ قرآنِ مجید میں موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام غصے ہوئے، آپ نے

تورات کی تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔

دیکھئے سورۃ الاعراف (۱۵۰) اس واقعے کے بارے میں منکرینِ حدیث کا کیا خیال ہے؟

مجرم (۲۵): ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات فرمایا حجرے والیوں (یعنی امہات المومنین) کو جگا دو بہت سی لباس والیاں ایسی ہیں کہ آخرت میں ننگی ہوں گی۔ (بخاری کتاب العلم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے بارے میں درشت نہ تھے۔'' (اسلام کے مجرم ص ۴۵)

الجواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ﷺ درشت نہ تھے لیکن اس حدیث میں درشت ہونے کی کوئی بات نہیں بلکہ صرف دو باتوں کا ذکر ہے۔

۱: میری بیویوں کو تہجد کی نماز کے لئے جگا دو۔

۲: دنیا کی بہت سی عورتیں قیامت کے دن ننگی رہیں گی۔

پہلے جزء کا تعلق امہات المومنین سے ہے جبکہ دوسرے جزء کا ان سے کوئی تعلق نہیں بلکہ دنیا کی عام عورتوں کے لئے عام خطاب ہے لہٰذا اعتراض کی بنیاد ہی باطل ہے۔

مجرم (۲۶): ''ام سلمہؓ نے فرمایا۔ اگر عورت کو احتلام نہ ہو تو بچہ اس کا ہم شکل کیوں ہوتا ہے؟ (کتاب العلم بخاری۔ صفحہ ۱۵۰)'' (اسلام کے مجرم ص ۴۵)

الجواب: صحیح بخاری (۱۳۰) اور کتبِ حدیث میں یہ آیا ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے (شرم وحیا سے) اپنا چہرہ چھپاتے ہوئے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں! ورنہ بچہ اپنی ماں کے کیوں مشابہ ہوتا ہے؟

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی (بعض اوقات) احتلام ہو جاتا ہے لہٰذا اس میں اعتراض والی کوئی بات نہیں ہے۔ کیا قرآنِ مجید میں کہیں یہ لکھا ہوا ہے کہ عورت کو احتلام نہیں ہوتا؟ یاد رہے کہ اس مرفوع حدیث کو نام نہاد ڈاکٹر صاحب نے اپنی جہالت کی وجہ سے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا قول بنا دیا ہے۔ سبحان اللہ!

مجرم (۲۷): ''حضرت علیؓ فرماتے ہیں مجھے جریان تھا جس سے میری مذی نکلا کرتی تھی۔ (کتاب العلم۔ ص ۱۵۰)'' (اسلام کے مجرم ص ۴۵)

الجواب: سیدنا علی رضی اللہ عنہ انسان تھے اور انسانوں کی ایک مشہور بیماری جریان ہے جو بعض مردوں کو لاحق ہوتی ہے۔ کسی حکیم یا ڈاکٹر سے اس بیماری کی معلومات دریافت کی جا سکتی ہیں۔ منکرِ حدیث کو یہ چاہیے تھا کہ قرآن وحدیث سے یہ ثابت کرتا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مذی کی بیماری نہیں تھی۔

مجرم (۲۸): ''عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں ایک دن میں اپنے گھر کی چھت پر چڑھا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف منہ کئے دو کچی اینٹوں پر رفع حاجت کے لئے بیٹھے ہیں۔ کیا صحابہؓ ایسی باتیں کہہ سکتے تھے؟ (کتاب الوضو بخاری۔ صفحہ ۱۵۵)'' (اسلام کے مجرم ص ۴۵)

الجواب: جی ہاں! یہ حدیث سچی ہے اور سچی حدیثیں اُمت کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے ہی بتائی ہیں لہٰذا اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟

صحیح بخاری (۱۴۹) موطأ امام مالک (۱/۱۹۳، ۱۹۴ ح ۴۵۷) اختلاف الحدیث للشافعی (ہامش الام ۱/۲۳) اور مسند احمد (۲/۴۱) وغیرہ کی اس صحیح حدیث سے کئی مسئلے ثابت ہوتے ہیں مثلاً:

۱: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں۔

۲: قضائے حاجت کے وقت قبلے کی طرف پیٹھ کرنا جائز ہے۔

۳: مکان کی چھت پر چڑھنا جائز ہے بشرطیکہ پڑوسی کو اعتراض وتکلیف نہ ہو۔

۴: بیٹھ کر پیشاب کرنا مسنون ہے۔

۵: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر ہر لمحہ یاد کر کے بیان فرما دیا ہے۔

۶: گھروں میں لیٹرین (بیت الخلاء) بنانا جائز ہے۔

مجرم (۲۹): ''ابوموسیٰؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالے میں اپنے دونوں ہاتھ اور منہ دھویا اور پھر اس میں کلی کی پھر ابوموسیٰؓ اور بلالؓ سے کہا اس میں سے کچھ پی لو۔ (کتاب الوضو بخاری۔ صفحہ ۱۶۸)'' (اسلام کے مجرم ص ۴۵)

الجواب: منکرِ حدیث کو پاک نبی ﷺ کی پاک کلی والے پانی کے پی لینے پر اعتراض ہے حالانکہ صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے پیارے اور پاک نبی ﷺ کے تھوک اور وضو کے پانی کو (محبت کے اظہار کے لئے) اپنے جسموں پر ملتے تھے۔

دیکھئے صحیح بخاری (۲۷۳۱، ۲۷۳۲)

اے کاش! ہمیں رسول اللہ ﷺ کا ایک بال ہی مل جاتا تو یہ ہمارے لئے سونے چاندی سے بلکہ ساری دنیا سے زیادہ قیمتی ہوتا۔

مجرم (۳۰): ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کے گھوڑے پر آئے اور وہیں کھڑے کھڑے پیشاب کیا۔ (کتاب الوضو بخاری۔ صفحہ ۱۷۷)'' (اسلام کے مجرم ص ۴۵)

الجواب: کوڑے کرکٹ کے جس ڈھیر (گھورے) کے پاس رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا تھا وہاں کسی آدمی کا آپ ﷺ کی شرمگاہ کی طرف دیکھنا قطعاً ثابت نہیں ہے۔ حافظ ابوعوانہ کی تبویب (مسند ابی عوانہ ۱/۱۹۶، ۱۹۷) سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں دیوار تھی اور درخت تھے۔

فتح الباری (۱/۳۲۸) سے واضح ہے کہ وہاں پیشاب کے چھینٹے پڑنے کا کوئی خطرہ نہیں تھا نیز دیکھئے السنن الکبری للبیہقی (۱/۱۰۱) لکھا ہوا ہے کہ آپ نے دیوار کے پیچھے پیشاب کیا تھا۔ صحیح بخاری (۲۲۴) وغیرہ کی اس حدیث سے حالتِ عذر میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا جواز ثابت ہے۔ دیوبندی حلقے کے مشہور عالم محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

''اس سے معلوم ہوا کہ کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر دونوں طرح پیشاب کرنا جائز ہے، البتہ عام معمول چونکہ نبی کریم ﷺ کا بیٹھ کر پیشاب کرنے کا تھا اس واسطے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو مکروہ تنزیہی کہا گیا ہے۔'' (انعام الباری دروس بخاری ج ۲ ص ۳۵۴)

سیدنا بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں غلط ہیں (۱) آدمی کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار ۱/۲۶۶ ح ۵۴۷ وسندہ حسن) معلوم ہوا کہ بغیر شرعی عذر اور بغیر شرعی حدود کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا صحیح نہیں

بلکہ غلط ہے۔ ساری صحیح احادیث کو سلف صالحین کے فہم کی روشنی میں مدِنظر رکھنا ضروری ہے۔

مجرم (۳۱): ''ابوسلمہؒ کہتے ہیں کہ میں اور عائشہ کے بھائی عائشہؓ کے پاس گئے اور ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل جنابت کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے غسل کر کے دکھایا اور اپنے سر پر پانی بہایا ہمارے اور ان کے درمیان ایک پردہ حائل تھا۔ (کتاب الغسل، بخاری۔ ص ۱۸۵) مظاہرہ کرنا قطعی ضروری نہ تھا، زبانی بتا دیا ہوتا یا ابوسلمہؒ اپنی بیوی کو بھیج کر صحیح غسل کا پتہ چلا سکتا تھا بعد میں اُن سے خود دیکھتا۔'' (اسلام کے مجرم ص ۴۵، ۴۶)

الجواب: اس سلسلے میں ایک سوال کے جواب میں راقم الحروف نے تفصیلی بحث و تحقیق ماہنامہ الحدیث حضرو: ۲ میں شائع کی تھی۔ وہی سوال و جواب بعض اصلاح کے ساتھ پیش خدمت ہے:

سوال: صحیح بخاری کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دو مردوں کے سامنے غسل کیا تھا۔ شیعہ اور منکرینِ حدیث یہ حدیث بیان کر کے صحیح بخاری پر اعتراض کرتے ہیں، آپ سے درخواست ہے کہ ہمیں اس حدیث کا مفہوم سمجھائیں۔ جزاکم اللہ خیراً۔ (حافظ اسد علی، خیر باڑہ، غازی ضلع ہری پور)

جواب: امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **" حدثنا عبداللہ بن محمد قال: حدثني شعبة قال: حدثني أبوبكر بن حفص قال: سمعت أبا سلمة يقول: دخلت أنا وأخو عائشة علٰی عائشة فسألها أخوها عن غسل النبي ﷺ؟ فدعت بإناء نحو من صاع فاغتسلت وأفاضت علٰی رأسها وبيننا وبينها حجاب "**

(صحیح بخاری: کتاب الغسل باب الغسل بالصاع ونحوہ، ح ۲۵۱)

ابوسلمہ (بن عبدالرحمٰن) فرماتے ہیں کہ: میں اور عائشہ (رضی اللہ عنہا) کا (رضاعی) بھائی (ہم دونوں) عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس گئے، آپ کے (رضاعی) بھائی نے نبی ﷺ کے (سر مبارک کے) غسل کے بارے میں پوچھا (کہ یہ کیسا تھا؟) تو انھوں (عائشہ رضی اللہ عنہا) نے صاع (ڈھائی کلو) کے برابر (پانی کا) ایک برتن منگوایا پھر انھوں نے غسل کیا اور اپنے سر پر

پانی بہایا، ہمارے اور ان کے درمیان پردہ تھا۔

اس حدیث کو اس مفہوم کے ساتھ امام مسلم (۳۲۰/۴۲، دارالسلام: ۷۲۸) نسائی (الصغریٰ ۱/۱۲۷ ح ۲۲۸ والکبریٰ ۱/۱۱۶ ح ۲۳۲) احمد بن حنبل (المسند ۶/۷۱، ۷۲ ح ۲۴۹۴۴، ۶/۱۴۳ ح ۲۵۶۲۰) ابونعیم الاصبہانی (المستخرج علیٰ صحیح مسلم ۱/۳۷۰ ح ۷۲۰) ابوعوانہ (المسند المستخرج ۱/۲۹۵، ۲۹۶) اور بیہقی (السنن الکبریٰ ۱/۱۹۵) نے شعبہ (بن الحجاج) کی سند سے مختصراً و مطولاً بیان کیا ہے۔ اس روایت کے مفہوم میں درج ذیل باتیں اہم ہیں:

۱: صحابہ کرام کے دور میں اس بات پر شدید اختلاف ہو گیا تھا کہ غسل جنابت کرتے وقت عورت اپنے سر کے بال کھولے گی یا نہیں، اور یہ کہ غسل کے لئے کتنا پانی کافی ہے، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ عورتوں کو حکم دیتے تھے کہ غسل کرتے وقت اپنے سر کے بال کھول کر غسل کریں۔ اس پر تعجب کرتے ہوئے امی عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "**یا عجبًا لابن عمرو هذا یأمر النساء إذا اغتسلن أن ینقضن رؤوسهن ، أفلا یأمرهن أن یحلقن رؤوسهن**" !؟ ابن عمرو پر تعجب ہے کہ وہ عورتوں کو حکم دیتے ہیں کہ غسل کرتے وقت اپنے سر کے بال کھول دیں کیا وہ انہیں یہ حکم نہیں دے دیتے کہ وہ اپنے سر کے بال منڈوا ہی دیں؟

(صحیح مسلم: ۳۳۱/۵۹، دارالسلام: ۷۴۷)

۲: عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما پر رد کے لئے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عملاً سر پر پانی ڈال کر سمجھایا کہ بال کھولنا ضروری نہیں ہے۔

۳: محدث ابوعوانہ الاسفرائنی (متوفی ۳۱۶ھ) نے اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے:

"**باب صفة الأواني التي كان يغتسل منها رسول الله ﷺ ، وصفة غسل رأسه من الجنابة ، دون سائر جسده**"

رسول اللہ ﷺ کے غسل والے برتنوں کا بیان، اور غسل جنابت میں، باقی سارے جسم کو چھوڑ کر (صرف) سر دھونے کی صفت کا بیان۔ (صحیح ابی عوانہ ۱/۲۹۴)

محدث کبیر کی اس تبویب سے معلوم ہوا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے صرف سر دھو کر

دکھایا تھا، باقی جسم دھو کر نہیں دکھایا تھا۔

۴: صحیح مسلم والی روایت میں آیا ہے کہ " فافرغت علی راسھا ثلاثاً "

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے سر پر تین دفعہ (بال کھولنے کے بغیر ہی) پانی بہایا تھا۔ (۳۲۰/۴۲) باقی جسم کے غسل کا ذکر اس روایت میں قطعاً نہیں ہے۔

۵: صحیح بخاری و صحیح مسلم میں آیا ہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شاگردوں کے درمیان (موٹا) پردہ (حجاب، ستر) تھا۔ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کر رہے تھے " فاطمة ابنته تستره بثوب " اور آپ کی بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) نے ایک کپڑے کے ذریعے سے آپ کا پردہ کر رکھا تھا۔

(موطأ امام مالک ۱۵۲/۱ ح ۳۵۶ بتحقیقی، وصحیح البخاری: ۳۵۷ وصحیح مسلم: ۲۳۶/۸۲ بعد ح ۷۱۹)

یہ ظاہر ہے کہ پردے کے پیچھے سے نظر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ورنہ پھر پردے کا مقصد کیا ہے؟

۶: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی عبداللہ بن یزید البصری تھے (ارشاد الساری للقسطلانی ج ۱ ص ۳۱۷) یا کثیر بن عبید الکوفی تھے (فتح الباری ۳۶۵/۱) ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھانجے تھے (فتح الباری ۳۶۵/۱) معلوم ہوا کہ یہ دونوں شاگرد، غیر محرم نہیں بلکہ محرم تھے، دینِ اسلام میں محرم سے سر، چہرے اور ہاتھوں کا کوئی پردہ نہیں ہے۔

۷: عبدالرحمٰن دیوبندی لکھتے ہیں: "حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہونے والے یہ دونوں محرم تھے، حضرت عائشہؓ نے ان کے سامنے پردہ ڈال کر غسل کیا اور دونوں نے حضرت عائشہؓ کا سر اور اوپر کا بدن دیکھا جو محرم کو دیکھنا درست ہے لیکن جسم کے باقی اعضاء جن کا مستور رکھنا محرم سے بھی ضروری ہے وہ پردہ میں تھے"

(فضل الباری ج ۲ ص ۴۲۸، از افادات شبیر احمد عثمانی دیوبندی)

۸: غلام رسول سعیدی بریلوی لکھتے ہیں: "اس حدیث پر منکرین حدیث اعتراض کرتے

ہیں کہ ان احادیث کو ماننے سے لازم آتا ہے کہ اجنبی مرد حضرت عائشہ سے سوال کرتے تھے اور وہ ان کو غسل کر کے دکھا دیتی تھیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مرد اجنبی نہ تھے۔ ان میں سے ابو سلمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے "رضاعی بھتیجے تھے" اور دوسرے عبداللہ بن یزید آپ کے رضاعی بھائی تھے۔ غرض دونوں محرم تھے، آپ نے حجاب کی اوٹ میں غسل کیا اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ازواج مطہرات کپڑوں کے ساتھ غسل کرتی تھیں اور اس سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ ان کو شرح صدر ہو جائے کہ اتنی مقدار پانی غسل کے لئے کافی ہوتا ہے۔ علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: قاضی عیاض نے کہا: اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ ان دونوں نے سر اور جسم کے اس بالائی حصہ میں غسل کا عمل دیکھا جس کو دیکھنا محرم کے لئے جائز ہے اور اگر انہوں نے اس عمل کا مشاہدہ نہ کیا ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پانی منگانے اور ان کی موجودگی میں غسل کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ستر کا انتظام، سر اور چہرے کے نچلے حصے کے لئے کیا تھا جس کو دیکھنا محرم کے لئے جائز نہیں ہے" (شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۱۹، ۱۰۲۹)

خلاصہ یہ کہ اس حدیث میں صرف یہ مسئلہ بیان ہوا ہے کہ غسل میں، سر کے بال کھولے بغیر ہی سر پر تین دفعہ پانی ڈالنا چاہیے، اس حدیث کا باقی جسم کے غسل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (ماہنامہ الحدیث: ۲ ص ۳۰ تا ۳۳، جولائی ۲۰۰۴ء)

یہ صحیح ہے کہ مظاہرہ کرنا قطعی ضروری نہ تھا لیکن اگر اپنے بھائی بھانجے کو عملاً سر پر پانی ڈال کر مسئلہ سمجھا دیا تو اس میں قباحت بھی نہیں ہے۔

مجرم (۳۲): "عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم میں سے کسی کو حیض آتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اختلاط کرنا چاہتے تو حیض کے غلبہ کے دوران ازار (لنگی تہبند) باندھنے کا حکم دیتے اور پھر اختلاط فرماتے۔ (کتاب الحیض بخاری۔ صفحہ ۱۹۸) قرآن اس سے منع فرماتا ہے۔" (اسلام کے مجرم ص ۴۶)

الجواب: صحیح بخاری (۳۰۲) کی اس حدیث میں مباشرت (اختلاط) سے مراد یہ ہے کہ شوہر اور بیوی دونوں کپڑے پہنے ہوئے، ازار باندھے ہوئے اکٹھے لیٹ جائیں تو جائز ہے

بشرطیکہ جماع نہ کریں کیونکہ حالتِ حیض میں جماع کرنا حرام ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ اپنی شہوت پر کنٹرول کرنے والے تھے یعنی آپ حالت حیض میں مباشرت تو فرماتے لیکن جماع ہرگز نہیں کرتے تھے۔ قرآنِ مجید میں جس مباشرت اور قربت سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد جماع ہے۔ دیکھئے تفسیر ابن جریر الطبری (۲/۲۲۵) لہٰذا قرآن و حدیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ والحمد للہ

مجرم (۴۳): ''عائشہؓ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں ہمارے بوسے لیا کرتے تھے اور مباشرت کیا کرتے تھے۔ (بخاری، کتاب سوم صفحہ ۶۹۱) کیا یہ سچ ہوسکتا ہے؟ کیا واقعی امام بخاری نے یہ حدیث لکھی ہوگی؟'' (اسلام کے مجرم ص ۴۷)

الجواب: صحیح بخاری (کتاب الصوم: ۱۹۲۷، ۱۹۲۸) کی یہ حدیث بالکل صحیح ہے، اسے امام بیہقی اور امام بغوی دونوں نے امام بخاری سے نقل کر رکھا ہے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۴/۲۳۰، شرح السنۃ للبغوی ۶/۲۷۶ ح ۱۷۴۹)

امام بخاری کے علاوہ اس حدیث کو معمولی اختلاف کے ساتھ امام مالک (الموطأ ۱/۲۹۲ ح ۶۵۲) امام شافعی (کتاب الام ۲/۹۸) اور امام احمد بن حنبل (المسند ۶/۴۲ ح ۲۴۱۵۴) نے بھی روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں مباشرت سے مراد اپنی بیوی کے ساتھ صرف لیٹنا اور پیار کرنا ہے بشرطیکہ آدمی اپنی شہوت پر کنٹرول کر سکے۔ یہاں مباشرت سے مراد جماع ہرگز نہیں ہے۔ اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ بڑی عمر کا شوہر جسے اپنی شہوت پر مکمل کنٹرول حاصل ہے، اپنی بیوی کا روزے کی حالت میں بوسہ لے سکتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ بات قرآنِ مجید کی کسی آیت کے خلاف نہیں ہے۔

مجرم (۴۴): ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کی اذان دی جاتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر گوز کرتا یعنی ہوا خارج کرتا ہوا بھاگتا ہے۔ (بخاری۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۰۱) کیا یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک ہوسکتی ہے؟'' (اسلام کے مجرم ص ۴۷)

الجواب: صحیح بخاری (۶۰۸) وموطا امام مالک (۱/۶۹، ۷۰ ح ۱۴۹) والصحیفۃ الصحیحۃ للامام ہمام بن منبہ (۲۶) اور مسند احمد (۲/۳۱۳ ح ۸۱۳۹) وغیرہ کی اس صحیح حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اذان سن کر شیطان بھاگتا ہے اور آواز کے ساتھ اپنی ہوا نکالتا ہے۔ بعض مواقع پر شیطان کا پیٹھ پھیر کر بھاگنا قرآنِ مجید سے ثابت ہے۔ دیکھئے سورۃ الانفال (۴۸)

رہا اس کی ہوا کا خارج ہونا تو اس پر تعجب کی کیا بات ہے؟ جب انسان کی ہوا خارج ہوتی ہے تو کیا شیطان کی ہوا خارج نہیں ہو سکتی؟

مجرم (۳۵): ''عمرو بن میمونؒ کہتے ہیں کہ میں نے زمانۂ جاہلیت میں ایک بندر کو دیکھا کہ بہت سے بندر اس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ اس نے بندریا کے ساتھ زنا کیا تھا سب بندروں نے سنگسار کیا۔ میں نے بھی ان کے ساتھ اسے سنگسار کیا۔ ایک اور حدیث میں یہ بیان بھی ہے کہ وہ بندریا ایک ادھیڑ عمر بندر کے ساتھ لیٹی تھی۔ ایک جوان بندر آیا اور آنکھ مار کر اسے اپنے ساتھ لے گیا پھر انہوں نے زنا کیا۔ (بخاری جلد دوم۔ صفحہ ۲۰۱) جانور پر شرعی قانون؟'' (اسلام کے مجرم ص ۴۷، ۴۸)

الجواب: یہ حدیث نہیں بلکہ عمرو بن میمون تابعی رحمہ اللہ کا بیان کردہ واقعہ ہے۔ اس واقعے میں بندروں سے مراد جن ہیں۔ دیکھئے ص ۳۷۔ ۳۹

مجرم (۳۶): ''آفتاب شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔ (بخاری جلد دوم۔ صفحہ ۱۳۴)'' (اسلام کے مجرم ص ۴۸)

الجواب: صحیح بخاری (۳۲۷۳) وصحیح مسلم (۸۲۸، ترقیم دارالسلام: ۱۹۲۵) والی یہ حدیث درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

مسند احمد (۲/۱۳ ح ۴۶۱۲ وسندہ صحیح) صحیح ابن خزیمہ (۱۲۷۳) صحیح ابن حبان (۱۵۴۳) صحیح ابی عوانہ (۱/۳۸۲، ۳۸۳) السنن الکبریٰ للنسائی (۱۵۵۱)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ درج ذیل صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی یہ حدیث بیان کی ہے:

۱: سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ (صحیح ابن خزیمہ: ۱۲۷۴ وسندہ صحیح)

۲: عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ (صحیح مسلم: ۸۳۲، دارالسلام: ۱۹۳۰)

۳: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (صحیح ابن خزیمہ: ۱۲۷۵ وسندہ حسن، ابن ماجہ: ۱۲۵۲ وسندہ حسن)

۴: عائشہ رضی اللہ عنہا (السنن الصغریٰ للنسائی ۱/۲۷۹ ح ۵۷۱ وسندہ صحیح)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شیطان طلوع شمس اور غروب شمس کے وقت اپنے دونوں سینگ رکھتا ہے۔ (موطا امام مالک ۱/۲۲۱ ح ۵۱۸ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور سورج کا شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان طلوع وغروب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت وہاں شیطان اپنے سینگوں سمیت کھڑا ہو جاتا ہے تاکہ لوگ اس کی طرف سجدہ کریں۔

مجرم (۳۷): ''کیا تم کسی جانور کو دیکھتے ہو کہ وہ ناقص الاعضاء یعنی بغیر کان آنکھ یا ناک یا بغیر پنجے کے پیدا ہوا ہے (یعنی ایسا کبھی نہیں ہوتا) (بخاری شریف جلد اول۔ صفحہ ۵۲۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلاف حقیقت بات کیسے فرما سکتے ہیں؟ جانور ناقص الاعضاء آئے دن پیدا ہوتے ہیں۔''

(اسلام کے مجرم ص ۵۴، ۵۵)

الجواب: صحیح بخاری (۱۳۵۸، ۱۳۵۹) وصحیح مسلم (۲۶۵۸) کی اس حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی (وغیرہ) بنا دیتے ہیں جس طرح ہر جانور صحیح وسالم بچہ جنتا ہے کیا تم ان میں کوئی کان کٹا بچہ بھی دیکھتے ہو؟ پھر (سیدنا) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے۔ الآیۃ

یہ حدیث اس مفہوم اور کئی سندوں کے ساتھ صحیح بخاری وصحیح مسلم سے پہلے الصحیفۃ الصحیحۃ للامام ہمام بن منبہ (۶۶) مصنف عبدالرزاق (۱۱/۱۱۹ ح ۲۰۰۸۷) مسند احمد (۲/۲۷۵ ح ۷۷۱۲) موطأ امام مالک (۱/۲۴۱ ح ۵۷۲) اور مسند الحمیدی (بتحقیقی: ۱۱۱۹ وسندہ صحیح) وغیرہ میں موجود ہے۔

اس حدیث کا مطلب صرف یہ ہے کہ عام طور پر جانور صحیح وسالم پیدا ہوتے ہیں لیکن انسان اُن کے کان کاٹ کر کن کٹا بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح عام طور پر انسان دین اسلام پر

پیدا ہوتے ہیں لیکن ان کے والدین انھیں کافر و مشرک بنا دیتے ہیں۔ "یعنی ایسا کبھی نہیں ہوتا" کے الفاظ حدیث میں نہیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی ہر بات حقیقت پر مبنی ہے اور یہی حق ہے اگرچہ منکرین حدیث اس کا کتنا بھی انکار کرتے پھریں۔

مجرم (۳۸): "فرشتہ ماں کے پیٹ میں ہی تقدیر لکھ دیتا ہے یعنی زندگی، موت اور رزق۔ اعمال بد ہونا اور اچھا ہونا۔ (بخاری کتاب الحیض۔ صفحہ ۲۰۱) اگر ایسا ہوتا تو قرآن کا ہدایت نامہ نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" (اسلام کے مجرم ص ۵۵)

الجواب: صحیح بخاری (۳۱۸) وصحیح مسلم (۲۶۴۶، دارالسلام: ۶۷۳۰) وغیرہما کی اس صحیح حدیث میں لکھا ہوا ہے کہ رب تعالیٰ فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ اس کے رزق، موت، خوش قسمت ہونے، یا بد بخت ہونے کو لکھ دو۔ معلوم ہوا کہ اس حدیث کا تعلق تقدیر سے ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے لہٰذا وہ یقیناً سب جانتا ہے کہ کل کیا ہوگا اور پرسوں کیا ہوگا۔ وہ اپنے علم غیب سے بندے کی تقدیر لکھوا دیتا ہے تو اس پر اعتراض کی کیا بات ہے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا﴾ کہہ دو ہم پر کوئی مصیبت نہیں آئے گی سوائے اس کے جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ رکھی ہے۔ (التوبہ: ۵۱)

نیز دیکھئے سورۃ الحدید (۲۲)

شرح حدیث جبریل کی تشریح میں چھٹے فائدے کے تحت شیخ عبدالمحسن العباد المدنی فرماتے ہیں:

تقدیر پر ایمان (۱)

ششم: ان دونوں تابعین کے سوال کا عبداللہ (بن عمر) رضی اللہ عنہما نے جو جواب دیا اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر کا انکار سنگین (اور خوفناک) بدعت ہے۔

ابن رجب کہتے ہیں کہ تقدیر پر ایمان دو طرح کا ہے:

درجۂ اول: اس پر ایمان کہ بندے جو خیر، شر، اطاعت اور نافرمانی کے اعمال کریں گے، اُن کی پیدائش اور وقوع سے پہلے یہ سب کچھ اللہ کے علم میں ہے (وہ سب جانتا ہے) کہ ان میں کون جنتی اور کون دوزخی ہے۔ اللہ نے ان کی تخلیق وتکوین سے پہلے ان کے اعمال کا بدلہ

ثواب و عذاب کی صورت میں تیار کر رکھا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ نے اپنے پاس لکھ رکھا ہے اور اسے سب معلوم ہے۔ بندے وہی اعمال کرتے ہیں جو پہلے سے اللہ کے علم اور کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

درجۂ دوم: بندوں کے تمام افعال چاہے کفر ہو یا ایمان، اطاعت ہو یا نافرمانی، اللہ نے پیدا کئے ہیں۔ اور وہ ان سے (ایمان واطاعت) چاہتا ہے۔

اہلِ سنت والجماعت اس (عقیدے) کا اقرار کرتے ہیں اور قدریہ (منکرین تقدیر) اس کا انکار کرتے ہیں۔ درجۂ اول کو بہت سے منکرینِ تقدیر بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اُن کے غالی حضرات جیسے معبد الجہنی، جس کے بارے میں ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے سوال ہوا تھا، اور عمرو بن عبید وغیرہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ بہت سے ائمۂ سلف نے کہا ہے کہ قدریہ سے علم پر مناظرہ کرو۔ اگر وہ اس کا اقرار کرلیں تو انھیں شکست ہو جائے گی اور اگر انکار کریں تو کفر کریں گے۔ (یعنی کافر ہو جائیں گے) ان کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کے علمِ قدیم کا انکار کرے جو بندوں کے افعال سے پہلے ہے اور یہ کہ بے شک اللہ نے بندوں کو پیدا کرنے سے پہلے انھیں بدبخت اور خوش بخت میں تقسیم کر دیا ہے اور اسے اللہ نے اپنے پاس محفوظ کتاب میں لکھ دیا ہے، تو اس شخص نے قرآن کا انکار کیا لہٰذا اس سے وہ کافر ہو گیا۔

اور اگر وہ اس کا اقرار کریں اور اس کا انکار کریں تو اللہ نے اپنے بندوں کے افعال پیدا کئے اور اُن سے تکوینی تقدیری ارادہ چاہا (یعنی حق و باطل کے دونوں راستوں کا اختیار دے کر یہ چاہا کہ وہ حق پر چلیں) تو وہ (منکرینِ تقدیر) لاجواب ہو جائیں گے کیونکہ انھوں نے وہ چیز تسلیم کرلی ہے جس کا وہ انکار کر رہے تھے۔

ان لوگوں کی تکفیر میں علماء کے درمیان مشہور اختلاف ہے۔ شافعی، احمد اور دوسرے ائمۂ مسلمین اُس شخص کو کافر کہتے ہیں جو (اللہ کے) علمِ قدیم کا انکار کرتا ہے۔ (جامع العلوم والحکم ۱/۱۰۳، ۱۰۴)

(شرح حدیث جبریل ص ۱۵ تا ۱۷)

دوسرے مقام پر اسی فائدے کی مفصل تشریح کرتے ہوئے شیخ عبدالمحسن فرماتے ہیں:

تقدیر پر ایمان (۲)

ششم: اچھی اور بُری تقدیر پر ایمان کے بارے میں قرآنِ مجید میں بہت سی آیات ہیں اور بہت سی احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسئلۂ تقدیر حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ﴾ بے شک ہم نے ہر چیز کو قدر (تقدیر و مقدار) کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ (القمر:۴۹)

اور فرمایا: ﴿قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا﴾ کہہ دو ہمیں تو وہی مصیبت پہنچتی ہے جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ رکھی ہے۔ (التوبۃ:۵۱)

اور فرمایا: ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ زمین میں اور تمھیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ واقع ہونے سے پہلے ہماری کتاب میں درج ہے، اللہ کے لئے یہ (بہت) آسان ہے۔ (الحدید:۲۲)

رہی سنت تو امام بخاری و امام مسلم نے صحیحین میں تقدیر کے بارے میں کتابیں لکھی ہیں جن میں ایسی بہت سی احادیث ہیں جن سے تقدیر ثابت ہوتی ہے۔

(سیدنا) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک کمزور مومن سے قوی مومن بہتر اور پسندیدہ ہے اور (ان) سب میں خیر ہے۔ جو چیز تجھے نفع دے اُس کی حرص کر، اللہ سے مدد مانگ اور (اس سلسلے میں) سستی نہ کر۔ اگر تجھے کوئی مصیبت پہنچے تو یہ نہ کہہ کہ اگر میں اس طرح اور اس طرح کرتا۔ بلکہ یہ کہہ: اللہ کی یہی تقدیر ہے، اُس نے جو چاہا ہوا۔ کیونکہ لَو (اگر مگر) شیطانی عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ (صحیح مسلم:۲۶۶۴)

طاؤس (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) کو یہ فرماتے ہوئے پایا ہے کہ ہر چیز تقدیر سے ہے اور میں نے عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز تقدیر سے ہے حتیٰ کہ (دماغی) عاجزی اور ذہانت بھی تقدیر سے ہے۔ (صحیح مسلم:۲۶۵۵)

عاجزی اور ذہانت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ تروتازہ کی تروتازگی، سُست کی سُستی اور عاجزی سب تقدیر سے ہے۔ نووی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ ''اس کا معنی یہ ہے کہ عاجز کی عاجزی اور ذہین کی ذہانت تقدیر میں لکھی ہوئی ہے''

(شرح صحیح مسلم ۲۰۵/۱۶)

آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر آدمی کا جنت و دوزخ میں ٹھکانا لکھا ہوا ہے (یعنی جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں جائے گا) تو لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم اسی پر توکل کر کے نہ بیٹھ جائیں؟ تو آپ نے فرمایا: اعمال کرو، جو میسر ہیں (یعنی جنتی کے لئے جنت کے اعمال میسر کیے گئے ہیں لہٰذا اُسے چاہئے کہ وہ جنتیوں کے اعمال کرے) پھر آپ نے یہ آیتیں پڑھیں ﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰیۙ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰیۙ ﴾ سے لے کر ﴿لِلْعُسْرٰی﴾ [سورۃ الّیل: ۵، ۱۰] تک۔

(صحیح بخاری: ۴۹۴۵ و صحیح مسلم: ۲۶۴۷ عن علی رضی اللہ عنہ)

یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ بندوں کے نیک اعمال تقدیر میں ہیں اور انھی سے خوش قسمتی حاصل ہوگی اور یہ بھی تقدیر میں ہے اور بندوں کے بُرے اعمال تقدیر میں ہیں اور ان سے بدبختی حاصل ہوگی اور یہ بھی تقدیر میں ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی نے اسباب بنائے ہیں۔ کوئی چیز بھی اللہ کی تقدیر، فیصلے، تخلیق اور ایجاد سے باہر نہیں ہے۔

(سیدنا) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے (بیٹھا ہوا) تھا تو آپ نے فرمایا: اے لڑکے! میں تجھے کچھ باتیں سکھاتا ہوں، اللہ کو یاد رکھ وہ تجھے یاد رکھے گا، اللہ کو یاد رکھ تُو اسے اپنے سامنے پائے گا۔ جب (مافوق الاسباب) سوال کرے تو اللہ سے سوال کر، اور جب مدد مانگے تو اللہ سے مدد مانگ، اور جان لے کہ اگر سب لوگ تجھے فائدہ پہنچانا چاہیں تو تجھے صرف وہی فائدہ پہنچے گا جو اللہ نے تیرے لئے لکھ رکھا ہے اور اگر سارے لوگ تجھے نقصان پہنچانا چاہیں تو تجھے صرف وہی نقصان پہنچ سکتا ہے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ رکھا ہے۔ قلم اُٹھا لئے گئے اور (تقدیر کے)

صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔ (سنن الترمذی: ۲۵۱۶ وقال: ''ھذا حدیث حسن صحیح'')

تقدیر پر ایمان کے چار درجے ہیں، جن پر عقیدہ رکھنا ضروری ہے:

پہلا درجہ: جو کچھ ہونے والا ہے اُس کے بارے میں اللہ کا علم ازلی وابدی ہے۔ ہر چیز جو ہونے والی ہے، ازل سے اللہ کے علم میں ہے، اللہ کو کسی چیز کے بارے میں قطعاً جدید علم کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ پہلے سے ہی اُسے ہر چیز کا پورا علم ہے۔

دوسرا درجہ: ہر چیز جو واقع ہونے والی ہے، اس کے بارے میں زمین اور آسمانوں کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے، سب کچھ لوحِ محفوظ میں درج ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیریں، زمین و آسمان پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دی ہیں۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ (صحیح مسلم: ۲۶۵۳ من حدیث عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ)

تیسرا درجہ: اللہ کی مشیت اور اس کا ارادہ، جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ کی مشیت سے ہو رہا ہے۔ اللہ کے ملک میں صرف وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ جو اللہ نے چاہا تو ہوا اور جو نہیں چاہا تو نہیں ہوا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ اللہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا حکم صرف یہی ہوتا ہے کہ وہ فرماتا ہے: کُنْ (ہوجا) تو ہو جاتا ہے [یٰس: ۸۲] اور فرمایا: ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور تم جو چاہتے ہو وہ نہیں ہو سکتا الا یہ کہ اللہ رب العالمین چاہے۔ (التکویر: ۲۹)

چوتھا درجہ: جو کچھ ہونے والا ہے اُس کا وجود اور تخلیق اللہ کی مشیت پر ہے، اس کے ازلی علم کے مطابق اور جو اُس نے لوحِ محفوظ میں لکھ رکھا ہے کیونکہ جو کچھ ہونے والا ہے، وہ اشیاء اور ان کے افعال اللہ ہی کے پیدا کردہ ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔ (الزمر: ۶۲)

اور فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ نے تمھیں پیدا کیا ہے اور تم جو اعمال کرتے ہو انھیں (بھی) پیدا کیا ہے۔ (الصّٰفّٰت: ۹۶)

تقدیر پر ایمان، اُس غیب پر ایمان ہے جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ تقدیر میں جو

کچھ ہے اس کا واقع ہونا لوگوں کو دو طرح سے معلوم ہو سکتا ہے:

① - کسی چیز کا واقع ہو جانا، جب کوئی چیز واقع ہو جاتی ہے تو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ تقدیر میں یہی تھا، اگر یہ تقدیر میں نہ ہوتا تو واقع ہی نہ ہوتا۔ کیونکہ اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور وہ جو نہیں چاہتا تو نہیں ہوتا۔

② - مستقبل میں ہونے والے واقعات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئیاں مثلاً دجال، یاجوج و ماجوج اور نزول عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) وغیرہ اُمور کے بارے میں آپ کی پیش گوئیاں، جو کہ آخری زمانے میں وقوع پذیر ہوں گی۔ یہ پیش گوئیاں اس کی دلیل ہیں کہ ان اُمور کا واقع ہونا ضروری ہے۔ یہی اللہ کی تقدیر اور فیصلے میں لکھا ہوا ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ کی وہ پیش گوئیاں جو آپ نے اپنے زمانے کے قریب واقع ہونے والے اُمور کے بارے میں فرمائی ہیں۔ انھی میں سے وہ حدیث ہے جسے (سیدنا) ابوبکرہ (نفیع بن الحارث) رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو منبر پر فرماتے ہوئے سُنا، حسن (بن علی رضی اللہ عنہما) آپ کے پاس تھے۔ آپ ایک دفعہ ان کی طرف اور ایک دفعہ لوگوں کی طرف دیکھ رہے تھے اور فرما رہے تھے: ''میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے اور ہو سکتا ہے کہ اللہ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان صلح کرائے۔'' (صحیح بخاری: ۳۷۴۶)

رسول اللہ ﷺ نے یہ جو پیش گوئی فرمائی تھی وہ (آپ کی وفات کے بہت بعد) اکتالیس ہجری (۴۱ھ) میں واقع ہوئی جب مسلمانوں میں اتفاق ہو گیا۔ اسے ''**عام الجماعة**'' (اتفاق کا سال) بھی کہتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس حدیث سے یہ سمجھا تھا کہ (سیدنا و محبوبنا) حسن (بن علی) رضی اللہ عنہ بچپن میں نہیں مریں گے اور وہ اُس وقت تک زندہ رہیں گے جب تک صلح کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ پیش گوئی واقع نہ ہو جائے۔ یہ چیز تقدیر میں تھی جس کے وقوع سے پہلے صحابۂ کرام کو اس کا علم تھا۔

ہر چیز کا خالق اور اس کی تقدیر بنانے والا اللہ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔ (الزمر: ۶۲)

اور فرمایا: ﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا﴾ اور اس (اللہ) نے ہر چیز پیدا کی، پس اس نے ہر چیز کی تقدیر مقرر کی یعنی مقداریں بنائیں۔ (الفرقان:۲)

پس خیر وشر کی ہر چیز جو ہونے والی ہے اللہ کے فیصلے، تقدیر، مشیت اور ارادے سے ہوتی ہے۔ (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے لمبی دعا میں یہ الفاظ بھی فرمائے: ((والخير كله في يديك والشر ليس إليك)) ساری خیر تیرے ہاتھوں میں ہے اور شر تیری طرف (لے جانے والا) نہیں ہے (صحیح مسلم:۷۷۱) اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کے فیصلے اور تخلیق کے مطابق شر واقع نہیں ہوتا۔ اس کا معنی صرف یہ ہے کہ اللہ نے بغیر کسی حکمت اور فائدے کے محض شر پیدا نہیں کیا اور دوسرے یہ کہ مطلق شر کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہئے بلکہ یہ (دلائل عامہ کے تحت) عموم میں داخل ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔ (الزمر:۶۲)

اور فرمایا: ﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَهُ بِقَدَرٍ﴾

بے شک ہم نے ہر چیز کو قدر (تقدیر و اندازے) سے پیدا کیا۔ (القمر:۴۹)

صرف اکیلے شر کے ساتھ اللہ کی طرف نسبت سے ادب سیکھنا چاہئے۔ اسی لئے جنوں نے اللہ کی طرف خیر کی نسبت کر کے ادب کا اظہار کیا تھا۔ انھوں نے شر کو مجہول کے صیغے سے بیان کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے (جنوں کا قول نقل) فرمایا: ﴿وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا﴾ اور ہمیں پتا نہیں کہ زمین والوں کے ساتھ شر کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کا رب اُن کی ہدایت چاہتا ہے۔ (الجن:۱۰)

تقدیر کے سابقہ چاروں درجوں میں اللہ کی مشیت اور ارادہ بھی ہے۔ مشیت اور ارادے میں فرق یہ ہے کہ کتاب وسنت میں مشیت کا ذکر تکوینی وتقدیری طور پر ہی آیا ہے۔ اور ارادے کا معنی کبھی تکوینی معنی اور کبھی شرعی معنی پر آتا ہے۔ تکوینی وتقدیری معنی کے لئے

یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ﴾ اور تمھیں میری نصیحت فائدہ نہیں دے سکتی اگر چہ میں تمھیں نصیحت کروں اگر تمھیں اللہ تعالیٰ گمراہ کرنا چاہتا ہو۔ (ھود: ۳۴)

اور فرمایا: ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا﴾ پس اللہ جس کو ہدایت دینے کا ارادہ کرے تو اس کے دل کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ کرنے کا ارادہ کرے تو اس کے دل کو تنگ (حق کو نہ ماننے والا) کر دیتا ہے۔ (الانعام: ۱۲۵)

شرعی ارادے کے لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ اللہ تمھارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور وہ تمھارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا۔

(البقرۃ: ۱۸۵)

اور فرمایا: ﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾

اللہ اس کا ارادہ نہیں کرتا کہ تمھیں حرج میں ڈال دے لیکن وہ یہ ارادہ کرتا ہے کہ تمھیں پاک کر دے اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دے تاکہ تم شکر کرو۔ (المآئدۃ: ۶)

ان دونوں ارادوں میں یہ فرق ہے کہ تکوینی ارادہ عام ہے چاہے اللہ تعالیٰ خوش ہو یا ناراض ہو۔ شرعی ارادہ صرف اسی کے بارے میں ہوتا ہے جسے اللہ پسند کرتا ہے اور راضی ہے۔

تکوینی ارادہ واقع ہو کر ہی رہتا ہے اور دینی ارادہ اس آدمی کے حق میں واقع ہوتا ہے جسے اللہ توفیق دے۔ اور جسے وہ توفیق نہ دے تو وہ شخص اس سے محروم رہتا ہے۔ کچھ اور بھی کلمات ہیں جو تکوینی و شرعی معنوں میں آتے ہیں، انھی میں سے فیصلہ، تحریم، اذن، کلمات اور امر وغیرہ ہے۔

ابن القیم نے اپنی کتاب ''شفاء العلیل'' کے انتیسویں (۲۹) باب میں ان کو ذکر کیا ہے اور قرآن و سنت سے ان کے دلائل لکھے ہیں۔

ہر چیز جسے اللہ نے لوح محفوظ میں لکھا ہے، اس کی تقدیر مقرر کی ہے اور اس کے وقوع کا فیصلہ کیا ہے تو اُس چیز نے ضرور بالضرور ہو کر رہنا ہے۔ نہ اس میں تغیر ہوتا ہے اور نہ تبدیلی، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا﴾ زمین اور تمھاری جانوں میں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ واقع ہونے سے پہلے ہم نے کتاب میں درج کی ہے۔ (الحدید:۲۲)

اور اس میں سے حدیث ہے: ''قلم اُٹھا لئے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے۔'' (دیکھئے ص ۸۵، ۸۶)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْکِتٰبِ﴾ اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اُسی کے پاس اُم الکتاب ہے۔ (الرعد:۳۹)

اس کی تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ آیت کریمہ شریعتوں سے متعلق ہے۔ اللہ شریعتوں میں سے جسے چاہتا ہے منسوخ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے حتیٰ کہ ہمارے نبی محمد ﷺ کے ساتھ رسولوں کا سلسلہ ختم ہو گیا، آپ کی شریعت نے سابقہ ساری شریعتوں کو منسوخ کر دیا۔ اس کی دلیل اس آیت میں ہے جو اس سے پہلے ہے ﴿وَمَا کَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ﴾ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی رسول بھی کوئی نشانی نہیں لا سکتا، ہر وقت کے لئے ایک کتاب ہے یعنی ہر چیز کا وقت مقرر ہے۔ (الرعد:۳۸)

اور اس کی یہ تفسیر بھی بیان کی گئی ہے کہ اس سے وہ مقداریں مراد ہیں جو لوح محفوظ میں نہیں ہیں۔ جیسا کہ بعض کام فرشتوں کے ذریعے سے سرانجام دیئے جاتے ہیں۔ ابن القیم کی کتاب شفاء العلیل کے ابواب (۲، ۴، ۵، ۶) دیکھیں۔ ہر باب کے تحت انھوں نے لوح محفوظ کے علاوہ ایک ایک خاص تقدیر بیان کی ہے۔ آپ ﷺ کی حدیث ہے کہ ''قضاء (تقدیر) کو صرف دعا ہی ٹال سکتی ہے اور عمر میں صرف نیکی ہی کے ذریعے سے اضافہ ہوتا ہے۔'' (سنن الترمذی: ۲۱۳۹، اسے امام ترمذی نے حسن قرار دیا ہے نیز دیکھئے السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی: ۱۵۴)

یہ حدیث لوح محفوظ میں تغیر (وتبدیلی) کی دلیل نہیں ہے۔ یہ تو صرف اس کی دلیل ہے کہ اللہ نے شر سے سلامتی مقدر میں رکھی ہے اور اس سلامتی کے لئے اسباب مقرر کئے

ہیں۔ معنی یہ ہے کہ اللہ نے بندے سے شر دور کر دیا۔ یہ دُوری اس فعل یعنی دعا کے سبب اس کے مقدر میں لکھی گئی تھی اور یہی مقدر تھا۔ اور اسی طرح یہ مقدر میں لکھا گیا کہ انسان کی عمر لمبی ہے اور یہ بھی مقدر کر دیا گیا کہ درازیٔ عمر (فلاں) سبب سے ہوگی اور یہ نیکی وصلہ رحمی ہے۔ پس اسباب اور وجۂ اسباب سب اللہ کی قضا وقدر سے ہیں۔

آپ ﷺ کی حدیث: ''اللہ جسے پسند کرتا ہے تو اس کا رزق کشادہ کر دیتا ہے۔ یا اس کی عمر دراز کر دیتا ہے، پس صلہ رحمی کرو'' (صحیح البخاری: ۲۰۶۷ وصحیح مسلم: ۲۵۵۷) کا بھی یہی مطلب ہے۔ ہر انسان کا وقت لوحِ محفوظ میں مقرر ہے۔ نہ آگے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ﴾ اور جب کسی نفس کا وقت آ جائے تو اللہ اسے مؤخر نہیں کرتا۔ (المنفقون:۱۱)

اور فرمایا: ﴿لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ ہر اُمت کے لئے ایک وقت ہے۔ جب ان کا وقت آ جاتا ہے تو نہ ایک گھڑی پیچھے ہوتا ہے اور نہ آگے ہوتا ہے۔ (یونس:۴۹)

اور جو آدمی مرتا یا قتل ہوتا ہے تو وہ اپنی اَجَل کی وجہ سے مرتا یا قتل ہوتا ہے۔ معتزلہ کی طرح یہ نہیں کہنا چاہئے کہ مقتول کی اجل کاٹ دی گئی اور اگر وہ قتل نہ ہوتا تو دوسری اجل تک زندہ رہتا۔ کیونکہ ہر انسان (کے مرنے) کا ایک ہی وقت مقرر ہے۔ اس وقت کے لئے اسباب مقرر ہیں۔ یہ بیماری سے مرے گا اور یہ ڈوبنے سے مرے گا اور یہ قتل ہوگا وغیرہ۔

تقدیر کے بہانے سے نیکی کے نہ کرنے اور گناہوں کے کرنے پر استدلال نہیں کرنا چاہئے کیونکہ جس نے گناہ کیا تو شریعت میں اس کی ایک مقرر سزا ہے۔ اگر اس نے اپنے گناہ کا یہ عذر پیش کیا کہ یہ اس کی قسمت میں تھا تو اسے شرعی سزا دی جائے گی اور کہا جائے گا کہ اس گناہ کی یہ سزا بھی تیری قسمت میں تھی۔

حدیث میں جو آیا ہے کہ آدم (علیہ السلام) اور موسیٰ (علیہ السلام) کے درمیان تقدیر پر بحث ومباحثہ ہوا تھا۔ یہ گناہ کرنے پر تقدیر سے استدلال والا معاملہ نہیں ہے۔ یہ تو اس مصیبت کا

ذکر ہے جو معصیت کے سبب واقع ہوئی تھی۔

(سیدنا) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آدم اور موسیٰ نے بحث و مباحثہ کیا تو موسیٰ نے آدم سے کہا: تُو وہ آدم ہے جسے اس کی خطا (لغزش) نے جنت سے نکال دیا تھا۔ تو آدم نے جواب دیا: تُو وہ موسیٰ ہے جسے اللہ نے رسالت اور کلام کرنے سے نوازا۔ پھر تو مجھے اس چیز پر ملامت کرتا ہے جو اللہ نے میری پیدائش سے پہلے میری تقدیر میں لکھ دی تھی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دفعہ فرمایا: پس آدم موسیٰ (علیہما السلام) پر غالب آ گئے۔ (صحیح بخاری: ۳۴۰۹ و صحیح مسلم: ۲۶۵۲)

ابن القیم نے اپنی کتاب ''شفاء العلیل'' میں اس حدیث پر بحث کے لئے تیسرا باب قائم کیا ہے۔ انھوں نے اس حدیث کی تشریح میں باطل اقوال کا (بطورِ رد) ذکر کیا اور وہ آیات ذکر کیں جن میں آیا ہے کہ مشرکین اپنے شرک پر تقدیر سے استدلال کرتے تھے۔ اللہ نے ان مشرکین کو جھوٹا قرار دیا کیونکہ وہ اپنے شرک و کفر پر قائم (اور ڈٹے ہوئے) تھے۔ انھوں نے جو بات کہی وہ حق ہے لیکن اس کے ساتھ باطل پر استدلال کیا گیا ہے۔ پھر انھوں نے اس حدیث کے معنی پر دو توجیہات ذکر کیں، پہلی توجیہ اُن کے استاذ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی ہے اور دوسری اُن کے اپنے فہم و استنباط سے ہے:

ابن القیم فرماتے ہیں کہ ''جب آپ نے اسے پہچان لیا تو موسیٰ (علیہ السلام) اللہ اور اس کے اسماء و صفات کے بارے میں سب سے زیادہ باخبر تھے، لہٰذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اُس خطا پر ملامت کریں جس سے خطا کرنے والے نے توبہ کر رکھی ہے۔ اس کے بعد اللہ نے اسے (اپنے لئے) چُن لیا، راہنمائی کی اور خاص منتخب کر لیا۔ آدم (علیہ السلام) اپنے رب کے بارے میں سب سے زیادہ پہچان رکھتے تھے کہ وہ معصیت پر قضا و قدر سے استدلال کریں۔ بات یہ ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے آدم (علیہ السلام) کو اُس مصیبت پر ملامت کی تھی جس کے سبب سے اولادِ آدم کا جنت سے خروج اور دنیا میں نزول ہوا، جو آزمائش اور امتحان کا گھر ہے۔ اس کی وجہ اولادِ آدم کے باپ (سیدنا آدم علیہ السلام) کی لغزش ہے۔ پس انھوں نے لغزش

کا ذکر بطورِ تنبیہ کیا، اس مصیبت اور آزمائش پر جو آدم علیہ السلام کی ذریت و اولاد کو حاصل ہوئی۔ اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام سے فرمایا: ''آپ نے ہمیں اور اپنے آپ کو جنت سے نکال دیا'' بعض روایات میں ''خَيَّبْتَنَا'' (آپ نے ہمیں محروم کر دیا) کا لفظ آیا ہے۔

پس آدم (علیہ السلام) نے مصیبت پر تقدیر سے استدلال کیا اور فرمایا: بے شک یہ مصیبت جو میری لغزش کی وجہ سے میری اولاد کو پہنچی، میری تقدیر میں لکھی ہوئی تھی۔ تقدیر سے مصیبتوں میں استدلال کیا جا سکتا ہے لیکن عیوب (اور گناہوں کے جواز) میں اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی آپ مجھے اس مصیبت پر کیوں ملامت کرتے ہیں جو میری پیدائش سے اتنے سال پہلے، میرے اور آپ کے مقدر میں لکھ دی گئی تھی، یہ جواب ہمارے شیخ (ابن تیمیہ) رحمہ اللہ کا ہے۔ اس کا دوسرا جواب بھی ہو سکتا ہے کہ گناہ پر تقدیر سے استدلال بعض جگہ فائدہ دے سکتا ہے اور بعض جگہ نقصان دہ ہے۔ اگر گناہ کے واقع ہونے کے بعد آدمی توبہ کرے اور دوبارہ یہ گناہ نہ کرے تو تقدیر سے استدلال کر سکتا ہے۔ جیسا کہ آدم (علیہ السلام) نے (اپنی لغزش کے بعد) کیا۔ اس طریقے سے تقدیر کے ذکر میں توحید اور رب تعالیٰ کے اسماء وصفات کی معرفت ہے۔ اس کے ذکر سے بیان کرنے والے اور سننے والے کو نفع ہوتا ہے کیونکہ تقدیر (کے ذکر) سے کسی امر و نہی کی مخالفت نہیں ہوتی اور نہ شریعت کا ابطال ہوتا ہے۔ بلکہ محض حق کو توحید اور تبدیلی وقوت سے برأت کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ اس کی توضیح اس سے (بھی) ہوتی ہے کہ آدم (علیہ السلام) نے موسیٰ (علیہ السلام) سے فرمایا:

''کیا آپ میرے اس عمل پر ملامت کرتے ہیں جو میری پیدائش سے پہلے میرے مقدر میں لکھا ہوا تھا؟'' جب آدمی گناہ کرتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے تو وہ معاملہ اس طرح زائل اور ختم ہو جاتا ہے گویا کہ یہ کام ہوا ہی نہیں تھا۔ پس اب اگر کسی ملامت کرنے والے نے اسے اس گناہ پر ملامت کیا تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ تقدیر سے استدلال کرے۔ اور کہے: ''یہ کام میری پیدائش سے پہلے میرے مقدر میں تھا'' اس آدمی نے تقدیر کے ذریعے سے حق کا انکار نہیں کیا، نہ باطل پر دلیل قائم کی ہے اور نہ ممنوع بات کے جواز پر حجت بازی کی ہے۔

رہا وہ مقام جس پر تقدیر سے استدلال نقصان دہ ہے وہ حال اور مستقبل سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی کوئی آدمی فعلِ حرام کا ارتکاب کرے یا کسی واجب (فرض) کو ترک کردے، پھر کوئی آدمی اسے اس پر ملامت کرے تو پھر وہ گناہ پر قائم رہنے اور اصرار کرنے میں تقدیر سے استدلال کرے۔ یہ شخص اپنے استدلال سے حق کو باطل کرنا اور پھر باطل کا ارتکاب کرنا چاہتا ہے۔ جیسا کہ شرک اور غیر اللہ کی عبادت پر اصرار کرنے والے کہتے تھے: ﴿لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا﴾ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک نہ کرتے (الانعام: ۱۴۸) ﴿لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ﴾ اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان (معبودانِ باطلہ) کی عبادت نہ کرتے۔ (الزخرف: ۲۰)

انھوں نے اپنے باطل عقائد کو صحیح سمجھتے ہوئے تقدیر سے استدلال کیا۔ انھوں نے اپنے (شرکیہ وکفریہ) فعل پر کسی ندامت کا اظہار نہیں کیا نہ اس کے ترک کا ارادہ کیا اور نہ اس کے فاسد ہونے کا اقرار کیا۔ یہ اس آدمی کے استدلال سے سراسر مخالف ہے جس پر اُس کی غلطی واضح ہو جاتی ہے، وہ نادم (پشیمان) ہو جاتا ہے اور پکا ارادہ کرتا ہے کہ وہ آئندہ غلطی نہیں کرے گا۔ پھر اس (توبہ) کے بعد اگر کوئی اسے ملامت کرے تو کہتا ہے: ''جو کچھ ہوا ہے وہ اللہ کی تقدیر کی وجہ سے ہوا ہے۔'' اس مسئلے کا (بنیادی) نکتہ یہ ہے کہ اگر وجہِ ملامت دُور ہو جائے تو تقدیر سے استدلال صحیح ہے اور اگر وجہِ ملامت باقی رہے تو تقدیر سے استدلال باطل ہے...'' (شفاء العلیل ص ۳۵، ۳۶)

تقدیر کے بارے میں قدریہ اور جبریہ دونوں فرقے گمراہ ہوئے ہیں۔ قدریہ کہتے ہیں کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں، اللہ نے یہ افعال ان کی تقدیر میں نہیں لکھے۔ ان کے قول کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی حکومت میں بندوں کے جو افعال واقع ہوتے ہیں، وہ اس کے مقدر (مقرر شدہ) نہیں ہیں۔ یہ بندے اپنے افعال پیدا کرنے میں اللہ سے بے نیاز ہیں اور یہ کہ اللہ ہر چیز کا خالق نہیں ہے بلکہ بندے اپنے افعال کے خالق ہیں۔ یہ عقیدہ بہت ہی باطل عقیدہ ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بندوں کا خالق ہے اور بندوں کے افعال کا

(بھی) خالق ہے۔ اللہ تعالیٰ ذاتوں اور صفتوں سب کا خالق ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾

کہہ دو کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ اکیلا قہار (سب پر غالب) ہے۔ (الرعد:١٦)

اور فرمایا: ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾

اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز پر وکیل (محافظ و نگران) ہے۔ (الزمر:٦٢)

اور فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ نے تمھیں پیدا کیا ہے اور تم جو اعمال کرتے ہو انھیں (بھی) پیدا کیا ہے۔ (الصّٰفّٰت:٩٦)

جبریہ (فرقے) نے بندوں سے اختیار چھین لیا ہے، وہ اس کے لئے کسی مشیت اور ارادے کے قائل نہیں ہیں۔ انھوں نے اختیاری حرکات اور اضطراری حرکات کو برابر کر دیا ہے۔ ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ان کی ساری حرکات اس طرح ہیں کہ جس طرح درختوں کی حرکات ہیں۔ کھانے والے، پینے والے، نمازی اور روزہ دار کی حرکات اس طرح ہیں جیسے رعشہ والے کی حرکات ہوتی ہیں، ان میں انسان کے کسب اور ارادے کا کوئی کام نہیں ہوتا۔

اس طرح رسولوں کے بھیجنے اور کتابیں نازل کرنے کا کیا فائدہ رہ جاتا ہے؟ یہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ بندے کے پاس مشیت اور ارادے کی طاقت ہے۔ اچھے اعمال پر اس کی تعریف ہوتی ہے اور بُرے اعمال پر اس کی مذمت ہوتی ہے اور اُسے سزا ملتی ہے۔ بندے کے اختیاری افعال اسی کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں (یعنی نیکی و بدی کا مرتکب وہی ہوتا ہے) رہی اضطراری حرکات جیسے رعشہ والے کی حرکت تو یہاں یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ اس کا فعل ہے۔ یہ تو اس کی ایک صفت ہوتی ہے۔ اسی لئے تو فاعل کی تعریف میں نحوی حضرات یہ کہتے ہیں کہ وہ اسم مرفوع ہے جو اُس پر دلالت کرتا ہے جس سے کوئی حَدَث (فعل) صادر ہوتا ہے یا جس کا وہ قام بــہ ہوتا ہے یعنی اس کا صدور اس سے ہوتا ہے۔ حَدَث سے اُن کی مراد وہ اختیاری افعال ہیں جو بندے کی مشیت اور ارادے سے واقع ہوتے ہیں۔ قیامِ حدث سے ان کی مراد وہ اُمور ہیں جو مشیت کے تحت نہیں آتے جیسے موت، مرض اور

ارتعاش (رعشہ) وغیرہ۔ پس اگر کہا جائے کہ زید نے کھایا، پیا، نماز پڑھی اور روزہ رکھا تو اس میں زید فاعل ہے جس سے حَدَث (فعل) حاصل ہوا ہے۔ یہ حَدَث کھانا، پینا، نماز اور روزے ہیں۔ اور اگر کہا جائے کہ زید بیمار ہوا، زید مر گیا یا اس کے ہاتھوں میں رعشہ ہوا تو یہ حَدَث زید کے (ارادی) فعل سے نہیں ہے بلکہ یہ اس کی صفت ہے جس کا صدور اُس سے ہوا ہے۔

اہل السنّت والجماعت اثباتِ تقدیر میں غالی جبریوں اور انکار کرنے والے قدریوں کے درمیان ہیں۔ انھوں نے بندے کیلئے مشیت کا اثبات کیا ہے اور رب کیلئے مشیت عام کا اثبات کرتے ہیں۔ انھوں نے بندے کی مشیت کو اللہ کی مشیت کے تابع قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۝ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اس کے لئے جو تم میں سے سیدھا ہونا چاہے اور تم نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ رب العالمین چاہے۔ (التکویر: ۲۸، ۲۹)

اللہ کی حکومت میں جو وہ نہ چاہے ہو ہی نہیں سکتا۔

اس کے برخلاف قدریہ کہتے ہیں کہ "بندے اپنے افعال پیدا کرتے ہیں" بندوں کو ان چیزوں پر عذاب نہیں ہو سکتا جن میں اُن کا کوئی ارادہ ہے اور نہ مشیت جیسا کہ جبریہ کا قول ہے۔ اسی میں اُس سوال کا جواب ہے جو کہ بار بار کیا جاتا ہے کہ کیا بندہ مجبور محض ہے یا وہ (کُلی) با اختیار ہے؟ تو (عرض ہے کہ) نہ وہ مطلقاً مجبورِ محض ہے اور نہ مطلقاً با اختیار ہے بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک اعتبار سے با اختیار ہے کہ اسے مشیت اور ارادہ حاصل ہے۔ اور اس کے اعمال اُسی کا کسب (کمائی) ہیں۔ نیک اعمال پر اسے ثواب ملے گا اور بُرے اعمال پر اسے سزا ملے گی۔ وہ ایک اعتبار سے مُسیَّر (مجبور) ہے۔ اس سے ایسی کوئی چیز صادر نہیں ہوتی جو اللہ کی مشیت، ارادے، تخلیق اور ایجاد سے خارج ہو۔

جو بھی ہدایت اور گمراہی (بندے کو) حاصل ہوتی ہے تو وہ اللہ کی مشیت اور ارادے سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ نے بندوں کے لئے خوش بختی کا راستہ اور گمراہی کا راستہ، دونوں واضح کر دیئے ہیں۔ اللہ نے بندوں کو عقل دی ہے جس سے وہ نفع اور نقصان کے

درمیان فرق کرتے ہیں۔ جو شخص خوش بختی کا راستہ اختیار کر کے اس پر چلا تو اسے یہ خوش بختی کا راستہ (جنت) کی طرف لے جائے گا۔ یہ کام بندے کی مشیت اور ارادے سے واقع ہوا ہے جو کہ اللہ کی مشیت اور ارادے کے تابع ہے۔ اور یہ اللہ کا فضل و احسان ہے۔ جس شخص نے گمراہی کا راستہ اختیار کیا اور اس پر چلا تو یہ اسے بدبختی (یعنی جہنم) کی طرف لے جائے گا۔ یہ کام بندے کی مشیت اور ارادے سے ہوا ہے جو کہ اللہ کی مشیت اور ارادے کے تابع ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا عدل و انصاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾

کیا ہم نے اسے دو آنکھیں، ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے اور اسے دو راستوں (یعنی شر اور خیر) کی طرف راہنمائی نہیں کی؟ (البلد:۸۔۱۰)

اور فرمایا: ﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ ہم نے اسے راستہ دکھایا تاکہ وہ شکر کرنے والا بنے یا کافر بنے۔ (الدھر:۳)

نیز فرمایا: ﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا﴾

جسے اللہ نے ہدایت دی وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے اُس نے گمراہ کیا تو آپ اس کا ولی (مددگار) مرشد و ہدایت دینے والا نہیں پائیں گے۔ (الکھف:۱۷)

ہدایتیں دو طرح کی ہیں: (۱) ہدایتِ دلالت و ارشاد، یہ ہر انسان کو حاصل ہے یعنی ہر انسان سے یہی مطلوب ہے کہ وہ ہدایت اسلام پر چلے۔

(۲) ہدایتِ توفیق، یہ اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جسے اللہ ہدایت دینا چاہتا ہے۔

پہلی ہدایت کی دلیلوں میں سے یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے: ﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور بے شک آپ صراط مستقیم (سیدھے راستے) کی طرف راہنمائی کرتے ہیں (الشوریٰ:۵۲) یعنی آپ ہر ایک کو صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ دوسری ہدایت کی دلیلوں میں سے یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ﴾ آپ جسے (ہدایت

دینا) چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ (القصص:۵۶)

اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں ہدایتیں اس ارشاد میں اکٹھی کر دی ہیں ﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف بُلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ (یونس:۲۵)

''اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے'' یعنی ہر ایک کو (بلاتا ہے۔) مفعول کو عموم کے لئے حذف کیا گیا ہے اور یہ ہدایت دلالت وارشاد ہے۔ ''اور جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے'' اس میں خصوصیت قائم کرنے کے لئے مفعول کو ظاہر کر دیا گیا ہے اور یہ ہدایت توفیق ہے۔ (شرح حدیث جبریل ص ۹۶ تا ۱۱۱)

مجرم (۳۹): ''ابوہریرہؓ حدیث کے سب سے زیادہ روایت کرنے والے تھے۔ وہ جب چاہتے احادیث گھڑ لیا کرتے تھے۔ انہوں نے بے شمار من گھڑت حدیثیں لوگوں تک پہنچائیں۔ (امام بخاری بحوالہ رسالہ ''البلاغ'' صفحہ ۳، جو ہانس برگ)'' (اسلام کے مجرم ص ۶۹)

الجواب: یہ بالکل صحیح ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث کے سب سے زیادہ روایت کرنے والے تھے لیکن یہ بالکل جھوٹ ہے کہ ''وہ جب چاہتے احادیث گھڑ لیا کرتے تھے۔ انہوں نے بے شمار من گھڑت حدیثیں لوگوں تک پہنچائیں'' یہ بات نہ امام بخاری نے فرمائی اور نہ اُمتِ مسلمہ کے کسی ایک امام نے، یہ بات نہ صحیح بخاری میں ہے اور نہ حدیث کی کسی معتبر کتاب میں لہٰذا ڈاکٹر شبیر احمد (منکرِ حدیث) نے جھوٹا حوالہ پیش کیا ہے۔ رسالہ البلاغ کس (کذاب) کا ہے؟ ہم نہیں جانتے لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ کراچی کے دیوبندیوں کا رسالہ البلاغ نہیں ہے۔ واللہ اعلم

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اعلیٰ درجے کے سچے، ثقہ فقیہ مجتہد اور جلیل القدر صحابی تھے۔ آپ کے مختصر فضائل کے لئے ماہنامہ الحدیث حضرو سے ایک مضمون پیش خدمت ہے:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے محبت

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! ہر مومن جو میرے بارے میں سُن لیتا ہے، مجھ سے محبت کرتا ہے۔ ابو کثیر یحییٰ بن عبدالرحمٰن السحیمی نے پوچھا: آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ انھوں نے فرمایا: میری ماں مشرکہ تھی، میں اسے اسلام (لانے) کی دعوت دیتا تھا اور وہ اس کا انکار کرتی تھی۔ ایک دن میں نے اسے دعوت دی تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسی باتیں کہہ دیں جنھیں میں ناپسند کرتا تھا۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور روتے ہوئے آپ کو سارا قصہ بتا دیا۔ میں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ میری ماں کی ہدایت کے لئے دعا کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت دے۔ میں اس دعا کی خوشخبری لئے بھاگتا ہوا نکلا اور اپنے گھر کے پاس پہنچا تو دروازہ بند تھا اور نہانے والے پانی کے گرنے کی آواز آرہی تھی۔ میری ماں نے جب میری آواز سُنی تو کہا: باہر ٹھہرے رہو۔ پھر اس نے لباس پہن کر دروازہ کھولا تو (ابھی) دوپٹہ اوڑھ نہ سکیں اور کہا: "أشهد أن لا إله إلا اللّٰه وأن محمدًا عبده ورسوله"

میں اس کی گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے اور بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر میں اس حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کہ میں خوشی سے رو رہا تھا۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! خوش ہو جایئے، اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت عطا کر دی ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور خیر کی بات کہی، میں نے کہا: آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے اور میری ماں کو مومنوں کا محبوب بنا دے تو آپ نے فرمایا: ((اللهم حبّب عبيدك هذا وأمه إلى عبادك المؤمنين وحبب إليهم المؤمنين .))

اے اللہ! اپنے اس بندے (ابو ہریرہ) اور اس کی ماں کو مومنوں کا محبوب بنا دے اور ان

کے دل میں مومنوں کی محبت ڈال دے۔ (صحیح مسلم:۲۴۹۱)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مقبول ہوتی ہے لہٰذا وہ بصیغۂ جزم یہ فرماتے تھے کہ ہر مومن مجھ سے محبت کرتا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں مسکین آدمی تھا، پیٹ بھر کھانے پر ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لگا رہتا تھا جبکہ مہاجرین تو بازاروں میں اور انصار اپنے اموال (اور زمینوں) کی نگہداشت میں مصروف رہتے تھے۔ پھر (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من بسط ثوبه فلن ينسى شيئًا سمعه مني))

جو شخص (اب) اپنا کپڑا اچھائے تو وہ مجھ سے سُنی ہوئی کوئی بات کبھی نہیں بھولے گا۔

پھر میں نے کپڑا اچھایا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیثیں بیان کرنے سے فارغ ہوئے پھر میں نے اس کپڑے کو اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لیا تو میں نے آپ سے (اس مجلس میں اور اس کے بعد) جو سُنا اسے کبھی نہیں بھولا۔ (صحیح بخاری:۲۰۴۷ و صحیح مسلم:۲۴۹۲)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ ہم میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زیادہ رہتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو سب سے زیادہ یاد کرنے والے تھے۔ (سنن الترمذی:۳۸۳۶ وسندہ صحیح، ماہنامہ الحدیث:۳۲ ص۱۰، ۱۱)

سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے حجۃ الوداع کے موقع پر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو منادی کرنے والا مقرر کر کے بھیجا تھا۔ (صحیح بخاری:۳۶۹) نیز دیکھئے ص ۱۰۷۔

ایک دفعہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث بیان کی تو ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''صدق أبو هريرة'' ابو ہریرہ نے سچ کہا ہے۔

(طبقات ابن سعد ۳۳۲/۴ وسندہ صحیح، الحدیث:۳۲ ص۱۱)

امام بخاری نے حسن سند سے روایت کیا ہے کہ

''عن أبي سلمة عن أبي هريرة عبدشمس'' إلخ (التاریخ الکبیر ۱۳۲/۶ ت۱۹۳۸)

معلوم ہوا کہ قبولِ اسلام سے پہلے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا نام عبد شمس تھا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تین سال رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہا ہوں۔

(کتاب المعرفۃ والتاریخ ۱۶۱/۳ وسندہ صحیح)

مشہور تابعی حمید بن عبدالرحمٰن الحمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ (سیدنا) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ چار سال نبی ﷺ کی صحبت میں رہے۔

(سنن ابی داود: ۸۱ وسندہ صحیح، سنن النسائی ۱۳۰/۱ ح ۲۳۹ وصححہ الحافظ ابن حجر فی بلوغ المرام: ۶)

ان دونوں روایتوں میں تطبیق یہ ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ مکمل تین سال تک اور چوتھے سال کا کچھ حصہ رہے، جسے راویوں نے اپنے اپنے علم کے مطابق بیان کر دیا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر میں حاضر تھا۔

(تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی: ۲۳۲ وسندہ صحیح)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رات کے ایک تہائی حصے میں قیام کرتے (تہجد پڑھتے) تھے اور ان کی زوجہ محترمہ ایک تہائی حصے میں قیام کرتیں اور ان کا بیٹا ایک تہائی حصے میں قیام کرتا تھا۔

(کتاب الزہد للامام احمد ص ۱۷۷ ح ۹۸۶، کتاب الزہد لابی داود: ۲۹۸ وسندہ صحیح، حلیۃ الاولیاء ۳۸۲/۱، ۳۸۳)

یعنی انھوں نے رات کے تین حصے مقرر کر رکھے تھے جن میں ہر آدمی باری باری نوافل پڑھتا تھا۔ اس طریقے سے سارا گھر ساری رات عبادت میں مصروف رہتا تھا۔ سبحان اللہ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے دورِ امارت کے دوران میں بھی خود لکڑیاں اُٹھا کر بازار سے گزرا کرتے تھے۔ (دیکھئے الزہد لابی داود: ۲۹۷ وسندہ صحیح، حلیۃ الاولیاء ۳۸۴/۱، ۳۸۵)

عبداللہ بن رافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا: آپ کو ابو ہریرہ کیوں کہتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: کیا تم مجھ سے نہیں ڈرتے؟

ابن رافع نے کہا: جی ہاں، اللہ کی قسم! میں آپ سے ضرور ڈرتا ہوں۔ انھوں نے فرمایا: میں اپنے گھر والوں کے لئے بکریاں چراتا تھا اور میری ایک چھوٹی سی بلی تھی۔ رات کو میں اسے ایک درخت پر چھوڑ دیتا اور دن کو اس کے ساتھ کھیلتا تھا تو لوگوں نے میری کنیت

ابو ہریرہ مشہور کردی۔ (طبقات ابن سعد ۴/۳۲۹ وسندہ حسن)

محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: آپ کا رنگ سفید تھا اور آپ خوش مزاج نرم دل تھے۔ آپ سرخ رنگ کا خضاب یعنی مہندی لگاتے تھے۔ آپ کاٹن کا کھردرا پھٹا ہوا لباس پہنتے تھے۔ (طبقات ابن سعد ۴/۳۳۳، ۳۳۴ وسندہ صحیح)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہر اُس شخص کے دشمن تھے جو اللہ اور اس کے رسول کا دشمن تھا۔

(طبقات ابن سعد ۴/۳۳۵ وسندہ صحیح)

مشہور تابعی ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیماری کے دوران میں اُن کے پاس گئے تو کہا: اے اللہ! ابو ہریرہ کو شفا دے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ! مجھے واپس نہ کر...... اے ابو سلمہ! اگر مر سکتے ہو تو مر جاؤ، اس ذات (اللہ) کی قسم جس کے ہاتھ میں ابو ہریرہ کی جان ہے! علماء پر ایسا وقت آئے گا کہ اُن کے نزدیک سُرخ خالص سونے سے زیادہ موت پسندیدہ ہوگی اور قریب ہے کہ لوگوں پر ایسا وقت آجائے کہ آدمی جب کسی مسلمان کی قبر کے پاس سے گزرے تو کہے کہ کاش میں اس قبر میں ہوتا۔

(طبقات ابن سعد ۴/۳۳۷، ۳۳۸ وسندہ صحیح)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا جب وقت آیا تو انھوں نے فرمایا:

مجھ (میری قبر) پر خیمہ نہ لگانا اور میرے ساتھ آگ لے کر نہ جانا اور مجھے (قبرستان کی طرف) جلدی لے کر جانا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ جب نیک انسان یا مومن کو چارپائی پر رکھا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے: مجھے (جلدی) آگے لے چلو اور کافر یا فاجر کو چارپائی پر رکھا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے: ہائے میری تباہی! مجھے کہاں لے کر جا رہے ہو؟ (مسند احمد ۲/۲۹۲ ح ۷۹۱۴ وسندہ حسن، طبقات ابن سعد ۴/۳۳۸)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب میں مر جاؤں تو مجھ پر نوحہ (آواز کے ساتھ ماتم) نہ کرنا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نوحہ نہیں کیا گیا۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر ۷۱/۲۸۲ وسندہ حسن)

اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی وجہ سے عظیم حافظہ عطا

فرمایا تھا۔ ایک دفعہ مروان بن الحکم الاموی نے ان سے کچھ حدیثیں لکھوائیں اور اگلے سال کہا کہ وہ کتاب گم ہوگئی ہے، وہی حدیثیں دوبارہ لکھوا دیں۔

انھوں نے وہی حدیثیں دوبارہ لکھوا دیں۔ جب دونوں کتابوں کو ملایا گیا تو ایک حرف کا فرق نہیں تھا۔ (المستدرک للحاکم ۵۱۰/۳ وسندہ حسن، الحدیث: ۳۲ ص ۱۴،۱۳)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب حدیثیں بیان کرنا شروع کرتے تو سب سے پہلے فرماتے:

ابو القاسم الصادق المصدوق (سچے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من كذب عليّ متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار.)) جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا تو وہ اپنا ٹھکانا (جہنم کی) آگ میں بنا لے۔ (مسند احمد ۴۱۳/۲ ح ۹۳۵۰ وسندہ صحیح)

آپ اللہ کی قسم کھا کر فرماتے تھے کہ میں بھوک کی شدت کی وجہ سے زمین پر لیٹ جاتا تھا اور بھوک کی شدت کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا۔ (صحیح بخاری: ۶۴۵۲)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی سے فرمایا کرتے تھے: ''لاتلبسي الذهب فإني أخشى عليك اللهب'' سونا نہ پہنو کیونکہ مجھے تم پر (آگ کے) شعلوں کا ڈر ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ۳۸۰/۱ وسندہ صحیح)

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: پوری دنیا میں حدیث کے سب سے بڑے حافظ ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) تھے۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر ۲۵۳/۷۱ وسندہ صحیح)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''......اللّٰهم لا تدركني سنة ستين''

اے میرے اللہ! مجھے ساٹھ ہجری تک زندہ نہ رکھ۔ (تاریخ دمشق لابی زرعۃ الدمشقی: ۲۳۴ وسندہ صحیح)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ''اللهم لاتدركني إمارة الصبيان''

اے میرے اللہ! مجھے بچوں کی حکومت تک زندہ نہ رکھ۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۴۶۶/۶ وسندہ صحیح)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ کھجوریں لے کر حاضر ہوئے اور کہا: یا رسول اللہ! میرے لئے ان میں برکت کی دعا فرمائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کھجوروں کو اکٹھا کر کے برکت کی دعا فرمائی اور ان سے کہا:

ان کھجوروں کو لے کر اپنے اس توشہ دان (تھیلی) میں ڈال لو، اس میں سے جب بھی کھجوریں لینا چاہو تو ہاتھ ڈال کر نکال لینا اور انھیں (ساری باہر نکال کر) نہ بکھیرنا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کھجوروں میں سے اتنے اتنے وسق اللہ کے راستے میں خرچ کیے۔ ہم ان میں سے کھاتے بھی تھے اور کھلاتے بھی تھے۔

یہ توشہ دان ہر وقت میری کمر سے بندھا رہتا تھا حتیٰ کہ (سیدنا) عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو یہ پھٹ (کر گم ہو) گیا۔ (سنن الترمذی: ٣٨٣٩ وقال: "حسن غریب" وسندہ حسن، وصححہ ابن حبان، الاحسان: ٦٤٩٨)

ساٹھ صاع یعنی ١٥٠ کلو کو ایک وسق کہتے ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فضائل بہت زیادہ ہیں۔ سات سو سے زیادہ تابعین نے آپ سے علمِ حدیث حاصل کیا اور جلیل القدر صحابۂ کرام بشمول سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ پر اعتماد کیا۔

آپ اپنی دعا کے مطابق ساٹھ ہجری سے پہلے ٥٧، ٥٨ یا ٥٩ ھ میں فوت ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

آپ کے بارے میں امام ابو بکر محمد بن اسحاق الامام رحمہ اللہ نے بہترین کلام فرمایا جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر چار طرح کے آدمی کلام (جرح) کرتے ہیں:

١: معطل جہمی (جو صفاتِ باری تعالیٰ کا منکر ہے)

٢: خارجی (تکفیری جو مسلمان حکمرانوں کے خلاف خروج کا قائل ہے)

٣: قدری (معتزلی جو تقدیر اور احادیثِ صحیحہ کا منکر ہے)

٤: جاہل (جو فقیہ بنا بیٹھا ہے اور بغیر دلیل کے تقلید کی وجہ سے صحیح احادیث کا مخالف ہے)

دیکھئے المستدرک للحاکم (٥١٣/٣ ح ٦١٧٦ وسندہ صحیح)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ " يبصر أحدكم القذاة في عين أخيه وينسى الجذع أو الجذل في عينه " تم میں سے ہر شخص دوسرے کی آنکھ کا تنکا دیکھ لیتا ہے لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر بھی نظر انداز کر دیتا ہے۔

(کتاب الزہد للامام احمد ص ۱۷۸ ح ۹۹۲ وسندہ صحیح، الادب المفرد: ۵۹۲، وسندہ حسن)

یہ روایت مرفوعاً بھی مروی ہے۔

(زوائد زہد ابن المبارک لابن صاعد: ۲۱۲ وسندہ حسن، صحیح ابن حبان، الموارد: ۱۸۴۸)

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے دل سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ وتابعین اور اہلِ ایمان کی محبت سے بھر دے۔ آمین [ماہنامہ الحدیث حضرو: ۳۲]

اس سلسلے میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں راقم الحروف سے ایک شخص نے ایک سوال پوچھا تھا جس کا جواب ماہنامہ الحدیث حضرو میں شائع ہوا تھا۔ یہ سوال وجواب پیش خدمت ہے:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر منکرینِ حدیث کے حملے

سوال: ایک صاحب کی زبانی واقعہ سننے کا اتفاق ہوا: ''ایک دن مسجد نبوی کے صحن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے اور کچھ حاضرین کو کوئی حدیث بیان کر رہے تھے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم ہوا تو کہنے لگے: ابو ہریرہ! جو بات آپ بیان کر رہے ہیں، جب یہ واقعہ رونما ہوا اس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور یہ بات ہرگز ایسے نہ تھی، آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غلط بات منسوب کرتے ہوئے خدا کا خوف محسوس نہ ہوا اور اگر آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو میں (عمر) اس کی گردن مار دیتا'' **العیاذ باللہ**

کیا یہ واقعہ صحیح ثابت ہے؟

ساتھ ہی گفتگو کے دوران اُن صاحب نے اس بات کا بھی اضافہ کیا کہ

''ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے دریافت کیا: اب آپ بہت سی احادیث روایت کرتے ہیں جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ایسا نہیں تھا، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اس وقت مجھے اپنی گردن ماری جانے کا خوف تھا۔''

کیا یہ واقعات صحیح ہیں؟ (فخر الحسن گیلانی، راولپنڈی، ۲۱ نومبر ۲۰۰۶ء)

الجواب: **الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علٰی رسولہ الأمین، أما بعد:**

یہ واقعہ بے سند ہونے کی وجہ سے موضوع اور باطل ہے۔ مجھے کسی کتاب میں یہ واقعہ

با سند صحیح نہیں ملا۔ اس بے اصل قصے کے سراسر برعکس سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر مکمل اعتماد کرتے تھے۔ اس کی دلیل کے طور پر صحیح احادیث سے دو حوالے پیشِ خدمت ہیں:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

① سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت لائی گئی جو کھال پر سوئی سے گود کر لکھتی تھی تو عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور (صحابۂ کرام سے) فرمایا: میں تمھیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کیا تم میں سے کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوئی سے گودنے کے بارے میں کچھ سنا ہے؟ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور کہا: اے امیر المومنین! میں نے سنا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا سنا ہے؟ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

((لَا تَشِمْنَ وَلَا تَسْتَوْشِمْنَ .)) گودنے کا کام نہ کرو اور نہ کسی سے گدواؤ۔ (صحیح بخاری: ۵۹۴۶)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث کے بارے میں پوچھنا اور اس پر اعتراض نہ کرنا اس کی واضح دلیل ہے کہ وہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو سچا اور قابلِ اعتماد سمجھتے تھے۔

② ایک دفعہ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ مسجد میں اشعار پڑھ رہے تھے کہ وہاں سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ گزرے تو انھوں نے سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کو گوشۂ چشم سے (غصے کے ساتھ) دیکھا۔ سیدنا حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تو اس وقت بھی مسجد میں اشعار پڑھتا تھا جب اس میں آپ سے بہتر شخص سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے تھے پھر انھوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر کہا: میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ((أَجِبْ عَنِّي، اَللّٰهُمَّ أَيِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ .))

میری طرف سے جواب دو، اے اللہ! اس (حسان) کی روح القدس کے ذریعے سے مدد فرما؟

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں۔ (صحیح مسلم: ۲۴۸۵/۱۵۱ [۶۳۸۴])

③ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"يا أبا هريرة! أنت كنت ألزمنا لرسول الله ﷺ وأحفظنا لحديثه"

اے ابو ہریرہ! آپ ہم میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سب سے زیادہ رہتے تھے اور

آپ ﷺ کی حدیث کو سب سے زیادہ یاد کرنے والے تھے۔

(سنن الترمذی: ۳۸۳۶ وسندہ صحیح ۔ وقال الترمذی: ''ھٰذا حدیث حسن'' وصححہ الحاکم ۵۱۰/۳، ۵۱۱ ح ۶۱۶۷ ووافقہ الذہبی)

سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو (حجۃ الوداع میں) منادی کرنے والا بنا کر بھیجا تھا۔ (صحیح بخاری: ۳۶۹)

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے نزدیک سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بہت بڑا مقام تھا۔ یاد رہے کہ اس حج میں سیدنا رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو منادی کرنے والا بنا کر بھیجا تھا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

ایک دفعہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث بیان کی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

''صدق أبو هريرة'' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سچ کہا ہے۔ (طبقات ابن سعد ۳۳۲/۴ وسندہ صحیح)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی۔

(التاریخ الصغیر [التاریخ الاوسط] للبخاری ص ۵۵ دوسرا نسخہ ۱۲۸/۱، ۱۲۹ وسندہ صحیح ، ابن وہب رواہ عن ابن جریج والراوی عنہ ابن صالح أو ابن عیسیٰ المصری وکلاہما ثقتان)

سیدنا رسول اللہ ﷺ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

سیدنا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے میرے اللہ! ابو ہریرہ اور اس کی ماں کو اپنے مومن بندوں کا محبوب بنا دے۔ (صحیح مسلم: ۲۴۹۱/۱۵۸ [۶۳۹۶])

یہ دعا قبول ہوئی۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہر مومن جو میرے بارے میں سن لیتا ہے تو بغیر دیکھے ہی مجھ سے محبت کرتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۴۹۱ نحو المعنیٰ)

خلاصۃ التحقیق: ان تمام روایات اور دیگر احادیثِ صحیحہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسئولہ بالا قصہ بے اصل اور موضوع ہے۔

دوسرا قصہ: گردن ماری جانے کا خوف

یہ قصہ بھی بے اصل اور موضوع ہے۔ اس سلسلے میں چند دیگر روایات کی تحقیق درج ذیل ہے:

۱۔ محمد بن عجلان سے روایت ہے کہ ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے تھے: میں ایسی حدیثیں بیان کرتا ہوں، اگر میں عمر (رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں یہ حدیثیں بیان کرتا تو آپ میرا سر (مار مار کر) زخمی کر دیتے۔ (البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ۱۱۰/۸، وسیر اعلام النبلاء للذہبی ۶۰۱/۲)

عبداللہ بن وہب المصری رحمہ اللہ سے نیچے سند غائب ہونے کے ساتھ ساتھ یہ روایت سخت منقطع ہے۔ دیکھئے الانوار الکاشفہ (ص ۱۵۵) ابن عجلان مدلس بھی تھے۔ دیکھئے طبقات المدلسین لابن حجر (۳/۹۸، المرتبۃ الثالثۃ) ومشکل الآثار للطحاوی (۱/۱۰۰، ۱۰۱)

۲۔ صالح بن ابی الاخضر عن الزہری عن ابی سلمۃ کی سند سے روایت ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ہم عمر (رضی اللہ عنہ) کی وفات سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان نہیں کر سکتے تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ ۱۱۰/۸)

یہ سند ضعیف و مردود ہے۔ صالح بن ابی الاخضر: "**ضعیف یعتبر بہ**" ہے۔ (التقریب: ۲۸۴۴)

امام زہری مدلس تھے۔ دیکھئے طبقات المدلسین (۳/۱۰۲، المرتبۃ الثالثۃ) اور شرح معانی الآثار للطحاوی (۱/۵۵ باب مس الفرج)

صالح بن ابی الاخضر سے نیچے والی سند یہاں غائب ہے اور سیر اعلام النبلاء (۶۰۲/۲) میں اس کا صالح سے راوی یزید بن یوسف الرجبی ضعیف ہے لہٰذا یہ سند صالح سے بھی ثابت نہیں ہے۔

۳۔ بغیر سند کے "**محمد بن یحیی الذهلي: ثنا عبدالرزاق عن معمر عن الزهري**" کی سند سے مروی ہے کہ ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: میں عمر (رضی اللہ عنہ) کی زندگی میں یہ حدیثیں بیان نہیں کر سکتا تھا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ میری پیٹھ پر کوڑا برسے گا۔

(البدایۃ والنہایۃ ۱۱۰/۸)

یہ روایت کئی وجہ سے مردود ہے: ① امام زہری نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کچھ بھی نہیں سنا۔ ان کی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت منقطع ہوتی ہے۔ دیکھئے الاتحاف المہرۃ لابن حجر (۵۹۰/۱۵) وتحفۃ التحصیل فی ذکر رواۃ المراسیل للعراقی (ص ۲۸۹) وجامع التحصیل (ص ۲۶۹)

② امام زہری کی تدلیس کے علاوہ امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی رحمہ اللہ بھی مدلس تھے۔ دیکھئے طبقات المدلسین (۵۸/۲، المرتبۃ الثانیۃ/صحیح یہ ہے کہ وہ مرتبہ ثالثہ سے ہیں) وکتاب الضعفاء للعقیلی (۱۱۰/۳، ۱۱۱ وسندہ صحیح)

صرف یہ روایت ثابت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (کثرت سے) حدیث بیان کرنا چھوڑ دو ورنہ میں تمھیں (تمھارے قبیلے) دوس میں بھیج دوں گا۔ (تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی: ۱۴۷۵، وسندہ صحیح)

یہ روایت اس پر محمول ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کثرت سے احادیث بیان کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ تاکہ لوگ فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ (دیکھئے البدایۃ والنہایۃ ۱۱۰/۸)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس طرح دوسرے صحابہ کو بھی منع کیا تھا کہ کثرت سے حدیثیں بیان نہ کریں۔ دیکھئے سیر اعلام النبلاء للذہبی (۶۰۱/۲)

اس فاروقی اجتہاد کے مقابلے میں دیگر صحابہ مثلاً سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ، سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ وغیرہم کثرت سے صحیح احادیث بیان کرتے تھے اور جمہور صحابہ کا یہی طرزِ عمل راجح ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے عظیم حافظے کا ایک صحیح واقعہ

ابو زعیزعہ کاتب مروان سے روایت ہے کہ مروان بن الحکم نے (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کو بلایا اور (حدیثیں) پوچھنے لگا۔ مروان نے مجھے پردے کے پیچھے بٹھا رکھا تھا تاکہ میں (یہ حدیثیں) لکھوں۔ اگلے سال مروان نے (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کو دوبارہ بلایا اور ان احادیث کے بارے میں پوچھنے لگا۔ اس نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں لکھی ہوئی کتاب کو

دیکھتا رہوں۔ میں نے دیکھا کہ ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) نے ایک حرف کا بھی فرق نہیں کیا۔

(الاشراف علیٰ مناقب الاشراف لابن ابی الدنیا ص ۱۵۷، ۱۵۸ ح ۳۱۱ وسندہ حسن، المستدرک للحاکم ۵۱۰/۳ ح ۶۱۶۴ وقال: ''ھذا حدیث صحیح الاسناد'' وقال الذہبی: ''صحیح'')

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کیسا عظیم الشان حافظہ عطا فرمایا تھا!

تنبیہ: حاکم اور ذہبی کی توثیق بذریعۂ تصحیح حدیث کے بعد ابو عزیزعہ کو مجہول کہنا غلط ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک عظیم الشان کرامت

قاضی ابو الطیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم جامع منصور میں ایک حلقے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک خراسانی نوجوان آیا تو اس نے جانور کے تھنوں میں دودھ روکنے کے مسئلے کے بارے میں پوچھا اور دلیل کا مطالبہ کیا تو ایک استدلال کرنے والے (محدث) نے اس مسئلے میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث پیش کی تو وہ خبیث نوجوان بولا: ''أبو هريرة غير مقبول الحديث'' ابو ہریرہ کی حدیث مقبول نہیں ہے۔ قاضی ابو الطیب نے فرمایا: اس نوجوان نے اپنی بات پوری نہیں کی تھی کہ اتنے میں جامع مسجد کی چھت سے ایک بہت بڑا سانپ گر پڑا تو لوگ بھاگنے لگے اور وہ نوجوان بھی اس سانپ کے آگے بھاگنے لگا۔ بعد میں یہ سانپ غائب ہو گیا۔ (المنتظم لابن الجوزی ۱۰۶/۱۷ وسندہ صحیح)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے دلوں کو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی محبت سے بھر دے۔ آمین

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے دفاع کے لئے علمائے حق نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن میں سے درج ذیل دو کتابیں انتہائی اہم ہیں:

① دفاع عن أبي هريرة (تصنیف عبدالمنعم صالح العلی العزی)

② الأنوار الكاشفة (ص ۱۴۰ تا ۲۲۸ تصنیف الشیخ عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی رحمہ اللہ)

فائدہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سات سو سے زیادہ راویوں نے حدیث بیان کی ہے۔ دیکھئے دفاع عن ابی ہریرۃ (ص ۲۷۳ تا ۳۱۴) اور بعض کہتے ہیں کہ آٹھ سو سے زیادہ راویوں نے ان سے روایت بیان کی ہے۔ [ماہنامہ الحدیث حضرو: ۳۲]

مجرم (۴۰): ''قرآن کی دو آیتیں کھجور کے پتوں پر لکھی ہوئی تھیں.... میری بکری آئی اور انہیں کھا گئی۔ (روایت عائشہ صدیقہؓ صحاح ستہ بخاری تا ابن ماجہ) حالانکہ اللہ فرماتا ہے یہ قرآن میں نے نازل کیا اور میں ہی اس کا محافظ ہوں۔'' (اسلام کے مجرم ص ۷۷)

الجواب: یہ روایت صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داود، سنن الترمذی اور سنن النسائی میں ان الفاظ کے ساتھ قطعاً موجود نہیں ہے لہٰذا منکرِ حدیث نے ایک ہی سانس میں ان پانچوں محدثین پر کالا جھوٹ بولا ہے۔ سنن ابن ماجہ (۱۹۴۴) ومسند احمد (۲۶۹/۶) میں یہ روایت محمد بن اسحاق بن یسار کی سند سے موجود ہے اور ابن اسحاق نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔

جن دو آیتوں کے بارے میں اس روایت میں آیا ہے کہ انھیں بکری کھا گئی تھی وہ آیت رجم اور رضاعۃ الکبیر عشراً (بڑے آدمی کو دس دفعہ دودھ پلانے سے رضاعت کا ثابت ہونا) تھیں۔

آیتِ رجم کی تلاوت رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہی منسوخ ہو گئی۔ دیکھئے تفسیر ابن ابی حاتم (۲۰۰/۱ ح ۱۰۵۷ وسندہ حسن عن اسماعیل بن عبدالرحمٰن السدی رحمہ اللہ وھو صدوق حسن الحدیث) لیکن شادی شدہ زانی کے لئے رجم کا حکم باقی رہا۔

رضاعۃ الکبیر عشراً والی آیت بھی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں منسوخ ہو گئی تھی۔ دیکھئے صحیح مسلم (۱۴۵۲، دارالسلام: ۳۵۹۷) موطأ امام مالک (۶۰۸/۲ ح ۱۳۳۰) اس آیت کا حکم بھی منسوخ ہو گیا تھا۔

چونکہ ان دونوں آیتوں کی تلاوت منسوخ ہو گئی تھی لہٰذا قرآنِ مجید میں ان کے لکھا جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ قرآن کی حفاظت خود اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے لہٰذا اس کے حکم سے بکری نے اس چیز کو کھا لیا جس پر یہ دونوں آیتیں لکھی ہوئی رہ گئی تھیں۔ منسوخ التلاوت آیتوں کے ضائع ہونے سے قرآنِ مجید پر کوئی فرق نہیں آیا بلکہ قرآن کامل مکمل اور پورے کا پورا مسلمانوں کے پاس موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔ والحمد للہ

ڈاکٹر شبیر احمد (منکرِ حدیث) کی اس کتاب کے شروع میں کذاب ودجال اراکینِ شوریٰ نے لکھا ہے کہ ''قرآن کریم دو آیات میں فرماتا ہے کہ جو شخص آپؐ کو جادو زدہ (مسحور) سمجھے وہ ظالم ہے

لیکن چونکہ بخاری لکھ گیا ہے کہ ایک یہودی نے آپؐ کے ناخن اور بال حاصل کر کے اور گڑیا پر سویاں چبھو کر آپؐ پر جادو کر دیا تھا تو ہمارا مولوی اور اس کے سکھائے ہوئے عوام قرآن کو چھوڑ کر جادو کی روایت پر ایمان رکھتے ہیں۔ بات پھر آگے چلتی ہے۔ کتاب اللہ کی آخری دو سورتوں کو معوذتین اور جادو نظر بد جنتر منتر وغیرہ کا توڑ سمجھ لیا گیا۔ قرآن کے آفاقی علم و حکمت کو خاک کی آغوش میں ملا دیا گیا۔''

(اسلام کے مجرم ص ۹،۸)

عرض ہے کہ بے شک جو شخص رسول اللہ ﷺ کو مسحور یعنی مخدوع اور مغلوب العقل سمجھتا ہے (دیکھئے تفسیر واحدی رالوسیط ۳ر۱۱۱) وہ بڑا ظالم اور کافر ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ نبی پر جادو کا بعض وقتی اثر نہیں ہو سکتا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر جادوگروں کے جادو کی وجہ سے یہ اثر ہوا تھا کہ آپ خوف زدہ ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ڈرو نہیں۔ تم ہی اعلیٰ ہو، اپنے دائیں ہاتھ میں جو (عصا) ہے اُسے پھینکو، یہ ان کی چال کو ختم کر دے گا۔

دیکھئے سورۃ طٰہٰ آیت: ۶۷ تا ۶۹

رسول اللہ ﷺ خیر البشر ہیں۔ بشر کی طرح آپ پر بھی بیماری کا اثر ہو سکتا ہے۔ یہودیوں کے جادو کا آپ پر صرف بعض دن یہ اثر ہوا تھا کہ آپ دنیا کی باتیں بھول جاتے تھے۔ دین کی باتوں پر یہ اثر قطعاً نہیں ہوا تھا لہٰذا دین اسلام محفوظ ہے۔ والحمد للہ

نیز دیکھئے یہی کتاب ص ۲۲، ۲۳، ۳۵۔ ۳۷

نام نہاد ڈاکٹر شبیر احمد (منکرِ حدیث) کے صحیح بخاری پر اعتراضات کا جواب مکمل ہوا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو مبتدعین و منکرین کی ہدایت کا سامان اور عام مسلمانوں کے لئے ایمان زیادہ ہونے کا باعث بنائے۔ (آمین)

وما توفیقی إلا باللّٰه، علیه توکلت وإلیه أنیب .

(۲۹ر رمضان ۱۴۲۸ھ، ۱۵ر اکتوبر ۲۰۰۷ء)

صحیح بخاری کی دو حدیثیں اور ان کا دفاع

سوال: اللہ سے دعا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے علم وعمل میں اضافہ فرمائے اور آپ کو لمبی عمر عطا فرمائے۔ (آمین) شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے مندرجہ ذیل روایات کو ضعیف قرار دیا ہے۔ آپ اپنی تحقیق کی روشنی میں جواب ارشاد فرما کر آگاہ فرمائیں۔

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: ((قال الله: ثلاثة أنا خصمهم يوم القيامة رجل أعطى بي ثم غدر ورجل باع حرًا فأكل ثمنه ورجل استأجر أجيرًا فاستوفى منه ولم يعطه أجره.))

(اخرجہ البخاری ۱/۳۰۲ ح ۲۲۷۰، واحمد ۲/۳۵۸)

اس حدیث کے ایک راوی یحییٰ بن سُلیم کے متعلق موصوف کہتے ہیں کہ یہ قیاس کے خلاف حدیثیں گھڑتا تھا۔ (!!)

(۲) عن علي قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: سيخرج قوم في آخر الزمان أحداث الأسنان سفهاء الأحلام يقولون من خير قول البرية لايجاوز إيمانهم حناجرهم، يمرقون من الدين كمايمرق السهم من الرمية فأينما لقيتموهم فاقتلوهم فإن في قتلهم أجرًا لمن قتلهم يوم القيامة.

(البخاری: ۶۹۳۰)

شیخ البانی رحمہ اللہ اس روایت کو منکر کہتے ہیں۔

الجواب: پہلی حدیث کا ترجمہ درج ذیل ہے:

اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا: میں تین آدمیوں کا قیامت کے دن دشمن ہوں گا (ایک) وہ آدمی جس نے میرے نام پر عہد و پیمان کیا پھر غداری کرتے ہوئے اسے توڑ دیا (دوسرا) وہ

آدمی جس نے کسی آزاد شخص کو غلام بنا کر بیچا اور اس کی قیمت کھالی (تیسرا) وہ آدمی جس نے کسی مزدور کو اجرت پر رکھا، اس سے پورا کام لیا لیکن مزدوری نہ دی۔

(صحیح بخاری: ۲۲۲۷، ۲۲۷۰)

اسے احمد بن حنبل (۳۵۸/۲ ح ۸۶۹۲) ابن الجارود (۵۷۹) ابن ماجہ (۲۴۴۲) اور ابن حبان (الاحسان: ۷۲۹۵) وغیرہم نے " يحيى بن سُليم الطائفي عن إسماعيل ابن أمية عن سعيد المقبري عن أبي هريرة رضي الله عنه " کی سند سے روایت کیا ہے۔ اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے۔ سعید بن ابی سعید المقبری اور ان کا والد دونوں ثقہ ہیں۔ (تقریب التہذیب: ۲۳۲۱، ۵۶۷۶)

اسماعیل بن اُمیہ: ثقہ ثبت ہیں (التقریب: ۴۲۵)

یحییٰ بن سلیم الطائفی کے بارے میں جرح وتعدیل کا جائزہ درج ذیل ہے۔

یحییٰ بن سلیم پر جرح

(۱) احمد بن حنبل: والله إن حديثه يعني فيه شئ، وكأنه لم يحمده ... كا ن قد أتقن حديث ابن خثيم إلخ (۲) ابوحاتم الرازی: شيخ صالح محله الصدق ولم يكن بالحافظ يكتب حديثه ولا يحتج به (۳) النسائی: ليس بالقوي ... ليس به بأس وهو منكر الحديث عن عبيد الله بن عمر (۴) ابواحمد الحاکم: ليس بالحافظ عندهم (۵) الدارقطنی: سيئ الحفظ (۶) العقیلی: ذکرہ فی کتاب الضعفاء [۴۰۶/۴] ونقل بسند صحیح عن أحمد قال: وقعت على ابن سليم وهو يحدث عن عبيدالله أحاديث مناكير فتركته ولم أحمل عنه إلا حديثاً

(۷) ابن حجر: صدوق سيئ الحفظ [وفی تحریر تقریب التہذیب (۷۵۶۳): بل صدوق حسن الحديث، ضعيف في روايته عن عبيد الله بن عمر]

(۸) الساجی: صدوق يهم في الحديث وأخطأفي أحاديث رواها [عن] عبيدالله بن عمر (تہذیب التہذیب ۱۱/ ۱۹۹) (۹) البیہقی: كثير الوهم سيئ الحفظ [السنن

الکبریٰ ۹/ ۲۵۶] (۱۰) البخاری: یروي أحادیث عن عبیداللّٰه یهم فیها.. [العلل الکبیر للترمذی ۱/ ۵۱۶] رجل صالح صاحب عبادة یهم الکثیر في حدیثه إلا أحادیث کان یسأل عنها ... [ایضاً ۲/ ۹۷۱]

یحییٰ بن سلیم کی تعدیل

(۱) یحییٰ بن معین قال: ثقة [تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۲۲۹] (۲) ابن سعد نے کہا: وکان ثقة کثیر الحدیث [الطبقات ۵/ ۵۰۰] (۳) العجلی نے کہا: ثقة [الثقات / التاریخ: ۱۹۸۰] (۴) ابن شاہین، ذکرہ فی الثقات [۱۵۹۱] (۵) ابن حبان، ذکرہ فی الثقات [۷/ ۶۱۵] ولم یقل شیئاً ونقل المزي عن ابن حبان قال: یخطئ [تہذیب الکمال ۲۰/ ۱۱۷] (۶) النسائی قال: لیس به بأس إلخ، نسائی نے یحییٰ بن سلیم کی حدیث پر سکوت کیا [ح ۸۷، ۱۱۴] اور کہا: ثقة [تہذیب الکمال ۲۰/ ۱۱۴] لعله أراد هذا أو غیره (۷) یعقوب بن سفیان نے کہا: سني رجل صالح وکتابه لا بأس به وإذا حدث من کتابه فحدیثه حسن وإذا حدث حفظًا فیعرف وینکر [کتاب المعرفۃ والتاریخ (۳/ ۵۱)] (۸) البخاري: احتج به فی صحیحہ [ح ۲۲۲۷، ۲۲۷۰] (۹) مسلم بن الحجاج: احتج به فی صحیحہ [۲۸/ ۲۲۹۴ و دارالسلام: ۵۹۷۳] (۱۰) ابن عدی قال: ولیحیي بن سلیم عن إسماعیل بن أمیة وعبیداللّٰه بن عمر وابن خثیم وسائر مشائخه أحادیث صالحة وإفرادات وغرائب یتفرد بها عنهم وأحادیثه مقاربة وهو صدوق لا بأس به [الکامل ۷/ ۲۶۷۵ دوسرا نسخہ ۹/ ۶۴] (۱۱) ابن الجارود: احتج به فی صحیحہ [۵۷۹]

(۱۲) الساجی: صدوق یہم فی الحدیث إلخ دیکھئے اقوالِ جرح: ۸

(۱۳) الذہبی: ثقة [الکاشف ۳/ ۲۲۶ ت ۶۲۹۰] (۱۴) الحاکم: صحح له فی المستدرک [۱/ ۳۰۱ ح ۱۱۲۱] (۱۵) الترمذی: حسن له فی سننہ [ح ۵۴۴] (۱۶) ابن خزیمہ: صحح له فی صحیحه بروایته وسکوته علیه [ح ۱۵۰] (۱۷) البوصیری قال فی حدیثہ: هذا إسناد حسن، رجاله ثقات [ابن ماجہ مع زوائدہ: ۱۴۴] (۱۸) البغوی قال فی حدیثہ:

هذا حديث صحيح [شرح السنۃ ۸/۲۶۶ ح ۲۱۸۶] (۱۹) الزیلعی قال: فهو ثقة [نصب الرایۃ ۴/۲۰۳] (۲۰) وأشار المنذری إلی تقویۃ حدیثہ، انظر الترغيب والترهيب [۳/۲۳ ح ۲۸۰۴ و ۳/۳۳ ح ۲۸۳۷] (۲۱) وأشار الهيثمي إلى تقوية حديثه، انظر مجمع الزوائد [۳/۲۹۹] (۲۲) الاسماعیلی روی حدیث البخاری فی مستخرجہ، انظر فتح الباری [۴/۴۱۸ ح ۲۲۲۷] (۲۳) ابن حجر، مال إلی تقویتہ، انظر فتح الباری [۴/۴۱۸] (۲۴) عینی حنفی نے یحییٰ بن سلیم کی توثیق نقل کی اور جرح نقل نہیں کی دیکھئے شرح سنن ابی داود [۱/۳۳۱ للعینی] (۲۵) ابن القطان الفاسی نے کہا: ومن ضعفه لم يأت بحجة وهو صدوق عند الجميع [بیان الوهم والایہام ۲/۳۵۵ ح ۳۵۳]

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ یحییٰ بن سلیم الطائفی جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق، صحیح الحدیث وحسن الحدیث ہیں۔ بعض علماء نے ان پر ''یهم'' و ''یخطئ'' و ''أخطأ'' وغیرہ جرح کی ہے جو کہ حسن الحدیث کے منافی نہیں ہے۔ بعض نے اس پر سيّئ الحفظ، کثیر الخطاء ومنکر الحدیث وغیرہ جرح کی ہے جس کا تعلق یحییٰ بن سلیم کی عن عبیداللہ بن عمر والی روایت سے ہے۔ احمد بن حنبل نے عبداللہ بن عثمان بن خثیم سے یحییٰ مذکور کو متقن (یعنی ثقہ) قرار دیا ہے۔ (کہا جاتا ہے کہ) امام بخاری نے فرمایا: ماحدث الحميدي عن يحيى بن سليم فهو صحيح یعنی: حمیدی نے جو روایت یحییٰ بن سلیم سے بیان کی ہے وہ صحیح ہے۔

(تہذیب التہذیب ۱۱/۲۲۷)

خلاصۃ التحقیق: یحییٰ بن سلیم الطائفی کی روایات کے چار درجے ہیں:

۱: وہ جب ابن خثیم سے روایت کریں تو متقن (ثقہ) ہیں۔

۲: ان سے جب (عبداللہ بن الزبیر) الحمیدی روایت کریں تو وہ صحیح الحدیث (ثقہ) ہیں۔

۳: عبیداللہ بن عمر اور ابن خثیم کے علاوہ تمام راویوں سے وہ روایت کرے تو حسن الحدیث ہیں۔

۴: عبیداللہ بن عمر سے ان کی روایت ضعیف ہے۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ صحیح بخاری کی مسئولہ حدیث بلحاظ سند و اصولِ حدیث حسن لذاتہ ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ کا اس پر جرح کرنا غلط اور مردود ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ کا یہ قول بہت عجیب و غریب ہے کہ "حسن أو قریب منه" (ارواء الغلیل ۳۰۸/۵ ح ۱۴۸۹) اور اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب وہ استنباط ہے جو شیخ البانی رحمہ اللہ نے امام بخاری کے قول: "ماحدث الحمیدی عن یحییٰ بن سلیم فھو صحیح" سے نکالا ہے کہ اگر غیر حمیدی اس (یحییٰ بن سلیم) سے روایت کرے تو (امام بخاری کے نزدیک) ضعیف ہے۔ اسے مفہوم مخالف کہتے ہیں۔ دلیلِ صریح کے مقابلے میں مفہوم مخالف اور مبہم وغیر واضح دلائل سب مردود ہوتے ہیں۔ امام بخاری نے یحییٰ بن سلیم سے صحیح بخاری کے اصول میں روایت کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ اُن کے نزدیک ثقہ ہیں لہٰذا امام بخاری کے قول کا یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ حمیدی کی یحییٰ بن سلیم سے روایت مطلقاً صحیح ہوتی ہے چاہے وہ عبیداللہ بن عمر سے روایت کریں یا نہ کریں، اسی طرح وہ اسماعیل بن امیہ سے امام بخاری کے نزدیک صحیح الحدیث ہیں۔ جب دوسروں سے روایت کریں تو حسن الحدیث ہیں۔ اس مفہوم و تطبیق سے جمہور محدثین اور امام بخاری کے اقوال کے درمیان تطبیق و توفیق بھی ہو جاتی ہے اور اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری کی حدیث بھی ضعیف نہیں قرار پاتی۔

وهذا هو الصواب والحمدلله رب العالمين

تنبیہ: یہ قول کہ "قیاس کے خلاف حدیثیں گھڑتا تھا" مجھے یحییٰ بن سلیم کے بارے میں کہیں نہیں ملا۔ مختصر صحیح البخاری (۲/۷۴،۳۴۷) میں شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے بارے میں توقف کیا ہے۔!

دوسری حدیث کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"آخری زمانہ میں ایک ایسی قوم نکلے گی جو نو عمر بے وقوف ہوں گے۔ لوگوں کے اقوال میں سے بہترین قول کہیں گے (یعنی قرآن پڑھیں گے) اُن کا ایمان اُن کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر نشانے سے نکل جاتا ہے۔

پس تم انھیں جہاں پاؤ اُن سے قتال کرو کیونکہ قیامت کے دن اُن کے قتل کا اجر وثواب ملے گا''
(صحیح البخاری: ۶۹۳۰، ۵۰۵۷، ۳۶۱۱ وصحیح مسلم ۱۵۴/۱۰۶۶ ودارالسلام: ۲۴۶۲ وسنن ابی داود: ۴۷۶۷ وسنن النسائی ۱۱۹/۷ ح ۴۱۰۷)

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے۔ سوید بن غفلہ، خثیمہ بن عبدالرحمٰن بن ابی سبرہ الجعفی اور سلیمان الاعمش سب ثقہ راوی ہیں۔ اعمش نے سماع کی تصریح کر دی ہے لہٰذا تدلیس کا اعتراض غلط ہے۔

تنبیہ: صحیح بخاری وصحیح مسلم وسنن ابی داود وسنن النسائی ومسند احمد (۸۱/۱ ح ۶۱۶، ۱۱۳/۱ ح ۹۱۲) وغیرہ میں ''من خیر قول البریة'' ہے۔ یہ جملہ صحیح ہے منکر نہیں ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس جملے والے متن کو ''صحیح'' کہا ہے۔ (صحیح الجامع: ۳۶۵۴)
ارواء الغلیل کی ایک عبارت (۱۲۰/۸۔۱۲۳ ح ۲۴۷۰) میں ایک دوسرے لفظ ''من قول خیر البریة'' کے منکر ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم

خلاصۃ التحقیق: صحیح بخاری وصحیح مسلم کی مسئولہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح ہی قرار دیا ہے۔ نیز دیکھئے مختصر صحیح البخاری (۲۳۹/۴) والحمدللہ

(۳ جمادی الاول ۱۴۲۶ھ)

صحیح بخاری اور ضعیف احادیث

سوال: کیا صحیح بخاری میں کوئی ضعیف حدیث موجود ہے؟

الجواب: صحیح بخاری میں سند متصل کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی احادیث ہیں وہ ساری کی ساری یقیناً صحیح ہیں۔ اُن میں سے ایک بھی ضعیف نہیں۔ اصولِ حدیث کی کتابوں میں اس پر اجماع نقل کیا گیا ہے بلکہ بعض علماء سے یہ مروی ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر صحیح بخاری میں کوئی ضعیف روایت ہو تو میری بیوی پر طلاق ہے۔ تو ایسے شخص کی بیوی پر طلاق نہیں پڑتی۔ دیکھئے مقدمۃ ابن الصلاح مع التقیید والإیضاح للعراقی (ص ۳۸، ۳۹)

شاہ ولی اللہ الدہلوی فرماتے ہیں:

''صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بارے میں تمام محدثین متفق ہیں کہ ان میں تمام کی تمام متصل اور مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں۔ یہ دونوں کتابیں اپنے مصنفین تک بالتواتر پہنچی ہیں۔ جو ان کی عظمت نہ کرے وہ بدعتی ہے جو مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے۔''

(حجۃ اللہ البالغہ، اردو ج ۱ ص ۲۴۲ مترجم عبدالحق حقانی طبع محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

دیوبندیوں کے نزدیک مستند کتاب ''عقائد الاسلام'' میں لکھا ہوا ہے کہ ''اسی لیے حدیث کی کتابوں میں صحیح بخاری سب سے قوی اور معتبر ہے اس کے بعد صحیح مسلم''

(ص ۱۰۰- از عبدالحق حقانی)

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ساری دنیا کے منکرین حدیث کو میرا یہ چیلنج ہے کہ صحیح بخاری کے اُصول میں سے صرف ایک ضعیف حدیث ثابت کرنے کی کوشش کرلیں، ان شاء اللہ اپنی کوشش میں منکرینِ حدیث کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ **ولو كان بعضهم لبعض ظهيرا .**

صحیح بخاری اور سفیان ثوری

سوال: آپ نے اپنی کتابوں مثلاً نور العینین فی اثبات رفع الیدین وغیرہ میں یہ ثابت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام سے رکوع سے پہلے اور بعد والا رفع یدین ترک کردینا ثابت نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں حنفیہ کی سب سے مشہور دلیل: ''**حديث سفيان الثوري عن عاصم بن كليب عن عبدالرحمن بن الأسود عن علقمة عن عبدالله بن مسعود**'' کے بارے میں آپ نے لکھا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے، وجہ یہ ہے کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ ثقہ فقیہ عابد ہونے کے ساتھ ساتھ مدلس بھی تھے۔ وہ یہ روایت ''عن'' کے ساتھ روایت کر رہے ہیں۔ اُصولِ حدیث کا مسئلہ ہے کہ مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے لہٰذا یہ روایت اُصولِ حدیث کی رُو سے ضعیف ہے۔ اس کا جواب ابو بلال محمد اسماعیل جھنگوی دیوبندی نے اپنی کتاب ''تحفۂ اہل حدیث'' قسط دوم میں ص ۱۵۵ پر یہ دیا ہے کہ صحیح بخاری میں سے سفیان ثوری کی دس روایات پیش کی ہیں جنھیں سفیان ثوری اللہ عن سے روایت کر رہے ہیں۔ کیا جھنگوی کی ذکر کردہ ان روایات میں سماع کی

تصریح یا متابعت ثابت ہے؟

الجواب: ان تمام روایات میں متابعت یا تصریح سماع ثابت ہے۔ والحمدللہ

ہمارے دوست محترم ابو ثاقب محمد صفدر بن غلام سرور حضروی نے اسماعیل جھنگوی مذکور کو کافی عرصہ پہلے ایک خط لکھا تھا۔ جس میں ص ۲ پر یہ لکھا تھا:

''آپ نے ص ۱۵۵ پر صحیح البخاری کی دس روایات لکھی ہیں۔ کیا آپ کا دعویٰ ہے کہ ان روایات میں سفیان ثوری کی تصریحِ سماع یا متابعت قطعاً ثابت نہیں ہے؟ اگر آپ کا یہ دعویٰ ہے تو یہ دعویٰ لکھیں اور اس پر اپنے چند ''مستند علماء'' سے بھی دستخط کروا کر مجھے بھیج دیں۔ مثلاً سرفراز خان صفدر، امین اوکاڑوی صاحب، تقی عثمانی صاحب وغیرہم، میں ان شاء اللہ ان تمام روایات میں متابعت یا سماع کی تصریح ثابت کروں گا والحمدللہ۔''

اس خط کا ابھی تک کوئی جواب نہیں آیا۔ اب جھنگوی کی روایات مذکورہ پر تبصرہ پیشِ خدمت ہے:

۱۔ بخاری باب علامۃ المنافق ج ۱ ص ۱۰ (ح ۳۴) اس روایت میں سفیان ثوری کی متابعت، شعبہ نے کر رکھی ہے۔ صحیح بخاری کتاب المظالم باب اذا خاصم فجر (ح ۲۴۵۹)

۲۔ بخاری باب الغضب فی الموعظۃ ج ۱ ص ۱۹ (ح ۹۰) اس روایت میں زہیر (وغیرہ) نے سفیان کی متابعت کر رکھی ہے۔ صحیح بخاری کتاب الاذان باب تخفیف الامام فی القیام...... (ح ۷۰۲)

۳۔ بخاری باب الوضوء مرۃ مرۃ ج ۱ ص ۲۷ (ح ۱۵۷) سفیان ثوری نے سنن ابی داود میں سماع کی تصریح کر رکھی ہے۔ الطہارۃ باب الوضوء مرۃ مرۃ (ح ۱۳۸)

۴۔ بخاری باب البزاق والمخاط ج ۱ ص ۳۸ (۲۴۱) اس روایت میں اسماعیل بن جعفر نے سفیان کی متابعت کر رکھی ہے۔ صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ باب حک البزاق بالید من المسجد (ح ۴۰۵)

۵۔ بخاری باب الوضوء قبل الغسل ج ۱ ص ۳۹ (ح ۲۴۹) عبدالواحد نے سفیان کی متابعت کر رکھی ہے۔ بخاری کتاب الغسل باب الغسل مرۃ واحدۃ (ح ۲۵۷)

۶۔ بخاری باب التستر فی الغسل عن الناس ج ۱ ص ۴۲ (ح ۲۸۱) اس میں بھی عبدالواحد نے متابعت کر رکھی ہے، حوالہ سابقہ

۷۔ بخاری باب مباشرۃ الحائض ج ۱ ص ۴۴ (ح ۲۹۹) اس میں سفیان ثوری نے سماع کی تصریح کر رکھی ہے۔ دیکھئے سنن ابی داود، الطہارۃ باب الوضوء بفضل المرأۃ (ح ۷۷)

۸۔ بخاری باب مایستر من العورۃ ص ۵۳ (ح ۳۶۸) اس میں محمد بن یحییٰ بن حبان نے سفیان کی متابعت کر رکھی ہے صحیح بخاری کتاب البیوع باب بیع المنابذۃ (ح ۲۱۴۶)

۹۔ بخاری باب الاذان للمسافر ج ۱ ص ۸۸ (ح ۶۳۰) اس روایت میں یزید بن زریع نے سفیان کی متابعت کر رکھی ہے، صحیح بخاری کتاب الاذان باب اثنان فما فوقہما جماعۃ (ح ۶۵۸)

۱۰۔ بخاری باب السجود علیٰ سبعۃ اعظم ج ۱ ص ۱۱۳ (ح ۸۰۹) اس میں شعبہ وغیرہ نے سفیان کی متابعت کی ہے، حوالہ مذکورہ (ح ۸۱۰)

خلاصہ یہ ہے کہ ان ساری روایات میں سماع کی تصریح یا متابعت ثابت ہے والحمدللہ، لہٰذا دیوبندیوں کا اہلِ حدیث = اہل سنت کے خلاف پروپیگنڈا کرنا سرے سے باطل ہے۔ (9-8-2000)

حدیث کو قرآن پر پیش کرنے والی روایت موضوع ہے

سوال: قاضی ابویوسف یعقوب بن ابراہیم (متوفی ۱۸۲ھ) سے منسوب کتاب ''الرد علی سیر الأوزاعي'' میں لکھا ہوا ہے:

''حدثنا ابن أبي كريمة عن أبي جعفر عن رسول الله ﷺ أنه دعا اليهود فسألهم فحدثوه حتى كذبوا على عيسى عليه الصلوٰة و السلام، فصعد النبي ﷺ المنبر فخطب الناس فقال: إن الحديث سيفشو عني فما أتاكم عني يوافق القرآن فهو عني، وما أتاكم عني يخالف القرآن فليس عني'' ہمیں (خالد) ابن ابی کریمہ نے ابوجعفر (عبداللہ بن مسور) سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو بُلا کر پوچھا، تو انھوں نے حدیثیں بیان کیں حتی کہ انھوں

نے عیسیٰ علیہ السلام پر جھوٹ بولا۔ پھر نبی ﷺ نے منبر پر چڑھ کر لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا: میرے بارے میں حدیثیں پھیل جائیں گی پس تمھارے پاس میری کوئی حدیث قرآن کے مطابق پہنچے تو وہ میری حدیث ہے۔ اور تم تک میری طرف سے جو روایت قرآن کے مخالف پہنچے تو وہ میری حدیث نہیں ہے۔ (ص ۲۴، ۲۵)

کیا یہ روایت صحیح و قابلِ اعتماد ہے؟ تحقیق کر کے جواب دیں۔ شکریہ (ایک سائل)

الجواب: یہ روایت موضوع ہے۔

دلیل اول: اس روایت میں ابو جعفر سے مراد عبداللہ بن مسور (الہاشمی) ہے۔

دیکھئے التاریخ الکبیر للبخاری (۱۶۸/۳) الثقات لابن حبان (۲۶۲/۶) تاریخ بغداد (۲۹۲/۸) و اخبار اصبہان (۳۰۵/۱)

حافظ ابو نعیم الاصبہانی لکھتے ہیں: **''ابو جعفر ھو عبداللہ بن مسور''** (اخبار اصبہان ۳۰۵/۱)

اس عبداللہ بن مسور کے بارے میں امام احمد بن حنبل نے کہا: **''کان یضع الحدیث ویکذب''** وہ حدیثیں گھڑتا اور جھوٹ بولتا تھا۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۱۶۹/۵ وسندہ صحیح)

ابن حبان نے کہا: وہ ثقہ راویوں سے موضوع روایتیں بیان کرتا تھا اور تھوڑی روایتیں بیان کرنے کے باوجود بے اصل مُرسل روایتیں بیان کرتا تھا۔ اگر وہ ثقہ راویوں کی موافقت بھی کرے تو اس کی روایت سے استدلال جائز نہیں ہے۔ (کتاب المجروحین ۲۴/۲)

ذہبی نے کہا: ''یکذب'' وہ جھوٹ بولتا تھا۔ (دیوان الضعفاء والمتروکین: ۲۳۱۳)

یہ شخص بالاجماع کذاب و مجروح ہے۔

تنبیہ: تہذیب الکمال اور تہذیب التہذیب میں غلطی سے خالد بن ابی کریمہ کے استادوں میں ابو جعفر الباقر کا نام لکھ دیا گیا ہے جس کا کوئی ثبوت سلف صالحین سے نہیں ہے۔

دلیل دوم: ابو جعفر عبداللہ بن مسور کی مرسل روایات بے اصل ہوتی ہیں۔

دلیل سوم: قاضی ابو یوسف بذاتِ خود جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف اور مردود الروایۃ ہے۔ دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۱۹ ص ۴۵ تا ۵۵

دلیل چہارم: کتاب الرد علیٰ سیر الاوزاعی باسند صحیح قاضی ابو یوسف سے ثابت نہیں ہے۔ دیکھئے الحدیث:۱۹ص ۵۳، ۵۴

دلیل پنجم: یہ موضوع روایت قرآن مجید کی آیت ﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ﴾ اور تمھیں رسول جو (حکم) دے اُسے لے لو۔ (الحشر:۷) کے سراسر خلاف ہونے کی وجہ سے بھی مردود ہے۔ ابوالوفاء الافغانی (متروک الحدیث) نے اس روایت کے کچھ موضوع اور باطل شواہد پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ دیکھئے حاشیہ الرد علیٰ سیر الاوزاعی (ص ۲۵ تا ۲۸) یہ تمام شواہد موضوع، باطل اور مردود ہیں۔ وما علینا إلا البلاغ

(۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ)

صحیح بخاری کا دفاع

★ توفیق الباری فی تطبیق القرآن وصحیح البخاری

★ صحیح بخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ